



ماہ رمضان مبارک

نوبھوت کسانوں کا مجموعہ

سینکڑوں
ماہنامہ

اگست 2011

تھان پائی
مکتبہ رحمانیہ

PDFBOOKSFREE.PK





مخالف ستوں میں محسوس ایک
جڑے کی ہے جڑ زمیں کا



ہنگامہ زبان سے مستعار
ایک خوب صورت شاہکار



آپ کا دل میں ایک امن رنگ
آپ کی زندگی کے راق سے ہم آہنگ



نئی اسرائیل کی سرکشی بہت پرستی اور
انجیائے کرام کی جہد مسلسل کا احوال



ایک تپتی راز کی پاسداری اور
کسی کی بھعداری کا دلچسپ قصہ



حالات کی گہنی اندوہناں کی روانی
کھلے زبانی پر بھاری ایک انٹاری کی کھٹا



دنیا بھر کا ہر سے اپنے اپنے اقبالیات
مستزائیں اور تپتے ہوئے آپ کے لیے



اسرار اور تھیر کے پردے میں
اپن ایک منقرعہ نوئی سلسلہ



نوفلت کے شکار ایک
قیدی کے اظہار کا ماجرا



ماضی کا آئینہ - با اختیار اور بے اختیار
اسافوں کے عبرت اثر و اتعانت



سپیس کی تلاش ہے زمین کی تلاش نہیں
ہاتھ اگلے شکرے اور پر غلامی شکرے



نگہ بدی، غیر و شر کے درمیان
موجودہ خط و عداوت کا شاخسانہ



عکس و تحکیم کے قیام کا سلسلہ
ایک نئے دور کی حوصلہ داستان



ایک پر فریب و گزر
ایک دلرب و دلرب ترقی کاراز



ایک مستقبل شمس کا قصہ
جسے اپنے گل کی کہ کہ خوشی



ایک دلچیز کی مکاری اور
ایک اداس کی بھاری کالمانہ



دوب میں شمس کی آبر
ماہریت کے لیے حق خاص



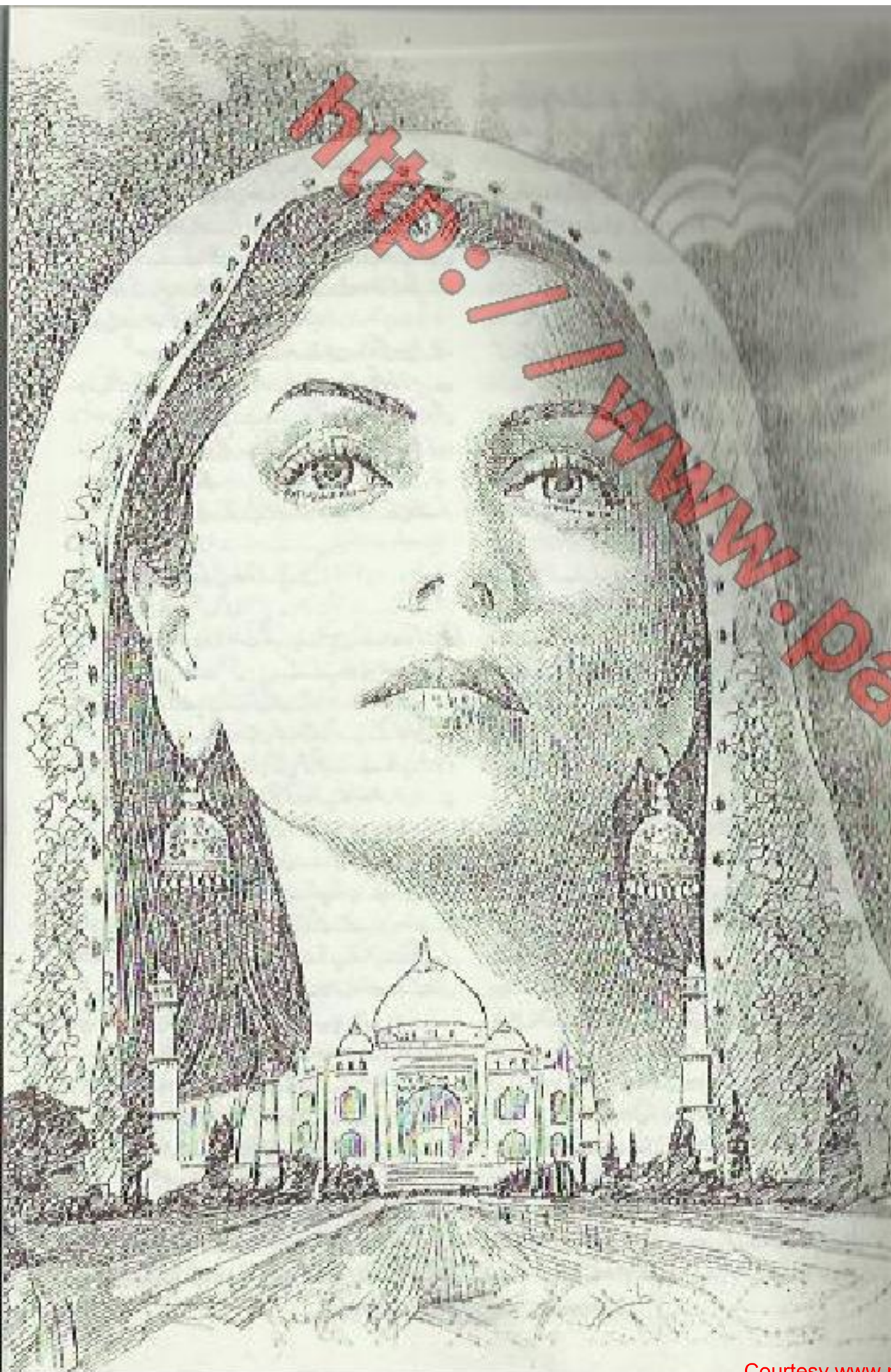
تجربہ قوم کے احساس
پرستی اور دہائی کا قصہ

فاتح کی شکست

ڈاکٹر صاحبہ امجد

تاریخ کے اوراق یہ بتاتے آتے ہیں... کہیں ستوں اور گنبدی انگارے بادشاہت کے معبر میں مہول بھلیوں کے مانند سنانے ساتھ چلے ہیں۔ جنگ بادشاہت کے ابوانوں میں رشتوں کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی... کہیں امن اور کہیں حالت جنگ... دونوں صورتوں میں اقتدار کی وسعت کشمی، یہ شک جنگیں شہزادوں کے سر کا تاج ہوتی ہیں مگر اقتدار کی تخت اس کا ساقہ دیتا ہے جو فاتح ہوتا ہے... مگر کہیں کہیں شکست پر بھی مسکراتا ہوتا ہے اور شکست پر وہی خرقہ ہوتا ہے جس نے اپنی فتح کا کرنی دوسرا راستہ تلاش کر لیا ہے۔ یہ رقت نہیں کہہ سکتا عالم ہوتا ہے... کہیں سلطنت مغلیہ جس کی انگاری کے اشارے پر چلتی تھی۔ آج یہ بس طعیر ہی کہ مانند اس اجنبی محل میں نہ ہوتی پھر رہی تھی... چونکہ اس کا اپنا بیلا شاہجہاں اس کے ورعیوں ہوا کہ عوام پر شوقان جہوں کے مانند اڑتا پھر رہا تھا کہ رفتہ رفتہ رستوں میں بچے انگارے ستاروں میں ڈھل گئے اور بالآخر تاج محل کی حسین یادگار پر اس داستان کا انجام ہوا۔

ماہی کا آئینہ۔ اختیار اور بے اختیار انسانوں کے عبرت اور انتحار



فرم بھی شہزادہ خرم تھا۔ شاہ جہاں کی تخت نشینی ہندوستان پر ملوہ اور دکن میں ہوا تھا۔ باپ کی طرف سے ولی عہد کا مرتبہ اور شاہ جہاں کا لقب عطا ہوا تھا۔ امیر ہیں اس سے وابستہ نہیں۔ آگے کا ہمارا تھا لیکن اپنی سوتیلی ماں ملکہ نور جہاں کے نزدیک الگ تھا جسے بچہ دینا ضروری تھا۔

تار سے سے انکار سے تک کا یہ مفراتہ دار کی بھول بھلیوں سے ہو کر گزرا تھا اور پھر یہ سطرانی جڑی سے ملے ہوا تھا کہ ملک سے شروع ہو کر جہانگیر تک پہنچ گیا تھا۔

قسمت کے کھیل بھی نہ لے سکتے تھے۔ وہ بھی دن تھے۔ جب خرم کی منزل اقتدار دیکھ کر اپنی بیٹی الاؤلی بیگم کو خرم سے منسوب کرنا چاہا تھا۔ لیکن ہے وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئی جانی کیونکہ اس نے جہانگیر سے شادی کے وقت یہ عہد لیا تھا کہ وہ جو اس کے لیے خرم مانگا تو جہانگیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میر خرم سے کوئی وعدہ کر چکے ہیں۔"

"اور یہ وعدہ کس نے کیا؟"

"اگر اس سے پہلے کا طلب گار ہے۔ ہم اس سے وعدہ کر چکے ہیں کہ اس کی مراد اسے بخش دیں گے۔ آپ وہ چیز طلب کر رہی ہیں جو آپ انار سے پاس ہے ان فکر۔"

"اسے بڑے ہندوستان کا بادشاہ اگر یہ کہے کہ کوئی چیز اس کی ہے جو اس کے پاس نہیں تو قہر ہے۔ آپ خرم کو سمجھیں۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ آپ کا کتنا فرمانبردار ہے اور ہماری خوشی میں جی جی ہو جائے گی۔"

"سمجھا کر دیکھ چکے۔ جراتی نے کسی کی بات سن ہے؟"

محبت کی چنگاری بٹا کر ہونے لگی ہے۔ آپ کو پتا ہے، اگلی اگلی شہزادے سے تھے۔ آپ کو دیکھ کر دل ہار گئے تھے۔ اس وقت کے شہزادے نے باپ کی مگر لیاہٹ نہیں کیا اور آپ کو ام سے چھین کر شہر آگیاں کے لئے کر دی۔ ہمیں معلوم ہے اس وقت ہمارے دل پر کیا گزری تھی، ہم اس بہرہ کو ہرانا نہیں چاہتے۔"

"ہم اس وقت تک آپ سے اتفاق نہیں گئے جب تک الاؤلی بیگم شہزادہ خرم سے ہوا نہیں دی جاتی۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

نے اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے۔ شاہی فرما میں اسی کے ہاتھوں جاتی ہوئے تھے۔ بادشاہ صرف دیکھ کر لے کر پابند تھا۔

جہانگیر اس کی کوئی بات نہیں دانتا تھا لیکن یہ خرم کی زندگی کا سوال تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ اگر خرم نور جہانگیر کی تو جو طوالت اس کے کاہل سلطنت کی بنیادیں ہمارے گنا۔

نور جہاں نہایت ذریعہ خاتون تھی۔ یہی جوڑ توڑ کے لیے صرف عشق کی ٹکڑیاں لگ چلائی تھیں ضرورت ہوئی ہے وہ چالاک بھی تھی۔ بساط اقتدار پر ہر مہر سمجھ سمجھ کر چل رہی تھی۔ اس نے اپنی اولاد اور ہانت سے جہانگیر کو بے بس کر دیا تھا۔ درپردہ خود حکومت کر رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جہانگیر کے بعد اس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر رہ جائے گی۔ اس جیسے خود کی عورت یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ جس خرم کی زینت بن کر رہ جائے اور یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ جہانگیر کے بعد خرم کی اس کا جائز ہوگا۔ الاؤلی بیگم ملکہ ہندوستان ہوں تو خرم اس کے لیے آسان ہوگا کہ وہ خرم کو انکھوں پر لپٹا کر رہے۔ یہی سوچ کر اس نے خرم کو دار بنائے کا خواب دیکھا تھا لیکن جہانگیر کے عہد کو دیکھ رہی تھی کہ اگر وہ بارہ لے آئی نہیں تھی۔ اس نے اپنی شکست کو جی میں بوتلے کے لیے دوسرے کی میر سے کی تھائی شروع کر دی۔ اس کی نظر شہزادہ شہر یار کی فرائض تک جا کر رک گئی۔ یہ شہزادہ جہانگیر کی کسی لڑائی کے بلوں سے تھا۔ وہ خصلت اور طور بھی تھا۔ بڑی سمجھتوں میں وہ کراہتی صحت تھا کرتی تھی۔ آج تک یہ سمجھتوں کا سہ نہیں دیکھا تھا۔ شہر بھر کے بچے شنگھ اس کی لڑائی پر ہنسنے لگے تھے۔ پھر اور خطرے بھی رہتی تھی۔ ان کی پختہ نہیں

اور شہزادے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ نور جہاں نے اس کے تمام پر غور کیا تو اس کی شخصیت کے یہ پہلو بھی سامنے آئے۔ الاؤلی بیگم کے ساتھ خوش رہنے کی اہمیت اور اس کے ہاتھوں میں خرم کو رہنا وہاں سے ہٹا دیا جائے تو پھر شہزادہ بادشاہ ہندوستان بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ شہزادہ خرم سے بھی کامیاب بادشاہ ہوگا۔ اگر کی ناخوشی سے الاؤلی بیگم کے لیے مددگار ثابت ہوگی بلکہ اس وقت الاؤلی بیگم اس میں نہیں کی۔ دونوں کھچپوں کو فوجی رہاؤں میں۔ مسئلہ ہندوستان میرا تھا اور ملکہ نور جہاں نہیں۔ میری فوج میں اس سب پر حکومت میری ہوگی۔ حتیٰ کہ خرم کی اس امر اس وقت زندہ ہوئی تو میری زیر نگیں ہوئی۔ وہ دونوں تہ ترین ہوتے اس وقت ایک ایسی نیکی معلوم ہو رہی تھی جسے بہت دیر سے محو نے ایک ساتھ مل گئے ہوں اور سب کے سب اس کے شاد سے پرہیز کے لیے تیار ہوں۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے کامیابی کی کھلی سیر میں ملے کر لی ہو۔ اس نے اپنی خوشی چھپائی اور جہانگیر کی محبت سے محبت میں بدل دیا۔ اس وقت وہ ان کی

اس نے لائی کے لیے خرم مانگا تو جہانگیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میر خرم سے کوئی وعدہ کر چکے ہیں۔"

"اور یہ وعدہ کس نے کیا؟"

"اگر اس سے پہلے کا طلب گار ہے۔ ہم اس سے وعدہ کر چکے ہیں کہ اس کی مراد اسے بخش دیں گے۔ آپ وہ چیز طلب کر رہی ہیں جو آپ انار سے پاس ہے ان فکر۔"

"اسے بڑے ہندوستان کا بادشاہ اگر یہ کہے کہ کوئی چیز اس کی ہے جو اس کے پاس نہیں تو قہر ہے۔ آپ خرم کو سمجھیں۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ آپ کا کتنا فرمانبردار ہے اور ہماری خوشی میں جی جی ہو جائے گی۔"

"سمجھا کر دیکھ چکے۔ جراتی نے کسی کی بات سن ہے؟"

محبت کی چنگاری بٹا کر ہونے لگی ہے۔ آپ کو پتا ہے، اگلی اگلی شہزادے سے تھے۔ آپ کو دیکھ کر دل ہار گئے تھے۔ اس وقت کے شہزادے نے باپ کی مگر لیاہٹ نہیں کیا اور آپ کو ام سے چھین کر شہر آگیاں کے لئے کر دی۔ ہمیں معلوم ہے اس وقت ہمارے دل پر کیا گزری تھی، ہم اس بہرہ کو ہرانا نہیں چاہتے۔"

"ہم اس وقت تک آپ سے اتفاق نہیں گئے جب تک الاؤلی بیگم شہزادہ خرم سے ہوا نہیں دی جاتی۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

اس سے پہلے کہ اس نے اس کی زندگی میں ایک ساتھ نظر آئے خرم کے ساتھ ساتھ۔

اس نے اپنی اولاد اور ہانت سے جہانگیر کو بے بس کر دیا تھا۔ درپردہ خود حکومت کر رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جہانگیر کے بعد اس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر رہ جائے گی۔ اس جیسے خود کی عورت یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ جس خرم کی زینت بن کر رہ جائے اور یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ جہانگیر کے بعد خرم کی اس کا جائز ہوگا۔ الاؤلی بیگم ملکہ ہندوستان ہوں تو خرم اس کے لیے آسان ہوگا کہ وہ خرم کو انکھوں پر لپٹا کر رہے۔ یہی سوچ کر اس نے خرم کو دار بنائے کا خواب دیکھا تھا لیکن جہانگیر کے عہد کو دیکھ رہی تھی کہ اگر وہ بارہ لے آئی نہیں تھی۔ اس نے اپنی شکست کو جی میں بوتلے کے لیے دوسرے کی میر سے کی تھائی شروع کر دی۔ اس کی نظر شہزادہ شہر یار کی فرائض تک جا کر رک گئی۔ یہ شہزادہ جہانگیر کی کسی لڑائی کے بلوں سے تھا۔ وہ خصلت اور طور بھی تھا۔ بڑی سمجھتوں میں وہ کراہتی صحت تھا کرتی تھی۔ آج تک یہ سمجھتوں کا سہ نہیں دیکھا تھا۔ شہر بھر کے بچے شنگھ اس کی لڑائی پر ہنسنے لگے تھے۔ پھر اور خطرے بھی رہتی تھی۔ ان کی پختہ نہیں

اور شہزادے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ نور جہاں نے اس کے تمام پر غور کیا تو اس کی شخصیت کے یہ پہلو بھی سامنے آئے۔ الاؤلی بیگم کے ساتھ خوش رہنے کی اہمیت اور اس کے ہاتھوں میں خرم کو رہنا وہاں سے ہٹا دیا جائے تو پھر شہزادہ بادشاہ ہندوستان بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ شہزادہ خرم سے بھی کامیاب بادشاہ ہوگا۔ اگر کی ناخوشی سے الاؤلی بیگم کے لیے مددگار ثابت ہوگی بلکہ اس وقت الاؤلی بیگم اس میں نہیں کی۔ دونوں کھچپوں کو فوجی رہاؤں میں۔ مسئلہ ہندوستان میرا تھا اور ملکہ نور جہاں نہیں۔ میری فوج میں اس سب پر حکومت میری ہوگی۔ حتیٰ کہ خرم کی اس امر اس وقت زندہ ہوئی تو میری زیر نگیں ہوئی۔ وہ دونوں تہ ترین ہوتے اس وقت ایک ایسی نیکی معلوم ہو رہی تھی جسے بہت دیر سے محو نے ایک ساتھ مل گئے ہوں اور سب کے سب اس کے شاد سے پرہیز کے لیے تیار ہوں۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے کامیابی کی کھلی سیر میں ملے کر لی ہو۔ اس نے اپنی خوشی چھپائی اور جہانگیر کی محبت سے محبت میں بدل دیا۔ اس وقت وہ ان کی

اس نے لائی کے لیے خرم مانگا تو جہانگیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میر خرم سے کوئی وعدہ کر چکے ہیں۔"

"اور یہ وعدہ کس نے کیا؟"

"اگر اس سے پہلے کا طلب گار ہے۔ ہم اس سے وعدہ کر چکے ہیں کہ اس کی مراد اسے بخش دیں گے۔ آپ وہ چیز طلب کر رہی ہیں جو آپ انار سے پاس ہے ان فکر۔"

"اسے بڑے ہندوستان کا بادشاہ اگر یہ کہے کہ کوئی چیز اس کی ہے جو اس کے پاس نہیں تو قہر ہے۔ آپ خرم کو سمجھیں۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ آپ کا کتنا فرمانبردار ہے اور ہماری خوشی میں جی جی ہو جائے گی۔"

"سمجھا کر دیکھ چکے۔ جراتی نے کسی کی بات سن ہے؟"

محبت کی چنگاری بٹا کر ہونے لگی ہے۔ آپ کو پتا ہے، اگلی اگلی شہزادے سے تھے۔ آپ کو دیکھ کر دل ہار گئے تھے۔ اس وقت کے شہزادے نے باپ کی مگر لیاہٹ نہیں کیا اور آپ کو ام سے چھین کر شہر آگیاں کے لئے کر دی۔ ہمیں معلوم ہے اس وقت ہمارے دل پر کیا گزری تھی، ہم اس بہرہ کو ہرانا نہیں چاہتے۔"

"ہم اس وقت تک آپ سے اتفاق نہیں گئے جب تک الاؤلی بیگم شہزادہ خرم سے ہوا نہیں دی جاتی۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

اس سے پہلے کہ اس نے اس کی زندگی میں ایک ساتھ نظر آئے خرم کے ساتھ ساتھ۔

اس نے اپنی اولاد اور ہانت سے جہانگیر کو بے بس کر دیا تھا۔ درپردہ خود حکومت کر رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جہانگیر کے بعد اس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر رہ جائے گی۔ اس جیسے خود کی عورت یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ جس خرم کی زینت بن کر رہ جائے اور یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ جہانگیر کے بعد خرم کی اس کا جائز ہوگا۔ الاؤلی بیگم ملکہ ہندوستان ہوں تو خرم اس کے لیے آسان ہوگا کہ وہ خرم کو انکھوں پر لپٹا کر رہے۔ یہی سوچ کر اس نے خرم کو دار بنائے کا خواب دیکھا تھا لیکن جہانگیر کے عہد کو دیکھ رہی تھی کہ اگر وہ بارہ لے آئی نہیں تھی۔ اس نے اپنی شکست کو جی میں بوتلے کے لیے دوسرے کی میر سے کی تھائی شروع کر دی۔ اس کی نظر شہزادہ شہر یار کی فرائض تک جا کر رک گئی۔ یہ شہزادہ جہانگیر کی کسی لڑائی کے بلوں سے تھا۔ وہ خصلت اور طور بھی تھا۔ بڑی سمجھتوں میں وہ کراہتی صحت تھا کرتی تھی۔ آج تک یہ سمجھتوں کا سہ نہیں دیکھا تھا۔ شہر بھر کے بچے شنگھ اس کی لڑائی پر ہنسنے لگے تھے۔ پھر اور خطرے بھی رہتی تھی۔ ان کی پختہ نہیں

اور شہزادے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ نور جہاں نے اس کے تمام پر غور کیا تو اس کی شخصیت کے یہ پہلو بھی سامنے آئے۔ الاؤلی بیگم کے ساتھ خوش رہنے کی اہمیت اور اس کے ہاتھوں میں خرم کو رہنا وہاں سے ہٹا دیا جائے تو پھر شہزادہ بادشاہ ہندوستان بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ شہزادہ خرم سے بھی کامیاب بادشاہ ہوگا۔ اگر کی ناخوشی سے الاؤلی بیگم کے لیے مددگار ثابت ہوگی بلکہ اس وقت الاؤلی بیگم اس میں نہیں کی۔ دونوں کھچپوں کو فوجی رہاؤں میں۔ مسئلہ ہندوستان میرا تھا اور ملکہ نور جہاں نہیں۔ میری فوج میں اس سب پر حکومت میری ہوگی۔ حتیٰ کہ خرم کی اس امر اس وقت زندہ ہوئی تو میری زیر نگیں ہوئی۔ وہ دونوں تہ ترین ہوتے اس وقت ایک ایسی نیکی معلوم ہو رہی تھی جسے بہت دیر سے محو نے ایک ساتھ مل گئے ہوں اور سب کے سب اس کے شاد سے پرہیز کے لیے تیار ہوں۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے کامیابی کی کھلی سیر میں ملے کر لی ہو۔ اس نے اپنی خوشی چھپائی اور جہانگیر کی محبت سے محبت میں بدل دیا۔ اس وقت وہ ان کی

اس نے لائی کے لیے خرم مانگا تو جہانگیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میر خرم سے کوئی وعدہ کر چکے ہیں۔"

"اور یہ وعدہ کس نے کیا؟"

"اگر اس سے پہلے کا طلب گار ہے۔ ہم اس سے وعدہ کر چکے ہیں کہ اس کی مراد اسے بخش دیں گے۔ آپ وہ چیز طلب کر رہی ہیں جو آپ انار سے پاس ہے ان فکر۔"

"اسے بڑے ہندوستان کا بادشاہ اگر یہ کہے کہ کوئی چیز اس کی ہے جو اس کے پاس نہیں تو قہر ہے۔ آپ خرم کو سمجھیں۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ آپ کا کتنا فرمانبردار ہے اور ہماری خوشی میں جی جی ہو جائے گی۔"

"سمجھا کر دیکھ چکے۔ جراتی نے کسی کی بات سن ہے؟"

محبت کی چنگاری بٹا کر ہونے لگی ہے۔ آپ کو پتا ہے، اگلی اگلی شہزادے سے تھے۔ آپ کو دیکھ کر دل ہار گئے تھے۔ اس وقت کے شہزادے نے باپ کی مگر لیاہٹ نہیں کیا اور آپ کو ام سے چھین کر شہر آگیاں کے لئے کر دی۔ ہمیں معلوم ہے اس وقت ہمارے دل پر کیا گزری تھی، ہم اس بہرہ کو ہرانا نہیں چاہتے۔"

"ہم اس وقت تک آپ سے اتفاق نہیں گئے جب تک الاؤلی بیگم شہزادہ خرم سے ہوا نہیں دی جاتی۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

"اور اچھا کہتا ہے ہم خرم کو پاس نہ کریں۔"

اس کا لباس سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا جس پر
ہیرے لگے تھے۔ اسے پرکاشیلم سورج کی طرح چمک
رہا تھا۔ گھر کے چنگے پر اسے زور دیا اور اسے اس کے گھر میں
نہاواں گاؤں جو گھوڑوں کے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کا کام
سے سب تک ہر شے سونے کی تھی۔

اس کے سوار ہوتے ہی تاروں پر چوٹ پڑی۔ چوب
داروں کی آوازوں سے آگے شہر گرجا اٹھا۔ برسات کا جلوس آصف
خاں کی ٹوٹی کی طرف رواں دواں تھا۔

اور جندھان آوازوں کو سن رہی تھی۔ جب یہ آوازیں قریب
آئیں تو اس نے جھروکے سے دیکھا، شہنشاہ کی سواریاں آگے تھیں
اور شہزادہ دہلیا چاند تھمکے تھے۔ مانی ساری کے انتظار کے بعد یہ
لیکھا، صحت آئی تھی، ساتریش ہارنگی جیسے ہیبت کی رچ ہوئی تھی۔

نور جہاں کی نکست ہوئی تھی گھر اس نے ہارنگی مانی تھی۔
وہ بظاہر سب تک باریں وصول کر رہی تھی لیکن اندر سے بچہ وہاں
کھڑا رہا تھا۔ اسے یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ تخت پر غم کا قید
ہو رہے۔ اس کی تو یہ شہزادہ شہزادہ کی طرف سب دواں ہوئی تھی
لیکن یہ اس وقت تک تک نہیں تھا جب تک غم موجود تھا۔ اس کی
دو ہی صورتیں تھیں یا تو غم میں مغموم کے لیے کام آجاتا یا وہ شہزادہ کی
فطرتوں سے گرجا تھا۔ اسے اب ان دونوں محاذوں پر کام کرنا تھا۔
قسمت نے ایک محاذ اور کھول دیا تھا اور وہ تھا اس کا بھائی آصف
خاں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ بھی قلعہ شاہی کا ایک اہم رکن ہے۔ وہ
قید اپنے دام کو آگے لانے کی کوشش کرے گا۔ ہوش تو اس کی
تھی میں تھا لیکن آصف خاں اس کے لیے نیکو نگری کر رہا تھا۔

چند مہینے شاہی کے جشن میں گزر گئے۔ ان ہنگاموں سے
فراموشی کی تو شہنشاہ سہمات کی طرف متوجہ ہوا۔ عریضے پڑے
غیر لوگوں کے پرچے دیکھے۔ معلوم ہوا شاہی کے ہنگاموں نے
پانی سر سے دھو کر دیا ہے۔ مچاؤ کے راجہ توں نے حالات کو
اسکی گردن بٹھا دیا ہے کہ فوج بھی لازم ہوگئی ہے۔

دراست میواڑ مغلوں کے لیے ہمیشہ دور سرتی رہی تھی۔
سیر جیسا قلعہ بھی ان راجہ توں کو پوری طرح قریب نہیں کر سکا تھا۔
جہاں گھر بھی کی طرح کوشش کر کے دیکھ چکا تھا۔ سب سے خاں و شہزادہ
خاں، لیور چنگ جیسے سب سار دواں بھیج کر دیکھے ہ چکے تھے۔
اس مرحلہ جہاں گھر نے غم کیا تھا کہ اس گھر پر اور نور جائے گا۔
مگر نور جہاں اپنے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھی۔
ہارشاہ کی ذات پر ہر وقت اختیار تھا اسے دیکھنے پر اسے یہ شہزادہ بھی تھا
کہ وہ اپنی بات سمجھائے۔ وہ جس اس نے کھانگھار دی گئی جب
ہارشاہ اسے مشورے کے لیے طلب کرے۔

جہاں گھر اس ہم کی تادی کی کا اپنا ہلتا ارادہ کر چکا تھا کہ اسے
مسی مشورے کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی۔ یہ پائی مرتبہ ہوا تھا
کہ اس نے اسے اہم معاملے پر نور جہاں کے مشورے کو ضروری
نہیں سمجھا تھا۔ نور جہاں نے اس کی اس بے قوتگی کو نہایت
دردناک نظر میں سے دیکھا۔ کیا اس بلند نے ہارشاہ کے کان میں
کچھ کہا ہے؟ وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر ہارشاہ نے آخری وقت
تک اس سے مشورہ کرنا ضروری نہیں سمجھا اور وہ ہوئی باڑی کو
مرغ کس طرح اپنے حق میں موڑنے کی لیکن اس کو سوچ نہیں آیا۔
شاہ جہاں نے اسے مشورے کے لیے طلب کر لی۔

"مشورہ کی پریشانی اندر سے غم میں بھی لیکن یہ سوچ کر
چپ تھے کہ تیز و مشورے کے قابل نہیں سمجھا جا رہا ہے تو وہ بھی
کیوں بٹل رہے۔"

"خود کو تیز کہہ کر میں کیوں طعنہ دیتی ہوں۔ بے شک ہمیں
شراب سے زیادہ آپ پر بھروسہ کرنا چاہیے تھا لیکن مان سنگھ کی
گت خیریاں نے اسیں شراب کی طرف جھکا دیا۔ اس نے مہبت
خاں کو میراڑ بھیجا تھا اس نے کچھ کر کے نہیں دیکھا۔ اسے وہاں بڑا
کر مہم اندھ خاں کو بھیجا۔ آدھ سے اسے بھڑا ہارنا لڑا لڑا ہے جا رہا ہے
اسی سب بھرنے سوچا ہے، ہم خود مانی گئے۔"

"سب کثیر اتلی ہے وقت ہوئی کہ اتنا بڑا فیصلہ کیسے
کر لیا۔ اب آپ سے ہماری جدائی پر داشت ہوئے گی ہے۔"

"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا؟"

"میرا سست میواڑ جہاں دیکھی ہے؟ آپ یہ دیکھ کر گئے
ہیں۔ وہ دوسری بات ہے۔ کسی فطرت کا ہم پر چڑھا ہوا ہے۔
مستوں کی ہنس برسوں کی جنگ ہے۔"

"ملکہ ہندوستان کی زبان پر کتنی باتیں ہیں۔"

"یہ ملکہ آپ سے محبت بھی تو رکھتی ہے۔ آپ کے دم سے
انکا مہم دستہ ان وقت ہے۔ اسکی فطرت اب ہم پر آپ کا جانا غریب
نہیں۔ اس کام کے لیے پورا ہوا ہوتا ہے۔"

"ہم نے آپ سے عرض کیا کہ ایک ایک گھر کے سب کو
آڑا چکے۔"

آپ نے اب تک سب سالہاؤں پر بھروسہ کیا ہے۔ یہ
مہم کی شہزادے کے پھر دیکھیے اور ان سب سالہاؤں کی تک
پر ہوا ہے۔ نور جہاں نے نہایت مغفول تجویز دی اور پھر
قد سے توقف کے بعد خود ہی ایک نام تجویز کیا۔ "آپ خوش
قسمت ہیں کہ غم جیسا بھی اور بیٹا آپ کو ہے۔ یہ ہم آپ شہزادہ
غرم کے پھر فرما رہے۔"

"وہاں تجویز کیا ہے۔ پھر یہ کہ اس کی شادی تو چند مہینے
گزرے ہیں۔"

"اسی بات کی تادی تو گوارا ہے ہوتی ہے۔ سب سالہاؤں
وہی ہیں کہ ان کے عروں ہوتا ہے۔ وہاں عروں ہے۔ آپ
کو کہہ دیاں تو سب سالہاؤں ہے۔ اسے ان معروں سے اٹھنے کا
لیڈا آتا ہے۔"

نور جہاں نے یہ سب سالہاؤں سے کٹ کی کہ ہارشاہ کے
کان میں یہ بات پہنچائی۔ غم کو اور کان میں گئے گرا سے آٹھ چڑھائی
سے اور اسکی صوب اور چہرہ ہارشاہ کی کان میں دیکھا جاتی ہے
اور اس کے صوبہ دار اٹھتے ہیں کو اسکی نظر کیا جاتا ہے۔

وہ سب سالہاؤں اس کے ساتھ رہا ہیں۔
نور جہاں اپنا مکمل شرم سے بھی تھی۔ شہزادے کو میراڑ
چنگ کا مشورہ دے کر اس نے اپنے حق میں حاصل کر لیے تھے۔

نور جہاں نے تو اس مہم میں ہارشاہ کی شکست سے دوچار ہو کر اپنی
واقعہ نگری سے بھی دیکھی تھی کہ اس نے کتنی کھانے سے نکل چکا تھا۔ اب
تو آصف خاں نے اسے اپنے کو جیل کرنا سکے تھے اور شہزادہ ہندو
نور جہاں کو اس کے ساتھ ہندو کی کامرکھ ہوتا۔

اور جندھان کے اندر پیشہ تصویر بن کر سامنے آگئے تھے۔
سب سالہاؤں پھر پڑا کر اس کی پھوپھی اس کی شادی پر تھی خوش
تھی۔ اس نے اسے معلوم تھا کہ ایک دن وہ شہزادے کو کہیں دور
لے دیتی ہیں۔ یہ ستر برسوں پر محیط ہوگا۔ ہمیں اس کے دم
و گرم برسوں گئے۔ لیکن یہ وہ شہزادے کی غیر سونہو کی سے لاکھ
اٹھا کر مولی۔ اس چال تھیں کہ ہمیں مل ہی سے نکال دیں۔

"آپ جانتے ہیں آپ کو میراڑ کیوں بھیجا جا رہا
ہے؟" اس نے اپنے قد و قامت کا اظہار شہزادہ غرم کے دہریہ کیا۔
"قل اسکی کہہ رہی ہیں درکی پر نہیں ہے۔"

"جب شہنشاہ ہے تو آزمائے کی کو ضرورت ہے؟"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"آپ کو میراڑ بھیجے گا مشورہ پھوپھی جان کی طرف سے
آتا ہے۔"

"سارے مشورے سنا لی کہ زبان سے ادا ہوتے ہیں۔"

"اس مشورے کے پیچھے ایک غامض مقصد پوشیدہ ہے۔"

"ہم یہ چہ کہتے ہیں وہ مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

یہ جو وقت آئے ان کی مدد کریں گے۔ ایک گروہ تشکیل پانچکا
یہ جو وقت آئے ان کی مدد کریں گے۔ اس سالہاؤں کی ساری کارفرم بھی
نور جہاں کے لیے تھی۔ شراب کی مقدار کم کر کے لیون کی مقدار
بڑھا دی ہے۔ قل اسکی کی قوت لیلہ پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔
پھوپھی اسے جو چاہتی ہیں متراکت ہیں۔ انہوں نے بڑی چال کی
سے آپ کے میوا جانے کا حکم ہر جا رہی کر رہا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے قل اسکی کی جان کو خطرہ ہے۔"

"وہ قل اسکی کی جان کی دشمن نہیں۔ وہ یہ تیار رہا قل اسکی
کے بعد کے لیے کر رہی ہیں تاکہ جو وقت را نہیں اس وقت حاصل
سے ان کے چاہنے کے ذمہ سے میں بھی حاصل رہے۔ یہ ہارشاہ
کے نہیں اس کے چاہنے کے خلاف جنگ ہے۔ ہم نہیں آپ قید
اور وہ شہزادہ کے حق میں ہیں کیونکہ ان کی بیٹی اس سے مغلوب
ہونے والی ہے۔"

"ہم یہ چہ کہتے ہیں آپ کو یہ سب ہا نہیں کون جانتا ہے؟"

"آپ کے اہل و عیال میرے اندر گراں۔"

"کہیں یہ ہمیں جو نہیں کی جنگ تو نہیں؟"

"ہارشاہت کے پانچوں میں رشتوں کی کوئی اہمیت
نہیں ہوتی۔"

"اس کا مطلب آصف خاں کا بھی کوئی گرا ہوگا۔"

"ہاں لیکن وہ آپ کے دفاع میں ہے۔"

"کیا وہ نہیں چاہتا ہے کہ ان کا دام ہارشاہ ہے؟"

"آپ کو لی مہدی کا مرچہ خود ہارشاہت نے غلامت
کیا ہے اس لیے ان کے چاہنے نہ چاہنے کا سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا۔ وہ اس پر چاہتا ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتے رہیں،
آپ کے میوا بچے جانے کے بعد وہ خود یہ چاہتی ہیں کہ ہم حضور کو
بھی نہیں بچھ دیا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ بہت غصہ ہوگا۔"

شہزادے کے سامنے اور جندھان کو نے چھ ایک بائیں دیکھ
دی تھیں جو شہزادے کے لیے اپنی تھیں۔ بہت سی باتیں اسکی
ہوتی ہیں جو چلی گئے پر ستر کرتی ہیں۔ اسی طرح کے لوگ بہت دن
تک ان سے بے خبر رہتے ہیں۔ یہی وہ باتیں تھیں جہاں جندھان تک
پہنچ گئی تھیں۔

شہزادے نے ان باتوں پر غور ضرور کیا لیکن شاہی غم
سے گریزاں نہیں ہو سکا تھا۔ اب اسے جو کچھ کرنا تھا اس حکم اسے
کی حدود میں رہ کر کرنا تھا۔ اس نے ایک خفیہ حالت اپنے غم
آصف خاں سے کی جس میں یہ لے ہوا کہ وہ اسے حالات سے
باہر رکھیں گے لیکن یہ کہ اس کی غیر موجودگی میں اور جندھان کو
حفاظت کریں گے۔ وہ قلعے میں نہیں چکے ان کے ساتھ ان کی
موتی میں رہے گی۔ اگر میواڑ بھیج کر اس نے حالات کو سازگار

دیکھ کر وہ اسے پال لگا۔

فرحان نے تیزی بکڑی اور جھنڈا لوساٹنے لگی۔

”صاحب عالم! کیا وہ بھلا یا فرما رہا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا آپ ایک پل کے لیے بھی میں غم سے بھاگ نہیں کر سکتی۔“

”ہم آج بھی اپنے وعدے پر قائم ہیں کیونکہ یہ وعدہ ہم نے ہونے سے پہلے ہی کیا تھا۔“

”تو پھر آپ کے ساتھ ہم بھی میواؤں چھینا کریں۔“

”وہ اپنی جگہ لیکن جان غم، ہم جنگ پر جا رہے ہیں۔“

”اے لیتو آپ کے ساتھ ہمارا چاہ ضروری ہے۔“

”اپنی حالت پر غور کیجیے۔ رات کے دن ٹھوکر ہیں۔“

”آپ کا ساتھ ہوگا تو ہر مشکل آسان ہو جائے گی۔“

”یہ ایک خطرناک بہم ہے۔ کیا خیر کتنے برس جنگ اور کھانچوں میں گزر چکے ہیں۔ ہم آپ کو خزانوں پر چلانے کے لیے تو نہیں لائے تھے۔“

”تو کیا اتنے برسوں تک آپ ہمارے بغیر رہ سکتی ہیں۔“

”جان غم، نہیں۔“ فرحان نے اس کا چہرہ اپنے دونوں

ہاتھوں پر رکھ لیا۔ ”تم ہمارے ساتھ ضرور جاؤ گی۔ آئے والے

سورج کو لکھنے دو کہ ہماری محبت انسانی لڑائیوں سے میدان جنگ

کی چٹانیں بھی کم نہیں کر سکتی۔ برستے ہوئے تیروں اور چنگی ہولی

لکھو ہوں گے درمیان بھی آپ ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ ہمارے

ساتھ چلیں گی۔“

فرحان نے سناؤ اسے یوں لگا جیسے ایک مرتبہ پھر اسے

فلکست ہوگی ہو لیکن یہ سوچ کر وہ مطمئن بھی ہوئی کہ شاید وہ ان

ہی اس معرکہ میں کام آجائیں۔ یہ بھی ہے کہ اگر وہ دارا کھانے

میں رہتی تو یہاں کے حالات سے شہزادہ باغیر ہوتا۔ آپ تو صرف وہ

ہاتھیں اس تک پہنچیں گی جو میں پہنچاؤں گا۔ اہل ان۔ وہ یہ بھول گئی تھی

کہ اس صلیب خاں آگرہ میں ہی ہے۔

”نفل سپاہ دارا کی گئی۔ کھڑے اور ہاتھیں پر وہ سوار اور

نفل سوار۔ یہ دوسرے اور ہندو کی۔ تو میں ہاتھیں میں لہری ہوئی۔

ہزاروں کی تعداد میں، کھڑے دیکھو (پھوٹے سونے کام کرتے

دسے مزدور) ایک شہر ایسا تھا کہ ہزاروں جنگلوں کو شہر بناتا اور وہاں

رواں تھا۔

شہزادہ خرم اپنی شاہی سواری میں تھا۔ اس کے پیچھے

ار جند کا رتھ تھا۔ اس رتھ میں اس کی دو ملازمتیں بھی سفر کرتی

تھیں۔ رتھ کی دونوں طرف اہل ان کا ہول کھڑوں پر سوار رتھ

کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔

یہ لکھا آگرہ شہر سے لگا لوگوں کو خرم کی برسات کا جشن یاد

آگیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ خرم برسات کے کراہٹ غاں کی

حویلی پر گیا تھا۔ اب وہ نوایا پتا دکن کو کے کرمیدان جنگ کی

طرف جارہا تھا۔

فرحان کے ساتھ ہندو ساؤر سامان تھا اور پھر ہندو کو رتھ

ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ حکم یہ تھا کہ اس رتھ میں ایک آگ بھی سفر کر

رہا ہے لہذا انھیں بھی لگے۔ فرحان چوٹی کی رفتار سے بگڑ رہی تھی۔

خرم کو میواؤں کی جلدی تھی لیکن وہ آہستہ آہستہ پر مجبور تھا۔ کتنے ہی

دنوں میں تبدیل ہو گئے۔ قحطی ہی راتیں آگھوں میں کٹ

تھیں۔ جہاں قیام ہو وہاں کھانوں کا شہر آباد ہو جاتا۔ جہاں چھوٹی

پڑائی اور چھاپے محبوب کی دھندلی سے لطف اندوز ہوتی۔

”ار جند، ہم آپ کو کیا دے سکتے؟ آپ کو کل میں آئے

کتنے دن ہوئے تھے کہ جنگ کی خاک آپ کے ہر ذرہ پر تھی۔“

”آپ کوئی عام آدمی تو ہیں نہیں شہزادے ہیں۔ یہ جنگیں

تو شہزادوں کے سر کا نان ہوتی ہیں۔ میں تو یہ خوشی ہے کہ آپ

فل انہی کی خوشنودی کا سفر طے کر رہے ہیں۔ جب آپ اس بہم

سے واپس آئیں گے تو سوچئے آپ کے اعزاز میں کتنا اضافہ

ہو جائے گا۔“

”اے حضور نے ہمیں یہ سوچ کر دیا تھا کہ اس بہم میں

ناکامی ہو رہا تھا۔ ہونگی لیکن ہم ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیں

گئے۔ وہ یہ قحطی شہر بار کو ہماری جگہ مل جائے۔ ان کا یہ خواب

بھی پورا نہیں ہوگا۔“

ابھی اس کی توقع تھی کہ وہ اپنی ہندو شہر پر ایک شاہی

کی خبر آگئی۔ باتوں نے پھر ایک سو شروع دسے لیا۔ یہ بات

صاف ظاہر تھی کہ اب ان کی ریشہ رواقوں میں ہر یہ اضافہ

ہو جائے گا۔ وہ شہر بار کو آگے بڑھانے میں وہ دلت ایک کر

وسے گی۔ اسے ایک مرتبہ پھر شہر سے اسے اسے ہوا کہ اس دلت

اسے دارا کھانے میں رہا ہے جیسے تھا کہ وہ نور جہاں کی ہر چال کا

جواب دے سکتا۔

ار جند کی رتھ پاؤں میں تھی لیکن وہ تیزی سے سفر کرنے

پر مجبور تھا۔

ار جند کی طرف سے جہاں آگ کے صوبے ہندو میواؤں کو

غم سے رہا گیا تھا کہ وہ لوری شہزادہ خرم کی کنگ پر جائے۔ دکن

یہ شہزادہ اندو کی فوجوں کو بھی شہزادے کے لشکر میں جا کر شامل

ہو جانے کی ہدایت کی گئی۔ اس طرح کوئی نہیں ہزار سوار شہزادے

کے ساتھ شہین کیے گئے۔

جب شہزادہ دارا کے علاقے میں داخل ہوا تو اس نے

اپنے بھائی کو قحطی (جو ہندو میں شاہ لگ خاں کے خطاب سے مشہور

ہوا) کو ہاتھ بڑا ہندوؤں کے ساتھ ہر اول بنا کر اس ہدایت کے

راہنما کیا کہ یہاں بھی دارا کے ماتحت تھے ہیں ان کو ماتحت

اور ان کو ماتحت اور یہاں بھی رہتے تھے لیکن انھیں انھیں

پاتے اور ہر طرف دارا کے منظر پر تھے ان کا مقابلہ کر کے

بھاگ کر رہا کرتے اور پہاڑ کی اونچی چوٹیوں پر لوثی

پاؤں کا قحطی رہا کرتے۔

”دارا کی ریاست سے ہر سے پر ہے، آگرہ کے مغرب

میں ہے سونے کے قلعے پر تھی۔ ہندو علاقوں میں تھی اور

انہوں نے اسے اپنا چھوٹا شہر بنا لیا۔

”قحطی کو قحطی کی راہ کی کے بعد ہندو کے فرات میں تھی۔

وہ اپنے لیے ہیں ایسا حالت پر غور کرنا تھا کہ خیالات نے انہی

کی طرف سفر شروع کر دیا۔ جب اس میں کچھ مہلتی اکبر نے دارا

میدان کے آگے اپنی تلوار کی نصف سے ایک بھاگتی تھی لیکن اس تلوار

تک پہنچنے میں انھیں ایک سال تک لگ گیا تھا۔ دارا خود تو ہمارے

سے قحطی کی فرار ہو گیا تھا لیکن اپنے بچے راجپوتوں نے مہلتی کے

قاتل کے قحطی سے تھے۔ اکبر اس بہم سے اتنا جڑ گیا تھا کہ راج

کے بعد اس نے راجپوتوں کے قحطی عام کا حکم دے دیا جو ہر اس

راہنما کی تھی۔

ان تمام واقعات کا عمر اسے ان تلکی تلکیوں اور

دارا کی چوٹی سے ہوا تھا جس نے شاہی دفتر میں لا جھوٹے تھے۔

اس وقت وہ اپنا سر تھکا رہا تھا لیکن اکبر سے گڑھا تھا اس نے

اپنے ساتھ آئی ہوئی سپاہی اپنے تصور میں آکر لیا۔ میرے ساتھ جو

”نفل سپاہ میں ایک لاکھ بچاں ہر ہر سپاہی شامل ہیں۔ ان

میں سے قحطی شہزادہ شہزادوں میں جو کھڑوں اور ہاتھوں پر سوار ہیں۔

انہی لاکھ سپاہیوں اور ہندو کی ہیں۔ چالیس تو ہیں ہاتھوں پر لہری

ہوتی ہیں۔ بچاں ہزار ہزار کے چھوٹے اور بے حساب حلال

ہالوں پر چلے آ رہے ہیں۔

خیالات جب سمجھتے ہیں تو اس طرح اور اور دھڑکتے

ہیں۔ ابھی وہ اکبر کے دور میں تھا، پھر اپنی فوج کے بارے میں

سوچتے تھے۔ چنانچہ اس کا خیال ہر ہندو یا فوجی طرف پست گیا۔

ار جند کو اس حالت میں کل میں رہنا چاہیے تھا۔ شاہی طبیب

ساتھ ہے لیکن سفر کی صورتوں کا علاج تو اس کے پاس بھی نہیں

ہوگا۔ اسے ار جند کی محبت پر غور ہونا تھا۔ وہ مجھوٹے پر کھڑے

ہو کر مجھے رخصت کر سکتی تھی لیکن وہ کل کا پیشہ دار عام چوڑ کر

میرے ساتھ چلی آئی ہے۔

خیالات اور دھڑکتے ہیں کہ ان کا دارا ہندو میں

ہیے کے ہزار سے پر آکھڑا ہوا۔ قحطی کے بغیر اس کا آقا خاں

اور اس کی حالت بگڑ گئی ہے۔“

”شاہی طبیب۔“

”وہ شہزادوں کی ملازمتوں کے ہمراہ شہزادوں کے لیے

میں ہے۔“

وہ جب تک ار جند کے قلعے میں پہنچا۔ اس جنگ کی پہلی

تیم چکانی چا چکی تھی۔ شہزادہ دارا میں آنے سے پہلے ہی دم

توڑ چکا تھا۔ شہزادوں کی حالت بگڑنے لگی تھی اور اب اسے بچانے

کی کوشش کی جا رہی تھی۔ وہ ار جند کے ستر کے قریب گیا۔ وہ حکم

بے ہوش کی حالت میں تھی مگر اس وقت بھی اس کے ہاتھوں پر اس

کا نام تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہی تھی۔

”صاحب عالم! ہم نے آپ کا بیٹا آپ سے نہیں لیا۔

ہمیں واپس کر دیجیے گا۔“

”نہیں ار جند، نہیں۔ اس میں آپ کا کیا قصور۔ اللہ کو یہی

مشہور تھا۔“

”تم ہم ساتھ آنے کی جلد کرتے دیکھ رہے ہو۔ انہاں پہلی

تیز ہواؤں کا سامنا کیے کر سکتا تھا۔“

”اس مشکل وقت میں ہمیں آپ کی زندگی کی

ضرورت ہے۔“

”ہمیں کچھ نہیں ہوگا صاحب عالم۔ آئندہ بھی آپ کے

ساتھ آنے کے لیے ہمیں زندہ رہنا پڑے گا۔ وہ دھڑکیا آکر

بھی نہیں ساتھ لائیں گے جن۔“ اس نے کہا اور کھاتے

اسے ہونے کے لیے کھانے دیکھا وہ بھرے ہوش ہوئی تھی۔

”ہم وعدہ کرتے ہیں جس معرکہ پر بھی جائیں گے آپ

ہمارے ساتھ ہوں گی۔“ اس نے بے ہوش ار جند کے سر ہاتھ

کھڑے ہو کر وعدہ کیا۔

ہر اولی رات مسلسل طوفان تھا۔ ایک اونچے سطح دہنے

دیکھیں کہ وہ قحطی کا شہر بناتے رہے۔ قحطی سپاہ دھڑکی کا سینہ

چربی ہوئی رد فکل نہیں۔ کڑی میں ہر اولی دیکھا۔ پھل میں مردہ

موتیوں کی لاشوں سے پاٹ دی گئیں۔ جس نے مزاحمت کی

اسے تھک کر پامال کیا۔

اسے اطلاع ملی کہ دارا میدان میں قحطی کی آمد کی خبر پا کر

خود کو اسے پور کے قلعے میں محصور کر لیا ہے۔ یہ کوئی ایسی اطلاع

نہیں تھی جس پر غم نہ ہو۔ دارا کی اتنی طاقت تھی کہ وہ قلعے

میدان میں قحطی کا مقابلہ کرنا۔ اسے با آغوش اسے چڑھی میں

چلا آئی تھی۔

دارا جس جگہ رہتا تھا وہاں جو دارا کا حاکم نہیں مقام تھا وہ

اسے پور تھا۔ جب بارے دارا ساگا کہ جو ایک لاکھ سوار لے کر

مقابلے پر آکر تھا شکست دے دی تھی تو اس کے بچے اور بے شک

نے ایک دھواں گزارد کہ پر جس کے تین طرف پہاڑ تھے یہ شہزادہ

خرم و حیرت میں تھا۔ نور جہاں نہایت ہوشیاری سے اپنے جذبات کو چھپا رہی تھی لیکن ساقیوں کے جال پر اسے چارہ تھے۔ ان سازشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جماعت بجاپ تک خرم کے ساتھ نظر آ رہی تھی اور جہاں کے ساتھ نظر آنے لگی۔ بادشاہت کے تین امیدوار تھے۔ شہر و برہمن اور شہزادہ پرویز۔ نور جہاں ان تینوں کو دیکھتے دے رہی تھی۔ ان تینوں کو تو لوگوں کا جھکاؤ اور جہاں کی طرف ہوتا تھا۔ بادشاہ کا رویہ بھی اب سرورہری میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔

ادھر وکن کے حالات و مکر کو دیکھتے دے رہی تھی۔ غلام خاناں خستہ حالت میں تھا۔ بادشاہ سے پارہ پارہ کی درخواست کر رہا تھا۔ ایک مراسلہ لکھ کر بادشاہ کو جہاںگیر تہن کر دیا گیا۔ اس نے سمجھا تھا کہ اب مقابلہ کرنا ممکن ہے۔ اس نے اپنے گھرانے کی مثال عزیز کو کہہ کر دلی گئی جو ابھر کے عہد میں گرفتار میں تھیں۔ آپ مجھے اپنی طرف سے بچائیے جس طرح آپ کے باپ نے وہاں شریک اپنی کو بچایا تھا۔ وکن نے یہ جملہ اشارہ دیکھتے ہی دم کے مطابق اپنے بیوی بچوں کو کھینچ کر کے قتل کر کے کھو دیے۔

اسی زمانے میں وکن سے عرضداشت پہنچی کہ ملک شہر نے عہدہ سونپ دیا تو نور جہاں نے اس کی طرف رخ کر دی ہے۔ وکنیوں کی فوج نے وراٹے نہ ہوا اور کمریا ہے۔ وہ اب وہاں سے ہٹ کر کا موہو کر کے ہوئے ہیں۔ برہان پور کا شیر بھی فطرت سے میں گھرا ہوا ہے۔ جہاںگیر گھڑی کی چوٹائی میں چاہتا تھا کہ شہر وادہ سے لے کر ایک مہریدہ سواروں پر سوار ہو جائے۔ گھوڑا اس مہر کا گھراں کے بنا گیا ہے۔ نور جہاں کو ایک سو روپے دیئے گئے کہ وہ خرم کو دہرے دور تک لے سکے۔ سوار تو پھر قریب تھا۔ وکن کا عہد تو ملک ملی اور تھا۔ وہ ایک مہریدہ پہلے بھی وکن میں متعین ہو چکا تھا۔ اس نے وہاں امن و امان بھی کر دیا تھا لیکن وکنیوں نے اپنی طاقت کے مطابق امن قائم ہوتے ہی شہر کو شہر پر کر دی۔

حالات اب پہلے سے مختلف تھے۔ نور جہاں کی سازشیں اب بہت دور ہوئی تھیں۔ جہاںگیر تھوڑے عرصے میں محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جماعت جس نے اب تک اس کی تائید کی تھی وہاں میں بھی غلام اندازی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ شہر کی طرف اس نے توجہ دی اور یہ افواہ کہ وہ نور جہاں سے قریب تر ہو رہا تھا اور جہاںگیر کی طرف ہوئی سمجھتے۔ یہ سارے خیالات خرم کو متاثر بنانے کے لیے کافی تھے۔ وہ بادشاہ کی غم دہلی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اسے اپنے کانٹے کا لڑیہا تھا۔ اس نے درخواست کی کہ وہ شہر کو اپنے ساتھ وکن لے کر جائے گا۔ شہر وادہ اب کے خلاف جماعت کرچکا

تھا۔ اس کی بادشاہت میں اسے اندھا کر دیا گیا تھا اور قید میں تھا لیکن اس تحریک کے اکثر لوگ اب بھی موجود تھے۔ نور جہاں بھی اس شہر وادہ کے سپہ سالار کے ساتھ شہر پر تھی ہوئی تھی۔ خرم نہیں چاہتا تھا کہ اس کی قید موجودگی میں پھر کوئی ایسی تحریک چلے۔ اس لیے اس نے شہر وادہ کو ساتھ لے جانے کا مطالبہ کر دیا۔ اس کی یہ درخواست قبول ہوئی۔ اس نے اپنی طاقت میں تخت کشی کی جنگ کے ایک مہرے کو بہادری سے لے لیا۔

برہمن پھر اس کے راستے میں آ گئی۔ اس مہریدہ شہر وادہ اور بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس سے دور رہے۔ انسانی سے اس مہریدہ بھی وہاں اپنے دلی تھی۔ ایک میں اب ایک بیٹا۔ جہاں آمارا اور دارا شہوہ اس کی اگلی پڑے کھڑے تھے۔

ادھر سے اطلاعات پہنچیں کہ وکنیوں کی فوج نے نہ پدا کو قید کر لیا تھا اور باورہ میں داخل ہو گئی تھیں لیکن جب شہزادہ خرم کے لشکر کے قریب پہنچے کی خبر ان کو ملی تو وہ بھاگ کر کھڑے ہوئے اور نہ پدا وکر کے گئے۔

خرم نے اپنی چوبیسویں ساٹھویں پر باپ کے کنبے پر بڑے تلف کے بعد شہر وادہ کی طرف رخ کیا۔ اب وہاں تیس سال کا تھا۔ وکنیوں سے جنگ کی تیاری میں وہ اپنے چھوٹے کنبے سے شہر وادہ تھا۔ خروٹ شہر اب اس کے سامنے وکن کے تھے۔ کنبے کا ہے تائید یزدنی نے باورہ کی پارہ لائی۔ اس نے حال سال کے مقابلے کے دن شہر وادہ اور دوسری مہریدہ سے فوج کر لی تھی۔ خرم نے بھی وکنیوں کے مقابلے میں کامیابی کی دعا کرتے ہوئے صدق دل سے اللہ کے ساتھ مجھ کو کامیاب بھی شہر وادہ کو وکنیوں کے لگے گا۔ شہر وادہ کے ملائی طرف توجہ دینے کا حکم دیا اور حکم دیا کہ اب وادہ نہ شہر وادہ میں شہر وادہ میں پکھوانی جائیگی۔

جب اس عزم کے ساتھ سواروں میں قدم کھڑا ہونے لگا تو کیسے نہ ہو جس نے جہاںگیر اور آگے بڑھا تو گری فضا کی تھی۔ اس نے جہاںگیر کو شہر وادہ میں شہر وادہ کی

پہلے وکنیوں کی تائید کی تھی۔ وادہ کا توجہ وکن کے سپہ سالاروں کی طرف تھا۔ وکنیوں کو وکن کی ساتھ بڑھ کر وکن پر ہان پور کا محاصرہ کے ہوئے۔ شہر وادہ کے وکنیوں نے عرض کیا کہ بادشاہی الفوج کا ایک بڑا حصہ پیچھے رہ گیا ہے۔ قیلائی الحال بڑا اقبال رہا جائے اور جب سالار خرم وادہ ہو جائے تو پھر وکنیوں کی جانے کے لئے وکنیوں کے لئے گراؤ بھی ہو گیا تھا اور اس کے پیچھے یہ چاہتا تھا کہ وکنیوں کو آرم کا بیویوں میں جانے گا۔ اس نے ایک نظر اپنے بیٹے دارا شہوہ پر لگی ڈال لی جو سفید گھوڑی پر سوار تھا۔ ہر وقت اس کے ساتھ ہی

تھا۔ اس کی بادشاہت میں اسے اندھا کر دیا گیا تھا اور قید میں تھا لیکن اس تحریک کے اکثر لوگ اب بھی موجود تھے۔ نور جہاں بھی اس شہر وادہ کے سپہ سالار کے ساتھ شہر پر تھی ہوئی تھی۔ خرم نہیں چاہتا تھا کہ اس کی قید موجودگی میں پھر کوئی ایسی تحریک چلے۔ اس لیے اس نے شہر وادہ کو ساتھ لے جانے کا مطالبہ کر دیا۔ اس کی یہ درخواست قبول ہوئی۔ اس نے اپنی طاقت میں تخت کشی کی جنگ کے ایک مہرے کو بہادری سے لے لیا۔

برہمن پھر اس کے راستے میں آ گئی۔ اس مہریدہ شہر وادہ اور بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس سے دور رہے۔ انسانی سے اس مہریدہ بھی وہاں اپنے دلی تھی۔ ایک میں اب ایک بیٹا۔ جہاں آمارا اور دارا شہوہ اس کی اگلی پڑے کھڑے تھے۔

ادھر سے اطلاعات پہنچیں کہ وکنیوں کی فوج نے نہ پدا کو قید کر لیا تھا اور باورہ میں داخل ہو گئی تھیں لیکن جب شہزادہ خرم کے لشکر کے قریب پہنچے کی خبر ان کو ملی تو وہ بھاگ کر کھڑے ہوئے اور نہ پدا وکر کے گئے۔

خرم نے اپنی چوبیسویں ساٹھویں پر باپ کے کنبے پر بڑے تلف کے بعد شہر وادہ کی طرف رخ کیا۔ اب وہاں تیس سال کا تھا۔ وکنیوں سے جنگ کی تیاری میں وہ اپنے چھوٹے کنبے سے شہر وادہ تھا۔ خروٹ شہر اب اس کے سامنے وکن کے تھے۔ کنبے کا ہے تائید یزدنی نے باورہ کی پارہ لائی۔ اس نے حال سال کے مقابلے کے دن شہر وادہ اور دوسری مہریدہ سے فوج کر لی تھی۔ خرم نے بھی وکنیوں کے مقابلے میں کامیابی کی دعا کرتے ہوئے صدق دل سے اللہ کے ساتھ مجھ کو کامیاب بھی شہر وادہ کو وکنیوں کے لگے گا۔ شہر وادہ کے ملائی طرف توجہ دینے کا حکم دیا اور حکم دیا کہ اب وادہ نہ شہر وادہ میں شہر وادہ میں پکھوانی جائیگی۔

جب اس عزم کے ساتھ سواروں میں قدم کھڑا ہونے لگا تو کیسے نہ ہو جس نے جہاںگیر اور آگے بڑھا تو گری فضا کی تھی۔ اس نے جہاںگیر کو شہر وادہ میں شہر وادہ کی پہلے وکنیوں کی تائید کی تھی۔ وادہ کا توجہ وکن کے سپہ سالاروں کی طرف تھا۔ وکنیوں کو وکن کی ساتھ بڑھ کر وکن پر ہان پور کا محاصرہ کے ہوئے۔ شہر وادہ کے وکنیوں نے عرض کیا کہ بادشاہی الفوج کا ایک بڑا حصہ پیچھے رہ گیا ہے۔ قیلائی الحال بڑا اقبال رہا جائے اور جب سالار خرم وادہ ہو جائے تو پھر وکنیوں کی جانے کے لئے وکنیوں کے لئے گراؤ بھی ہو گیا تھا اور اس کے پیچھے یہ چاہتا تھا کہ وکنیوں کو آرم کا بیویوں میں جانے گا۔ اس نے ایک نظر اپنے بیٹے دارا شہوہ پر لگی ڈال لی جو سفید گھوڑی پر سوار تھا۔ ہر وقت اس کے ساتھ ہی

تھا۔ اس کی بادشاہت میں اسے اندھا کر دیا گیا تھا اور قید میں تھا لیکن اس تحریک کے اکثر لوگ اب بھی موجود تھے۔ نور جہاں بھی اس شہر وادہ کے سپہ سالار کے ساتھ شہر پر تھی ہوئی تھی۔ خرم نہیں چاہتا تھا کہ اس کی قید موجودگی میں پھر کوئی ایسی تحریک چلے۔ اس لیے اس نے شہر وادہ کو ساتھ لے جانے کا مطالبہ کر دیا۔ اس کی یہ درخواست قبول ہوئی۔ اس نے اپنی طاقت میں تخت کشی کی جنگ کے ایک مہرے کو بہادری سے لے لیا۔

اور یہ بھی تم نہیں دہراؤ گے۔ یہی کہنا چاہتے ہوئے لیکن تخت چھوڑ گئی۔ اس کی جگہ پر گیا۔ یہ مت بھلاؤ کہ میرے اور تہا کے باپ کی موت کی کشتی میں تھی وہ میرے بعد شہر وادہ کے لئے لگے۔ میرے قتل کا انشاء نہیں بنایا۔ ان دیرانوں میں سفید کر دیا گیا۔ یہ ثابت ہوتے دیر نہیں لگے گی کہ تم نے تخت کے تخت میں کئے کئے کو ہے۔ اسے قتل کی کے خلاف بغاوت بھی تصور کیا جاسکتا ہے۔ چچے اہم امرا ہیں وہ میرے ساتھ ہیں۔

خرم اس وقت تو چپ ہو گیا لیکن اس کی باتوں سے اتنا کھد ہو گیا تھا کہ اس نے اس کاٹنے کو بیٹھ کے لیے پاؤں کے ٹوٹے سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اسے جبروے کر یا گاٹھوٹ کر مار دیا گیا۔

"صاحب عالم آپ کیا کر دیا آپ نے؟"
"اسے دروغ بھائی تھا اور وہ مر گیا۔"
"یہ پہلا سونے ہے جو آپ ہم سے لانا چاہتی تھیں۔"
"ہم یہ بتا رہے ہیں کہ آپ یہی سمجھیں کہ وہ یہاں تھا۔ امر گیا۔"

"آپ نے کیا کر دیا صاحب عالم؟"
"ہم نے سازشوں کی جڑ کو کاٹ پھینکا ہے۔"
"آپ کیا سمجھتے ہیں یہ معاملہ کتنی رنگ ہائے کا؟" یہی تو شہر وادہ کی ہے، شہزادہ پرویز جی ہے۔"

"ہم سے ملنے میں جو کچھ آئے گا اس کا شہر بھی ہوگا۔"
دوسرے دن اس نے وراٹہ کو اطلاع پہنچ دی کہ شہزادہ شہر وادہ کی موت سرچکا ہے۔ کچھ دنوں پہلے وکن میں تازہ دہری اور پھر جنگ کے غبار میں گم ہو گئی۔ خرم کا سترہواں اقبال وراٹہ پر تھا۔ اس کی فوجوں کو ہر مقام پر فتح حاصل ہو رہی تھی۔

شہر وادہ کی طاقت موت کو اور جہاں نے تھکایا بنایا۔ بادشاہ کو اور گرا کر خرم بغاوت پر آمادہ ہو گیا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے اپنے بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ تا کہ آپ کی حمایت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔

"اچھا پچھلے ہی صدیقی عہد مقرر کر چکے ہیں۔"
"میرا اور وکن کے حکمرانوں کی کامیابی نے اس کا رونا خراب کر دیا ہے۔ اب وہ آپ کی زندگی تک اقتدار نہیں کر سکتا۔ ام خود شہزادہ ہیں کہ ہمارے مشورے پر آپ نے اسے طاقت بڑھانے کا موقع دیا۔"

"ہمیں اس سے امید تو نہیں کہ وہ ہمارے خلاف سرکشی اختیار کرے گا لیکن اقتدار کے ایوانوں میں یہ ناممکن بھی نہیں۔"

”آپ کے ادا حضور نے مددگار راہ سے یہ معہود بھی تو
یا تھا کہ جس کے بعد یہ قصہ اچانک ٹھہر کر کھمبہ مراد کے حوالے سے سردیا

خسرو کا واقعہ ابھی تازہ تھا۔ غم کو یہ گمان گزرا کہ شاید
ملکِ اہم کے یہاں سے وہ ہارٹس بلا اجازت ہے۔

نہیں کہ ہم رشتہ ہوگی یہ فردوسی کو حق پر کو حق حضور میں پہنچی

”ظہورِ اقبال بلند و نام شہر بار سے کہیں گے، اقبال ہمارے

”انہم اعلان کرتے ہیں کہ شہر و بارگاہ دارالافتاء منصف اور آٹھ ہزار سوار پر ترقی دے دی گئی ہے۔ ہم یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ آئندہ سے غلام کو شہداء جہاں نہیں ”ب دولت“ کے لقب سے یاد کیا جائے۔“

”تم جہاں پہنچے ہو وہیں غمگین رہو۔ تمہارے ہمراہ جو اہل اولیٰ فوجیں ہیں ان کو جلد حضور میں روانہ کر دینا کہ انہیں شہر بار کے ہمراہ روانہ کیا جائے۔“

فرم اپنا تک دشمنوں کے ہاتھ میں جا پڑا۔ اس کے ہاتھ سے بڑی کٹھن چار دیواری تھی۔ اس کی جاگیر میں سڑک ہو گئیں۔ یقیناً اس کا نشانہ خطا ہو گیا تھا۔ اب ایک آفری تہہ پر کھجی تھی جو اس نے کی۔ اس نے باپ کے ام خط لکھا جس میں اس نے نو روپوں کا نام لیے بغیر یہ بیت کیا تھا کہ یہ خط فہیاں صرف اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ ظلم الہی نے ایک عورت کے مشورے سے برپا کیا۔

اپنی خدمات کے صلے میں وہ شاہانہ اعزازات کا مستحق اور تمام
شہر اس کے بھانے یادگار کی سرگرمی افسروں کی شہادت کا یہاں تک
میں ہے۔ منظر غریب اور غریبوں کے یہاں کے آخری بار منہ
لی جاگیروں کو اس ماحلق کے نام منتقل کر دینا ان باتوں کو یہ
تقریب جزیہ منی "وہ کسی بات پر محمول کرے۔"

مردہ ہائے مسیح پر پہنچ گیا تھا کہ شہر بارہ اونڈور جہاں کے باشندے

افضل خاں نے دہلی میں **کشمکش** کرشمہ از اسے فی عروضداشت اور پیغام پہنچانے کی بڑی کوشش کی لیکن مسعودوں نے ملاقات نہیں ہونے دی اور وہ نامراد لوٹ گیا۔ بادشاہ کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ غرض نے انوکھے علاقے لیے افضل خاں کو بھیجا تھا۔

”الفضل خاں، بیایا جانی نے ہمارا مرید بن کر چلا“

ایک مرتبہ پھر اس نے دربار کے میز پر لکھا۔
 "ایک مرتبہ مجھے حضور میں آنے کی اجازت دی گئی تھی۔
 مگر میں اپنی بے ضروری ظاہر کر سکوں۔ اس کے بعد میں حضور پر
 اپنے گمراہی سے توبہ کر رہا تھا۔"

ان اطفالِ حیات نے جہاں گھر کے شہسوار کو وہ پتھر کر دیا۔ اس نے شاہ جہاں کو یہ سچا سچا جس میں یہ ظلم کیا تھا کہ وہ فی الظہور فی القوایح کے ساتھ کر دیا۔

”ہم ایک بے دھوک ملکہ کے تہذیبی اور مذہبی گروہ میں نہیں گزار رہے۔ اگر آپ کو اس کا روتہ تو ہم بالکل مانتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہے کہ یہ ایک انسانی ہوتی آگ ہے۔ ہم اس میں جتنے کو تیار کریں۔“

”یہاں آکر مجھ سے ملو“

[illegible]

شاہ جہاں کا مثل کی طرف آگیا جہانگیر کی دل آزمائی کا
 اس وقت تھا کہ ایامات و معجزات و مہربانیاں جو شاہ جہاں کو
 دی گئی تھیں، سب آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ مہاراجہ
 جہاں جی کا دل میں تھا کہ اسے کھسا کر صوبے دار کی اپنے لڑکے پر
 کڑوا اور غور و فکر میں بھی مبتلا ہوا۔

مہارت خالص کو یہ پیچھا چاہتا ہے آگے میں توڑ دے اسے
 اور یہاں کی عقل پر تعجب تھا جو عقل دشمن رکھنے کے باوجود
 دشمنوں میں ایک بہت بڑا فتنہ برپا کرنے کا سبب بن رہی
 تھی۔ اس نے جواب میں کہا۔

”پہلے آصف خاں کو دربار سے اٹک کر دیا جائے تاکہ میں اس معاملے میں قدم بڑھانے کی جرات کر سکوں۔“

آصف خان کو آگرہ روانہ کروایا گیا۔ مہابت خان کا اعلان
کردی گئی، سلطان ہمایوں کو بھی طلب کرنا تھا۔

ان واقعات کے بعد ایک مرتبہ پھر خرم کو فرما دیا مجھ کو کیا کہ
 دو گن واپس چلا جائے۔ شہزادے نے اس مرتبہ صاف لکھ دیا۔
 "میں بالکل معذور ہوں اس لیے خود غرض مدعوں کی موجودگی میں کمرے
 پر آؤ اور تمہیں۔" شہزادے کے اس حجاب کو نہایت غلط رنگ پہنچا دیا
 گیا۔ ادا شاہ کو یہ یاد کرایا گیا کہ شہزادہ بہت دھڑکی پر قائم ہے۔
 ادا شاہ سے مدد ذات کے کہانے وہ چرے لشکر کو ساتھ لے کر پریختہ

اس وقت تک کہ وہ اور تمام بھیجیں دن کا سفر طے کرنے کے
بعد، یہ بھیجیں کہ اس کو ایک آٹھ آٹھ خاں نے اپنے وٹا (خرم)
کو اپنے ساتھ لے کر وہ آگرہ سے قزاقانہ لینے جا رہا ہے۔ وہ جلد
اپنے گھر لوٹے۔ یہ سب پر عمل کر کے قزاقانہ لوٹ لے۔

ارشادِ الہامی کی نقاب کشی کی وجہ سے تھکا ہوا تھا لیکن دہلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر اس قلعے سے ٹھٹھکے گا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہ جہاں آکر وہیں آئے گا۔ پس اگر ارشادِ آگرمے میں ہوتا تو وہ ضرور آتا۔ وہ دہلی کی طرف بڑھے گا تو اس وقت تک اس کا راستہ روکنے کے لیے فوجیں تیار ہوں گی۔ ارشادِ الہی کی طرف جانے سے پہلے مہسوی خاں کو جو عین شام تھی اور قربان ٹھکانے میں ہے، بھیج کر اسے خبر دے کہ پاس مواخذہ کیا گیا کہ وہاں شہزادے کے رازداروں سے بخوبی واقف ہو کر لوٹ آئے۔

ادشا، دلی پیشانی تھا کہ موسوی خاں، شہزادہ غلام کا جواب لے کر آیا۔

اسیری آمد تو بھی ہے کہ حضور والا کہول پر نقشہ پردازوں
کی اور اندازی اور سنگم کی نامہ رانی سے جو غبار اٹھ گیا ہے وہ میرے
انتظار حقیقت سے دھل جانے اور اب دھلنا کا پروہ لایمیان سے
ٹھنسنے نہ پائے۔ حضور میری جا گیروں کو بھول کر دیں ورنہ میں حضور
کی خدمت میں اچانک پہنچ کر قدم پوس کا شرف حاصل کروں گا اور
اپنی بے نظیری ثابت کروں گا اس کے سوا میری کوئی طرزی نہیں۔"

اس انگلیس مہارت خاں کا دل سے آگیا۔ اس نے آتے ہی تمام معاملات شاخ اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ شیخ ابو دین واپس بھی حاضر ہو چکا تھا۔ بادشاہ کی طرف سے علم مل چکا تھا کہ شیخ ابو دین واپس کی طرف بڑے توجہ سے تو اس کا راستہ روکا جائے۔ اگر وہ لوگوں کی طرف واپس جانا چاہے تو اسے اور اس کی بیوی کو واپس جانے دیا جائے۔ مگر وہ جنگ میں خود بخود سے جنگ کی جاتے۔

شہزادہ خرم اللہ کو ہاتھ کہ کب عزائم باہر نکلے آصف
قاس کا اشارہ ملے اور وہ اس کے ساتھ چلنے والے ٹوٹی دستے پر
حملہ کر کے قزاقوں کو ہلاک کر دیا۔

آگر، میں جو فوج متعلق تھی اس کا سپہ سالار اعتبار خاں
ہو شیار آبادی تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ آصف خاں، غرم کا خسر
ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خزانہ، غرم کے ہاتھ پڑ جائے۔ اس نے
آصف خاں کو خزانہ لے جانے سے روک دیا کہ اس خزانہ ولسا کے
خزانے میں رکھو۔ آگر، سے خزانے کو باہر لانا قرین مصلحت نہیں۔
آصف خاں نے بھی زیادہ اصرار مناسبت نہیں سمجھا کہ کہیں اسے
شک نہ ہو جائے کہ وہ غرم سے مل رہا ہے۔

غرض فتح پور میں کئی اسکے قریب ایک گاؤں میں تھا اور اس وقت

خدا کے اشارے کا منظر تھا۔ بے گنتی پر حق جہادی تھی۔ اس نے ایک آدمی کو آگروہ کی طرف دوڑایا۔ شہر کے دروازے غرم کے لیے بند ہو چکے تھے۔ وہ آدمی اپنی جائزہ لینے ہاتھ کہ شہر کا دروازہ کھلا اور ایک سوار باہر نکلا۔ یہ خوب کی بات تھی کہ رات کے وقت شہر کا دروازہ کھلا اور گولی میرا آیا۔ غرم کا بھیجا ہوا آدمی ایک طرف چھپ کر دیکھنے لگا کہ پھر آئے والا کون ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ اس نے دیکھا کہ وہ آدمی اپنی طرف جا رہا ہے۔ کسی ملک کے آدمی کے دل میں سراٹھایا۔ وہ بھی لاصلہ سے کر پیچھے پیچھے چلنے لگا اور ایک جگہ پہنچ کر اسے دیکھ لیا۔

"اگلی رات میں کہاں جا رہے ہو؟"

"یہاں یا کچھ فاصلے پر ایک گاؤں ہے میں وہاں جا رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"وہاں میرے ایک جاسٹے والے ہیں، ان کے پاس آگ کی دانت کے تمبار سے بے دروازہ کس نے کھول دیا۔ کچھ گاؤں تو کون ہوا جہاں گھیر کی طرف سے پیچھے گئے جاسوں تو نہیں ہوں۔"

"جاسوں تو مجھے تم کہتے ہو جو اس طرح میری نگرانی کر رہے ہو۔"

"نہیں۔۔۔ میں تو شہر اور غرم کا خاص آدمی ہوں اور یہی دیکھنے کے لیے بھیجا گیا ہوں کہ جہاں گھیر بادشاہ کا کوئی جاسوس تو قریب میں نہیں ہے۔"

"بھائی، میں بھی جاسوس نہیں ہوں۔ مجھے تو آصف خاں نے شہر دوسے کے پاس ایک پیغام دے کر بھیجا ہے۔"

"کیسا پیغام؟"

"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔ تم مجھے شہر دوسے کے پاس لے جاؤ۔ وہاں جاؤں گے تو تم بھی سن لیا۔"

"مگر کوئی دھمکا کہ تو مجھ لین میں سہاقتی ہوں۔ تم کو وہ چاہنے میں دیر نہیں کروں گا۔"

"بھائی تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔"

وہ دونوں چلتے ہوئے گاؤں تک آ گئے۔ اسے غرم کے پاس پہنچایا گیا۔ اس شخص نے اپنا تعارف کر دیا اور "آصف خاں" کا پیغام اسے پہنچا دیا۔ آصف خاں نے پہلایا تھا کہ خزانے کی کھلی کو دنگ دیا گیا ہے۔ قلعے میں بہت تھوڑی سی قوت ہے۔ تم جلد کر کے آگروہ پر قبضہ کر سکتے ہو۔ میں تمہاری مدد کے لیے یہاں موجود ہوں۔

غرم نے آصف خاں کو پیغام بھیج دیا۔ "میں غل اٹھوں سے

یقاوت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میرا مقصد ان سے ملاقات کرنا ہے۔ آگروہ کی دوسری شہر پر قبضہ کرنا نہیں۔"

اس نے کوچ کا غم دے دیا اور قوت کے ہمراہ جن کے کنارے کنارے چلا اور یہ ظاہر کرتا رہا کہ اپنے باپ سے ملے جا رہا ہے۔

جیسے ہی یہ خبر پہنچی کہ غرم دہلی کی طرف جا رہا ہے۔ قوت پر دواؤں لے اس کے اداؤں کو بڑھا چڑھا کر خوش کیا۔ جہاں گھیر نے غم دہلی کی طرح کو سمجھا کہ وہ مقابلے کے لیے آگے بڑھے۔

شہر اور دہلی کے قریب پہنچا تو غل خاں کی دیر انداز نظر آئی جو اس کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ مہاراج خاں اس لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ مہاراج خاں کی موجودگی بتادی تھی کہ جہاں گھیر نے غل خاں کی قیادت کے بعد یہ لشکر ترجیح دیا ہے۔

"ہم ہرگز لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ غرم لے اور جلد سے کہا۔"

"مہاراج خاں لڑے لہجہ آپ کو آگے نہیں بڑھنے دے گا۔"

"ہم ہرگز لڑنا چاہتے ہیں اور مہاراج خاں، غلوں کی تلوں پر اپنے والا سپر سالار۔ وہ ہمیں اپنے باپ کے پاس جانے سے نہیں روک سکتا۔"

"یہ مست بھولے شہر دوسے۔ ناواں پتے خود نہیں آتے۔ انہیں ہوا زانی ہے۔ مہاراج خاں اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ اسے کسی نے تو بھیجا ہوگا۔ وہ خود ہی کرے گا جس کا اسے حکم ملے ہے۔ اسے وہاں کرنا ہے کہ آپ جنگ کرتے نہیں آتے ہیں۔"

"ہم ہرگز اس کے پاس نہیں جا سکتے۔"

"پھوپھی جان نے بڑی سخت حال بھیجی ہے۔ آپ کو یہ باری مصلحت سے بھائی ہوگا۔"

"مہاراج خاں، وہاں لڑنا ہے۔ اسے خود ہمارے پاس چل کر آنا ہوگا۔ اس نے اسے اندر گولی دی اور خود اپنے پیسے میں چلا گیا جہاں اس کے سربراہی سے ملاقات کے لیے جی تھے۔

ایک سرور کے غل سالار مہاراج خاں کی آمد کی اطلاع دی۔ اس کے ساتھ ہی مہاراج خاں ان کے ساتھ آگروہ سے پاؤں تک لوہے کی لڑائی۔ دھشت گھلوں میں چلا گیا پھر سے پر۔

"مجھے افسوس ہے شہر دوسے کہ تسلیم اور گھیر کا نہیں ایک مرتبہ پھر کہیں جا رہا ہے۔ میں آپ کے خلاف تو اور اٹھانے پر مجبور کروا گیا ہوں۔ میرا آپ کو مشورہ ہے کہ آپ انھیں بڑا لیں۔

پھر میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا، آپ کی حفاظت کروں گا۔"

"مہاراج خاں! ہم نے تمہارا اٹھانے ہی کب تھے جو اب پیچھے دیں۔ دہلی بات حفاظت کی تو اپنی حفاظت ہم خود

کر لیں گے۔ اگر جنگ ضرور ہوگی تو یہ یوں کسی سے آپ کو ہوا ہے۔"

اس نے اپنی بات میں ملاقات کا شرف بخشا تو یہ یوں ہم ان کے خلاف لڑنے کے وقت بھی یوں ہمارے حق کے لیے ان سے لڑ سکتا۔

"آپ کے لیے غل اٹھوں کی جانب سے ایک پیغام ہے۔ اگر آپ ان والا اس کا ارادہ لڑنا نہیں تو آپ کی سائیں جا سکتی ہیں۔"

"آگروہ میں باریابی کی اجازت کیوں نہیں مل رہی ہے؟ وہ ان سے ہر گز نہیں ہو سکتا۔ پھر گھیر کے پیچھے ہے۔"

"آپ دکن کی طرف سے چاہے۔ لہذا غلوں کی گرد مہاراج خاں نے، مگر شہر دوسے کی کوئی تیل لیل آئے۔"

"ہم بھی نہیں لڑنا۔ اس کے غل سب جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔ آپ قریب سے۔"

اب اسے اور جلد سے غم دہلی باتیں کر رہی تھیں۔ پورے غل سالار کی باتیں سننے کے لیے موجود تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس نے کت گیا ہو۔ لہذا جنگ پھیلے ہوئے میدان میں آگئی۔

دہلی پہنچی ہوئی تھی اور پھر اندر میرا تھا۔ اندر سے اس کے غلوں کی دھشت چھوٹے چھوٹے دھشت کی شکل میں نظر آ رہی تھی۔ غل لشکر میں جتنے میں وہی مشعلیں تھیں۔

وہ اور جلد کے پیسے میں دھشت ہوا۔ اپنے سوچے چھے۔ اور جلد سے دیکھ کر باہر نکل آئی۔

"وہ دھشت خاں دیکھ رہی ہو؟"

"ہاں اسی دھشتی دھشتے دھشت میں دھشتی تھی۔ اس دھشتی دھشتی کی چنگاریاں لگتی نظر آ رہی ہیں۔"

"مہاراج خاں نے جنگ کی ہے کہ آگروہ دکن والوں سے چاہے کہیں تو دہلی چاہیں۔ یہاں کہہ دی جائیں گی۔"

"آپ کی جان بچانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سخت کی اور کئے گا۔"

"اسم جان بچا نہیں دھشت چاہیے۔"

"میں آپ کی جان بچا رہا ہے۔"

"ہم مہاراج خاں سے کہہ چکے ہیں کہ جنگ کا آغاز ہوگا۔"

"پھوپھی جان یہی بات ہیں کہ آپ غل اٹھوں کے خلاف گورنر تھا ہیں۔ آپ ان کا مقصد پورا کریں گے۔"

"تم جانتی ہو مہاراج سے تم تھا خاں؟"

"میں نہیں جانتی کہ آپ غل اٹھوں کے سامنے ایک قیدی کی حیثیت سے جا رہیں۔ غلوں کے تسلیم غل کے سامنے جا رہی

فواصلہ

ایک خاتون سبزی دانے سے سبزی لینے کے لیے بیٹھ کر بکھو، بھرا مگر سبزی خراب ہوئی تو میں بکلی پائی وہاں کر جاؤں گی۔"

سبزی والا۔ "خاتون اگر ساتھ دو روپیوں بھی لیتی آئیں تو میرا بلی ہوگی۔"

تاریخ

باپ (دستو سے) "میرا بیٹا بیوی میں کیا جا رہا ہے؟ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ جب میں بڑھتا تو تاریخ میں سفر تھا۔"

استاد۔ "بنا باپ آپ نے یہ تو ضرور سنا ہوگا کہ تاریخ اپنے آپ کو ہر جگہ ضرور ہے۔"

ریاضی، ہنر، حسن اقبال

فصلت کے آخر صاف نظر آ رہے ہیں۔"

"فصلت پر دوا اسے دہلی بڑی دھشتیں گے، دہلی نیک نہیں۔"

"ہم خود میں تو بڑے غل کے لیے بی بی ہیں۔ آپ دہلی میں جس میں ہم سب کی بھلائی ہو۔"

"تو پھر کل صبح میں بیٹے ہوئے میدان جنگ کی طرف رخصت کرنا۔"

یوں پورا دھشتی پورے میدان میں جہاں گھیر اور شاہ جہاں کی فوجیں بڑی ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل آ رہے۔ جنگ ہو گئی۔ دونوں طرف کے توپ خانوں نے ہمارا آگ لگی کر مہاراج خاں کا آغاز کیا۔ مگر لکھن کے دروازے نے کھارے سے بھاگ کر تلواریں اٹھا لیں۔

سمر کر کار و گرم تھا کہ ایک سرور مہاراج خاں کی دھشتی خیزی سے اپنی قوت سمیت غرم سے چلا دیا۔ اس کے اقدام سے اس کی اتاری ہوئی گھیر مہاراجی غل میدان سے بھاگنے کی فکر کرنے لگا۔ مگر قریب تھا کہ غم دہلی دھشت سے بھی ہوئی۔ خان خاں اور سپر سالار دربار کے درمیان اشارے ہوئے اور دربار دھشت میدان سے ہٹ گیا۔ دوسرے سرور بھی اپنی حفاظت کے خیال سے بی چھوڑ بیٹھے۔ ایسے ہی گئے کہ غرم کے کیمپ میں آکر وہ پایا۔

مصلحت دھشت کا کھانا تھا کہ غرم بھی اپنی حفاظت کا

بندوبست کر کے۔ شام کے سامنے دروازہ کھلا ہوا تھا۔ خرم کو اپنے سر پر ہاتھوں پر بھر دیا۔ اس کی قسم پوری ہو گئی تھی۔ اس نے جنگ کا عندیہ دیا تھا، جنگ ہو گئی تھی۔ اسے مہابت خاں کا منہ یاد آیا۔ اگر وہ دن کی طرف چلا جائے تو اس کی چاکریاں بھلاں ہو گئی ہیں۔ ہم کس کی جانیں، پہلے یہاں سے لٹا ہوا گا۔ رات ہوتے ہی اسے وہاں سے لٹا ہوا گا تاکہ مغل افواج کو قلعہ کا موقع نہ ملے۔ مشعلیں جگا کر خاموشی سے خیمہ اکھاڑ لیے گئے۔

"ہم کہاں جا رہیں گے صاحب عالم؟"

"خود پوری کا سفر شروع ہو گیا ہے۔ ہاں خرم۔ ثابت قدم رہنا۔ شکست کی خبر جہاں جہاں پہنچے گی، ہم پر دروازے بند ہوتے چلے جائیں گے۔"

"کہاں پھر تو آپ کا بھنا ہے؟"

"مہابت خاں ہمارا چچا کرتا ہوا ضرور یہاں پور پہنچے گا۔"

"پھر ہم کہاں جا رہیں گے؟"

"تریاہست میں۔"

"رانا کرن سنگھ کا باپ آپ کے ہاتھوں شکست کھا چکا ہے۔ اسے آپ قیدی بنا کر دیوار بھاگیری میں لے گئے تھے۔ کیونکہ بھول گیا ہوا گا۔"

"قیدی ہی قیدی کا کچھ ہوتا ہے۔ آج ہم اپنے باپ کی امان کے قیدی ہیں۔ وہ ہمارا استقبال ضرور کرے گا۔"

رات اب بھی ایک چہر گزری تھی کہ شہزادے نے کوچ کیا۔ اسے لنگر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایک قافلہ تھا جو زیادہ سے زیادہ اپنی جہاز رشاخ میں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے بھی کچھ کو آگے جا کر بکھر جانا تھا کیونکہ جب گواہی نہ ملے تو قافلوں کی نبردست فکرمندی چلی جاتی ہے۔ فوجیں توڑنے والوں کے ساتھ لڑتی ہیں، بھاگنے والوں کے ساتھ کم بھارتی ہیں۔

تیز رفتاری سے بھاگ نہیں سکتے تھے کہ کسی کو یہ شک نہ ہو کہ فوجیں شکست کھا کر بھاگ رہی ہیں۔ آہستہ چلتے ہیں یہ خود تھا کہ مہابت خاں سچ ہوتے ہی قلعہ کے لیے روانہ ہو جائے گا۔

شہزادہ اور جنت کی سواری اس کے بیروں میں پہنچ کر بھی ختم ہو کر کھول سکتا تھا۔ نہ تیز رفتاری سے دوڑ سکتا تھا۔ چار پہلوں کے ساتھ تھے جنہیں بہت طاقت ملے جاتا تھا۔

اس نے سو سو اپنے ساتھ رکھ کر باقی فوج اپنے ایک سردار کے ساتھ کر دی۔ اس فوج کو جنوب کی طرف روانہ ہوا تھا تاکہ مہابت خاں شہزادے کے دھوکے میں اس فوج کا پیچھا کرنا نہ ہو۔

وہ مغرب کی طرف سرگرد رہا تھا۔ اس کی فوج جنوب کی طرف گئی تھی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد اسے پور میں اسے شہزادے سے مل جانا تھا۔

وہ بہت طاقتور سپاہی سرحدوں تک پہنچ گیا۔ رانا کرن سنگھ کو پہلے ہی خبر ہو گئی تھی۔ وہ اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

"ہم ایک دوست کی حیثیت سے آپ کا استقبال کرتے ہیں۔"

"ہم اپنے دوست کو کبھی زحمت نہیں دیتے لیکن شہزادہ اور جنت خادے ساتھ ہیں۔ وہ بہت تھک گئی ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ کچھ دن وہ آرام کریں۔ اس وقت تک ہم اسے پور میں قیام کے خواہاں ہیں۔"

"قسمت کی آپ نے کیا بات کی۔ آپ جب تک چاہیں یہاں قیام کریں۔"

اور جنت اور بچوں کو ایک محل میں آباد کیا گیا۔ کرن سنگھ خرم کو لے کر اپنے محل میں چلا گیا جہاں میز پانی کے طریق بھی بھروسہ رہا اور شہزادے کے حالات سے واقفیت بھی حاصل کر رہا۔ اس نے یہ بھی پیشکش کی کہ وہ اپنے چچوں کا ایک لنگر بھر دے کہ مہابت خاں کے سامنے پہنچ جائے لیکن خرم نے یہ پیشکش ٹھکرادی۔

"میں جنگ چاہتا ہوں نہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کسی طرح اپنی بے گناہی کا ثبوت دلا سکوں۔"

"آپ جب تک چاہیں یہاں رہیں۔ ایک ایک راجپوت کٹ جائے گا مگر آپ پر آج نہیں آنے دے گا۔"

اس گل میں رہتے ہوئے ہوئے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا کہ ایک رات اس کی فوج واپس آئی۔ اس کے سردار مہابت خاں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اعلان کا پیچھا کرتے ہوئے جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام جنگ گیا تھا۔ یہاں قلعہ گر جو جہز بھاری اس سے اسے اندازہ ہو گیا کہ شہزادہ اس لنگر کے ساتھ تھا۔ اس نے فوجیں بھجوا کر پیچھا کر دیا تھا۔

یہاں فوجیں شہزادے کو بچھڑا کر مہابت خاں بہت جلد اسے پکڑ لیا جائے گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہزادہ پرویز بھی فوج کے ساتھ مہابت خاں سے آگے تھا۔ اب فوج کی طاقت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

اس کی فوج بہت تھکی ہوئی تھی اور وہ اس وقت اسے پور سے نکل جاتا۔ اس دن گزرنے سے تھک کر کرن سنگھ کے پاسوں نے اطلاع دی کہ مہابت خاں آگے کی طرف بڑھا چکا ہے۔ آ رہا ہے اور اب وہ زیادہ سے زیادہ ایک دن کی مسافت پر رہ گیا ہے۔ کرن سنگھ نے ایک مرتبہ پھر پیشکش کی کہ وہ اپنی فوجیں مہابت

خاں سے مل کر اس کے لیے دروازہ کھول دے۔ اس نے ایک مرتبہ یہ عرض کیا۔

اس نے ایک بار کہا اس کا فیصلہ میدان جنگ میں کریں گا۔ اس کا اصول وقت کرنے کا۔ کچھ وقت کا انتظار کرنا۔ ایک دن اسے دروازے کے لیے بہت ہے۔ ہم یہاں سے اٹھ جائیں گے۔

"یہاں چاہئے؟"

"مہابت خاں نے کہا ہے۔ ہم نے مغلوں کی سلطنت کو ختم کرنے کے لیے کیا کوششیں کیا لیکن یہ سلاک ہم دو بار اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہاں سے لیے اس کے پاس اس کا ایک مہلت مغل سلطنت کی حکمرانی ہے اور ایک بار شہزادے کو تخت پر بٹھانے کے لیے کوشاں ہے۔ اس لیے اس کی مدد کرنا چاہی ہے۔ بلکہ اس لیے کہ وہ اس مہلت کا دار ہے۔ وہ اپنے محل میں بیٹھا ہے کہ اس کے ہاں جھڑ گئے ہیں۔ اور ایک مرتبہ اس کے کتے بد صورت ہو گیا ہوا گا۔ تخت پر اڑ کر گیا۔ اس کا مہلت مہلت ہے۔ ہمارے والد گرامی اس کے تخت پر بیٹھے ہیں۔ یہیں انہیں دبا کر آئے ہیں۔ اس لیے ہم تخت کے تخت پر بیٹھے ہیں۔ وہ شہزادہ کی جہاں وقت بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس سے ہم نے بہت کچھ سیکھا۔ اس سے ہم نے کیا تھا کہ ہم اسے ملے۔ اس سے کیا سوا جہز پورا کرنا ہے اس لیے اس کا شہزادہ بننا ہے۔"

اس کے دل میں جتنا جہز تھا وہ سب اس نے کرن سنگھ کے سامنے اگل دیا۔

اسی اندھیری رات میں وہ اسے پور سے نکل گیا۔ اس کی اطلاع معلوم نہیں گئی۔ اسے یہاں پور کی طرف جانا تھا لیکن وہ کون کچھ پر اپنا بھروسہ نہیں کر سکتا تھا کہ اسے اپنی منزل کے سامنے نہیں آتا۔

شہزادہ پرویز اور مہابت خاں اس کے قلعہ میں گئے۔ اسے بھی۔ انہیں جلد اندازہ ہو گیا کہ خرم کس طرف جا رہا ہے۔ انہوں نے سچ سمجھ لیا۔

خرم کو خوب درد تھا کہ اس نے تو یہ کہا تھا کہ اگر وہ دن کی طرف چلا جائے تو اس کی چاکریاں بھلاں ہو گئی ہیں۔ اب وہ جانے کے لیے راستہ تلاش کر رہا ہے تو اس پر دن میں تلک کی بارش ہے۔

روشنی "اندھ" کا بھلا تھا کہ قلعہ کے والے قریب آگے خرم کے پاس اب جنگ کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ اسے سرداروں اور فوج کے ہمراہ معرکہ کارزار کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک امیر رستم خاں کو مہابت خاں کے ہرادل دے کر

روکنے کے لیے بھیجا لیکن اس نے خدائی کی اور مہابت خاں کی فوجوں سے سارا پاز کر لی اور اس سے چلا گیا۔ اس کے پاس جو فوج تھی وہ واپس چلی آئی۔ مہابت خاں بڑی ہوشیاری سے خرم کے سرداروں سے خط کتابت کرتا رہا اور انہیں لڑنے کے کام میں نہیں لگنے دیا۔ اس کی طرف مائل کرنا رہا۔ ان خطوط نے مہابت خاں کے وقت قیام کا پیر کیا۔ خرم کا فارغ توپ خانہ برقی انداز خاں اسے پور سے قلعہ خاتمے کے ساتھ شہزادہ پرویز سے چلا گیا۔ اس کی فوجیں گرنے ہوئے خرم کے کئی اہم سرداروں کا ساتھ چھوڑ گئے۔

یہ خرم کی بہت غلطی کے لیے کافی تھی۔ اس نے اپنی فوج کو اپنے رہبر کو طلب کیا اور شہزادہ کو پور کے گھاٹ پر موجود تمام کشتیاں اپنی طرف متوجہ کر کے ہیرم بیگ کو ایک فوج اور توپ خانے کے ساتھ اس جگہ منتقل کر دیا کہ کوئی دریا پار نہ کر سکے۔

اسی وقت ہارن کا موسم سر پر آ گیا تھا۔ دریاؤں میں طغیانی بڑھنے والی تھی۔ وہاں طغیانی سے یہاں پور چلا گیا۔

یہاں پور کا محل اس چال میں تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اور جنت بھی اس گل سے واپس گئی۔ کئی سو چا تھا کہ برسات اس گل میں رہ کر گزری جائے گی۔ گل کی وہ جہت جس پر جہز کردہ چاندنی راتیں گزرا کرتے تھے۔ برسات کی اندھیری رات میں لے ہوئے مسافروں کی طرح بیٹھے تھے۔ دونوں کے پاس کپے کو کچھ فٹن تھا۔ بڑی مشکل سے خرم نے بچوں کے بار سے شیں پوچھا۔

"بچے تو سو رہے ہوں گے؟"

"تھک گئے ہوں گے۔ بے خبر سو رہے ہیں۔"

"انہیں کیا معلوم ہم پر کیا گز رہا ہے؟"

"دادا! شکوہ بہت خاموش رہنے لگا ہے لیکن اور گزریب ڈرا چڑا ہو گیا ہے۔ بچو بچے گھر بچو سے پوچھتا رہا ہے کہ ہم بھاگ کیوں رہے ہیں؟" جنگ کیوں نہیں کرتے؟"

"ہاں اس کے مزاج میں تیزی بہت ہے۔"

"شہزادہ اب میں تھک گئی ہوں۔ آخر ہم کب تک بھاگتے رہیں گے؟"

"میں گرفتار ہو گیا تو بعد میں کا فتنہ ہی بدل جائے گا۔ میں نہیں بھاگتے رہتا ہے۔ اہلوت برسات گزرنے تک میں آرام ہی آرام ہے۔ مہابت خاں کی فوجیں نہ بچا رہیں کر سکیں گی۔ ہیرم بیگ کا توپ خانہ اسے دریا پار نہیں کرنے دے گا۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بچے شور بلند ہوا۔ شہزادے نے اور جنت کو دیکھا۔ کچھ اور بچے ہر آگ کو دیکھے مازا کیا ہے۔ ہیرم بیگ سے ملنے لگی۔

"ہیرم بیگ تم اور وہ گھاٹ۔ وہ کشتیاں، مہابت خاں کہاں ہے؟"

اس نے محمد سے سے سر اٹھایا اور لکھنے بیٹھ گیا۔

”فلاحی جانور شہنشاہ وندوستان!“

میں شہزادہ شہاب الدین خرمستان کا خوشگوار ہوں۔

میں صدق دل سے اعتراض کرتا ہوں کہ میں گستاخ اور

سرکشیدہ ثابت ہوا۔ آپ نے مجھ پر کیشہ عنایات کیں۔ میں ان

کا شکرا ادا نہ کر سکا۔ خود بھی ذلیل ہوا اور یہی نہیں کو بھی بے سکون

کیا۔ آپ کے دل کو بھی مجھ سے پہچان لی۔

آپ کے سپاہی عاقبت کے سوا میرا کوئی دوسرا ٹھکانہ

نہیں۔ میں اپنی زندگی آپ کے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ جو چاہیں

سلوک کریں۔“

اس نے یہ عقد اپنے اہل باطن کے حوالے کیا اور جواب کا

انتظار کرنے بیٹھ گیا۔

دن پرون گزرتے جا رہے تھے۔ یہ خود شلاق تھا کہ نعل

وادی تو نور جہاں کی ہے۔ وہ کب سے ہی کہہ چکا تھا اور

ہوں۔ وہ اس خط کو نعل والی تک پہنچنے لگی رہتی ہے یا نہیں۔ شاید

ایسا ہی ہو۔ لیکن اب حالات نے ایک کمرٹ اور بدل لی تھی۔

مہابت خاں بکال کا حاکم مطلق بن گیا تھا۔ اس نے وہاں خیمہ و حجر

کا بازار گرم کر دیا تھا۔ کسی کو خاطر میں نہیں لے رہا تھا۔ اس نے فریئر

سوسپے کو دونوں مہاتوں سے ٹوٹ رہا تھا۔ نور جہاں کو یہ خبریں بھی

لے رہی تھیں کہ وہ شہزادہ پرویز سے سالہاں گزر رہے ہیں۔ سخت سختی کی

چنگ میں شہر بار لکھن پیچھے رہ گیا تھا۔ اب نور جہاں کی کوشش یہ تھی

کہ اس بوڑھے مہابت خاں سے کسی طرح کیچھا جھڑپا جائے۔

ایسے میں جب خرم کا عریض پہنچا تو اس نے بھی مناسب سمجھا کہ

اپنی شرارتیں منسوخ کر لے جائے تاکہ پرویز کی شکرگشتی کی ضرورت ہی

نہیں ہو جائے۔ مہابت خاں سے بھی وہ عقد میں منسوخ نہ کی۔

اسے اب اپنی شکرگشتی کا احساس ہو رہا تھا کہ خرم کو دشمن بنا کر کتنے

آگین پھینکا کر لیے ہیں۔ اس نے خرم کے خط کا جواب دینے میں

بھی مصیحت لگی۔

شہنشاہ نے خیمہ ویا تھا کہ وہ اپنے السروں کو اسیر کر لے اور

دو ہتاس سے دستبرد کر لے اور دو شہزادوں کو بطور برافراں اپنی

نیک نیتی کی ضمانت میں پیش کرے۔

وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ دو نور جہاں کی دکھلی ہوئی ہے لیکن اس

وقت حکم ماننے کے سوا چارہ نہیں تھا۔ اورنگ زیب اور دارا شہو

دونوں کچھ وار تھے۔ انکی کو بھیجا جاسکتا تھا۔ دونوں کو اس کی

لے تیار کر رہا۔ دونوں کو یہ نہیں بتایا کہ انکی کہاں لے جایا جا رہا

ہے۔ دارا شہو چھ موش کی طرح تھا اس وقت بھی چپ تھا لیکن

اورنگ زیب کے ماتھے پر ہل تھے۔

”خیم دونوں بھٹی مر جیہ اپنے دادا کے پاس رہنے

جا رہے ہیں۔“

”کون ہیں وہ رہنے والے؟“

”شہنشاہ وندوستان چہا نکیر بادشاہ۔“

”وہ اپنے گل میں اکسے رہے ہیں اور آپ کو بھڑکتے تک

نہیں۔“

”وہ وندوستان سے باہر گئے ہونے لگے۔ اب آئے

ہیں۔“

”اگر وہ ہمارے دادا ہیں تو ان کی فوجیں ہم سے لڑنے

کیوں آئی ہیں؟“

”وہ کہہ رہے تھے میرے شہزادوں کو میرے پاس بھیج

دو۔ اب تم چلے جاؤ گے تو رانی ختم ہو جائے گی۔“

”اگر رانی ختم ہو جائے گی تو میں چلا جاؤں گا ورنہ بھی

نہیں جاؤں۔“

”اس جتنا تم چلے جاؤ ورنہ یہ لڑائی بھی ختم نہیں ہوگی۔“

اور محمد نے اپنے آفسر دل میں اشارے ہوئے کہا۔

شہنشاہ چہا نکیر تھے دونوں شہزادوں کو لانے کے لیے دن

بڑا سپاہ و روانہ کی گئی جو کچھ بھی تھی۔ دونوں کو اس سپاہ کے حوالے

کرتے ہوئے اس خیمہ کے قریب کے تمام بندوقیں ٹوٹ گئیں۔

نے اپنے خاندان کی زندگی بچانے کے لیے اپنے دو بیٹوں کو اپنے

ہاتھوں رکھتے کیا۔ یہی اس کی مجبوری تھی۔

بڑا جتنا جڑو

گل کا دوست آج کا دشمن تھا۔ نور جہاں نے مہابت خاں

کو ہاتھ سے دھالنے کے لیے اس کے گھر پر قبضہ کر لیا۔ چہا نکیر تو

نور جہاں کے ہاتھ میں تھیں۔ مہابت خاں غلاب شاہی کی زور

میں آگیا۔ اس سے جواب بھی ہوئی تو اس نے ہاتھ پیرا تو ہاتھ پیرا تو

کے ساتھ دشمنوں کو ہتھیار دے کر بے گناہ کر دیا۔ اب وہ ایک ہائی تھا۔

جب شاہی دستہ اس پر مار رہا تھا شہنشاہ کے ساتھ نور

جہاں بھی تھی۔ مہابت خاں نے دھوکے سے دونوں کو گرفتار کر لیا۔

آصف خاں نے کہا کہ ایک چلا گیا۔ وہ شہنشاہ کے ساتھ چند روز کے

بے گناہ کر لیا۔ نور جہاں بڑی چالاک عورت تھی۔ اس نے وہاں وہ

کواس کے خلاف ایسا منصوبہ بنا کر رکھا کہ آتے ہوئے راستے

میں نور جہاں اپنے شوہر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

ایک شہر کی فوج نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ میوڑ کے چاندیوں

میں چھپا ہوا تھا۔ قاتل قاتل کرنے لگا۔ اب خود قاتل کی ذرا میں تھا۔

حکومت کے خلاف مہابت خاں کی اس ناگہانی بغاوت پر

خرم کو چاہیے کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کو بطور بے گناہ و ہمد میں بھیج

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔ اس کی دعا کی۔

وہ لیکن ہمیں مغلی سلطنت کو نور جہاں کی تیر سے رہائی دلائی

ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر سے ہاتھ میں طاقت ہو۔

اس لیے میں نے بھی سوچا ہے کہ اپنے پر دادا حضرت ہمایوں کی

حضرت برہان جہاں اور انکی میں تختہ حاکم بنوں۔“

”میرے خرد ویرا کہ ہم نے اپنے شہزادے کو ایک ہل کے

لیے کوڑے پہاڑ میں کیا۔ اس آپ سے ایکسا تھا ہے کہ جب آپ

سے جدا ہوئے ہمارے اختیار میں نہ ہو تو ہمارے لیے ایک مقبرہ تیار

کیجیے جو ہماری محبت کی یادگار بن کر جب تک قائم رہے گا ہماری

یادگار بنے گا۔“

”ہم آپ سے عہد کرتے ہیں۔ اس اب چلنے کی

تیار دی کیجیے۔“

”نیموں کی برات پھر روانہ ہو گئی۔

یہ قافلہ ناگور کے راستے آگے بڑھا اور جوڑ چوہر

جسٹیس ہوئے ہوئے مندر کو چڑھا۔ عمر کوٹ پہنچا جہاں اس کا

دادا اکبر پیرا ہوا تھا۔

دونوں قافلے میں محمد زین ہوا۔

یہاں شہر یار کا بازار شریف الملک حاکم شہر ہونے کے

جوتے ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے جو خرم کو پڑا کر کے ایکسا تو شہر یار

کے پاس قاصد بولوا دیا۔ شہر یار لاہور میں تھا۔ اسے خود تو یہ

جسارت ہوئی نہیں کرتا گئے بڑھتا۔ اس نے شریف الملک کو لکھ

بھیجا کہ وہ خرم کا مقابلہ کرے۔ وہ پانچ ہزار سوار اور زمینداروں

کے بے شمار دیوڑے لے کر لشکر شاہ جہاں کے مقابل آگیا۔ وہ کاب

خرم میں اس دشت تھی چار سو سوار سے زور و فوجیں تھے لیکن مہابت

خاں جیسے بہادر سے لڑتے چلے آ رہے تھے۔ اس چاں ہادی سے

خبر کے کہ شریف الملک کھلے میدان میں ان سے مقابلہ کرنے لگا۔

حاصل ہار بیٹھا۔ پیچھے ہٹا اور قلعے میں خرم کا مقابلہ کرنے لگا۔

خرم نے اپنے قوسوں کو ہدایت کردی تھی کہ صرف خاص

کیا جائے قلعے پر بڑاؤ لے کر کوشش نہ کی جائے لیکن دلاوروں کو

میرزا دارا شہو نے یہ سوچے بغیر کہ اورنگ زیب خاں کا کام جانشین

نہیں ہے۔ وہ کھلے میدان میں قوس اور ایک گوری چوڑی پانی سے

لیبریز کھنڈی لگے میدان کے درمیان ہے میدان میں خرم سے

کھڑے تیر اندازی شروع کر دی۔ دوسری طرف سے جو تیروں کی

بارش ہوئی تو پھٹنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ بڑے بڑے منصب دار اور

امیر برہم راست حجوں کا لشکر بن کر ابھی تک ہدم ہو گئے۔

یہ اسکی شکست تھی جو اپنی اول ہوئی تھی لیکن اب بھی

شریف الملک قلعے میں چھپ رہا تھا۔ باہر بگڑنے کی ہرأت نہیں تھی۔

میرزا اب بھی جہادی تھا۔

لی۔ پھر اس کے لیے خوشخبری سے کھنکھناتی تھی۔ ابھی وہ اس خبر سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ مہاراجہ نے اس کی طرف سے دو سناٹے مراسلات آنے لگے۔ وہ انور جہاں اور چہاگیر سے بدظن ہو چکا تھا اور اب غم سے معاملات کے لئے کمرے کھول کر جہاں کے منصوبے خاک میں ملا دینا چاہتا تھا۔

غرم نے مہاراجہ کی سچیدگی سے بدلتے ہوئے ان حالات پر غور کیا۔ اس کا حریص پر دیر مانتے سے مت گیا تھا۔ خسرو پہلے ہی راجا جہاگیر کا تھا۔ شہر یا راجا جس کا عدم وجود پر ہر طرف سے آگاہ تھا۔ پھر آگاہی تو ایک لڑکا تھا۔ مہاراجہ خلیفہ سے قطعہ ہو گیا تھا۔ اب وہ بھی دوقی کا ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ حالات اس کے حق میں ہوتے جا رہے تھے۔ اب اسے ایران جا کر جنگ و دو کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے مختصر سفر کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مہاراجہ خلیفہ کو جواب دیا کہ وہ کون جاتا ہوں۔ قطعہ سے کوچ کیا۔ مقام اور پردہ کرتا ہوا تک پہنچ گیا۔ یہاں کا بیچا تو ایسی سخت گرمی نے اس کا استقبال کیا کہ جی اٹھ گیا تھا۔ کلام اللہ کی اجازت سے جہاں پہنچ گیا۔ ایک دن کشتی پر فتنہ چلا گیا۔ یہاں منبر جیسی سب سے نہایت خوش نما عمارتیں بنوائی گئیں۔ منبر جیسی کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ عمارتیں شاید غرم کا انتقال کر رہی تھیں۔ محبت کا یہ زوال جو غرم اور جہاں جیسی عمارتوں میں سے ایک میں لیا مہینے پر ہوا۔

مہاراجہ خلیفہ کا مطلب ہو کر آوارہ و سرگرداں پھر رہا تھا۔ جب اس کے غم کی کمر بولی تو اسے یقین ہو گیا کہ اپنی والدہ کی کے باوجود وہ اکبر ہے۔ اس کے ساتھ گئے رہے اسے وہ اپنے چہاگیر کی فوجوں کا ساتھ دے کر نکلیں کر سکتے۔ اگر لور جہاں نے ادا کی تو اس نے بھی اعتقاد سے کام نہیں لیا۔ اس کے دل سے انقلاب کی چمک اٹھی تھی لیکن وہ مجبور ہو گیا کہ بادشاہ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرے۔ اس نے ایک عرضداشت کے ذریعے بادشاہ سے معافی طلب کی اور پھر اسی عنوان کی کئی درخواستیں بادشاہ کے حضور روانہ کیں۔

"اگر خطا بخش ہوئی تو زندگی حضور میں آکر تسلیمات بجا لائے گا اور بدستور سابق شاہ جہاں کی ہم پر رفاقت جاری رکھے گا۔" چہاگیر اس کی بیادری کی قدر کرتا تھا۔ ہر چند کہ اس نے چہاگیر کو غم کر کے بھونڈا اپنے پاس تیار رکھا تھا لیکن اب وہ معافی کا طلب گار تھا۔ بادشاہ نے اس کی درخواست قبول کر لی۔ مہاراجہ خلیفہ نے اس میں حاضر ہوا اور اس کی معافی طلب کی۔ بادشاہ نے اس خیال سے کہ جب تک یہ منبر آگاہ بغاوت رہے گا غم و سادہ جہاں رہے گا۔ اس کی تعمیر کو معاف کر دیا۔

اس کا دل ابھی تک صاف نہیں تھا۔ اس نے تو صرف یہ یقین دہانی کرنے کے لیے معافی طلب کی تھی کہ اس کے قہار پھر فوج و لشکر کی جائے گی۔

مہاراجہ خلیفہ نہایت تجربہ کار امیر تھا۔ میدان جنگ کا جانی بھی تھا اور سیاست کے خاں خاں سے بھی واقف تھا۔ لور جہاں کی فتنہ پردازیاں کا شاسا بھی تھا۔ چہاگیر کے تمام چاشمین مختصر ہو چکے تھے۔ ایک کزور سا چرام شہر یا راجا کے کی دقت بھی اچھایا جاسکتا تھا۔ چہاگیر سے کوئی امید نہیں رہی جاسکتی تھی۔ امیدوں کا ایک ہی مرکز تھا اور وہ تھا شہاب الدین غرم شاہ جہاں۔ اسے برسرِ لڑائی اور مہاراجہ خلیفہ اپنے لیے ترقی کے راستے ہموار کر سکتا تھا۔

مہاراجہ خلیفہ کی طرف سے بے لگروانے کے بعد چہاگیر نے پیر و شکار کے لیے شہر کا رخ کیا۔ اس کی دوقی کمزوریاں جہاں شہر اور لور جہاں۔ اسے جب فرصت ملتی تھی شہر چھوڑ جاتا تھا۔ لور جہاں غم و اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ اس وقت بھی جگہ۔ اس سفر میں لور شہر یا راجا کو مل سکتا تھا۔

بادشاہ شہر کی طرف روانہ ہوا تو مہاراجہ خلیفہ کی جانب چل پڑا۔ وہ غم سے مراسلات کرتا رہا تھا اور اب تعلقات اس کی پرکھی گئے تھے کہ وہ اس سے ملاقات کر سکتا تھا۔

مہاراجہ خلیفہ لور و لور و لور کے ساتھ آیا تھا اور اس وقت غرم کی قیام گاہ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر غم و شرمندگی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ غم و شرمندگی اور کراہت پر سے دلایہ غم و شرم کے لیے کھلی ہوئی حالت تھی۔ مگر اس وقت ایک بدگفتاری سے لور و لور و لور تھا۔ ملاقات قلعے میں ضرور ہو رہی تھی لیکن خلیفہ نہیں تھی۔

"شہزادے، یاد ہے ہم آپ کے ساتھ مل کر سفر ہوئے تھے اور آپ کو لور و لور و لور تھا۔" "ہمیں تو یہ یاد ہے کہ آپ برسوں پہلے سے قہار تھے۔" "ہمیں تو یہ یاد ہے کہ آپ برسوں پہلے سے قہار تھے۔"

"میں مجبور تھے شہزادہ عالم۔" "اس وقت تو آپ چوری طرح آزاد تھے جب شہزادہ شہر میں چہاگیر سے بدستور سابق شاہ جہاں کی ہم پر رفاقت جاری رکھے گا۔" "اس سے اندازہ لگائیے کہ ہم کتنے مجبور تھے۔" مہاراجہ خلیفہ نے شہزادے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "اپنا کرتہ ہمارے لیے ضروری ہو گیا تھا۔ لور و لور جہاں عالمی تھی کے لیے تمام سامان کھل کر رکھی تھیں۔ ہم پر رشوت خوردی کے الزام لگائے جا رہے تھے، ہمیں ذلیل و خوار کیا جا رہا تھا۔"

کوئی اور نہیں صوفی سوپ جیسا

- ☆ سالانہ صوفی سوپ کی ایک ٹریپ 40 سے 50 پیسے ہوتی ہے
- ☆ صرف صوفی سوپ ہی اس سے مراد نہیں ہوتی
- ☆ صوفی سوپ کپڑوں کو ہر پارہ پیوستہ ہے
- ☆ صوفی سوپ ہاتھوں کی جلد کو نرم و ملائم رکھتی ہے
- ☆ صوفی سوپ کا کوشش کی مثال ہے
- ☆ صوفی سوپ میں پاؤں کے مقابلے میں کم خرچ اور زیادہ دقتی
- ☆ لور و لور جہاں کو آپ صوفی سوپ ہی پر رہتے ہیں
- ☆ کیونکہ ہر پہلو صوفی سوپ ہی میں ہوتا ہے

سوپل کو الٹی صوفی سوپ



تبدیل پاؤں و روت اور صاف ہونے سے پہلے

موقع کا دن آہٹایا۔ کنیزوں نے غسل دیا، پوشاک پہنائی۔ سر سے پاؤں تک ٹکڑو پہنا دی۔ کنیزوں کا ایک اور اہم رقعہ کا پردہ اٹھا کر ہڑا ہوا تھا۔ اور جند خانے اندر لے گیا۔ اندر موجود کنیزوں نے اس کے لباس کے ہر ذرے کا چھہ دھوئیں میں توڑا اور اسے اس کی لاشت گام تک لے گئیں۔ جادو ٹکڑا اس وقت بھی اپنے پلندہ پر سلیپ گھوڑے پر سوار تھا۔ اور گریب اور شیار بھی اپنے اپنے گھوڑوں پر تھے۔ لڑکیاں اب جند کے ساتھ رقعہ کے اندر تھیں۔ شاہی طریب اور ریت کی کئی قسمی کرد و رقص کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہے۔

اس نعل کوہ کے کریمیت سے تھوڑے آگہر کی یاد دہانی تھی۔
وہاں جہان کا پانی دریاؤں کو چھوٹا ہوا گزر رہا تھا اور یاد تازہ تھی سلاخی
ریتا ہوا آٹا تھا۔

اور احمد کے پھر کوئی اللہ ہونے والی تھی۔ آپ پاس
کنیزیں بھی موجود تھیں۔ شاہی طبیب بھی۔ وہ پلوں پر
بٹھے۔ اسے آگیتے کی طرح دکھ جہاں تھا لیکن قہر سے آگے
نہ نہٹھو تھا۔ خدمت گاہ عورتوں کا کچھ موجود تھا۔ شاہی طبیب

”جہاں بنا انکھیں ہیں؟“ اسی کی فضا بہت بھری آواز
 ابھری۔

”ہمیں کوئی بھیج دو۔ انہیں جلاؤ۔ ہم ان کی اہمیت کے بغیر رخصت نہیں ہو سکتے۔“

مکینزوں نے راستہ دیا۔ شاہ جہاں دیوانہ وار اشد زلفیں
ہوئے۔ مگر شاہ جہاں کے انتہا میں زندہ مکی اس نے مجھے ہی ایک

”تم آپ کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ انھیں بہت درد ہوا ہے۔ آپ سے اعازت و رکھ رکھاؤ ہے۔“

”آپ وعدہ کریں، ہمارے مقبرہ پر ضرور بخیر ہو جائیں گے۔“
 ”ہاں! ارجمند! یہاں مقبرہ کا حضورؐ کے لئے زمین پر نہ ہوگا۔“

پھر سب نے دیکھا کہ شاہ جہاں لگے، اذان مکرے سے

اللہ تعالیٰ اور ہمت کو بھیالو۔ ہم اپنی سعادۃ میں ہیں۔

وہ نیکو ہمارے ہیں اب وہ ہماری جگہ پر نہیں آسکتے
وہ نہیں آسکتا تھا۔ ہمیشہ ساتھ رہنے کے قصد کرنے والی اسکی

اس مرتبہ نور جہاں نے نکاحِ مجدد برائے سرائے کی پیش
استاءخت کے طور پر ہوا ان یوں میں دلچسپی لے کر رہا گیا۔

میں نے اس کے اس عالتے سے خوف آنے لگا۔ اس نے وہاں ہی کا

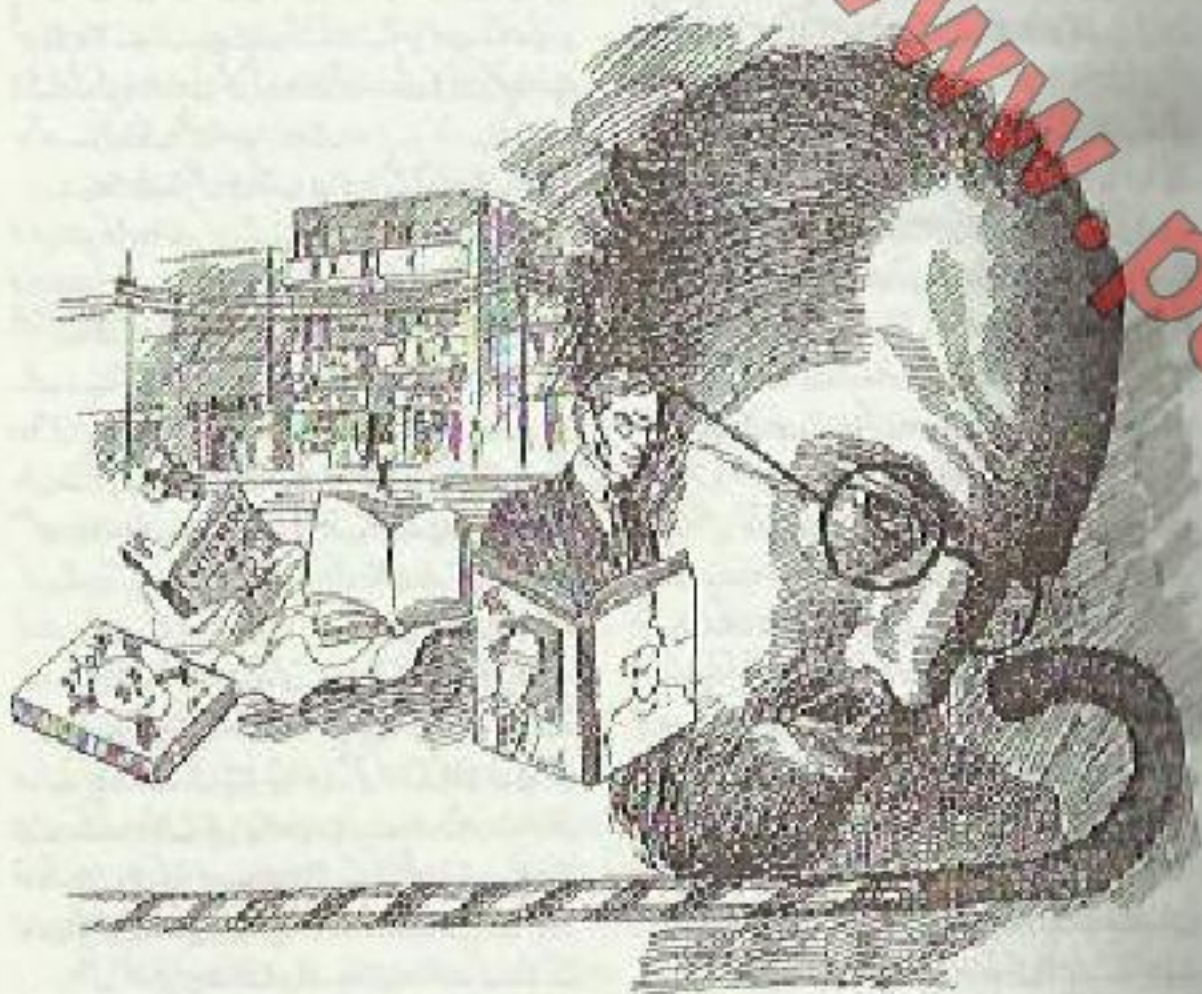
بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ تیس سال کی مدت میں ایسا ہو کر تعمیر کیا گیا جس کی حکمتاواروں نے نہ میں نہ نہیں۔

امام محمد صالح کنیوہ۔ لاریج شاہ جہاں

تحت إشراف

مقالہ مشہور ہے کہ... کوئی گمان ہے بالکل صحیح اور کوئی کہتا ہے باتوں میں... جس قدرتِ جہنم کے مخلوق جیسی روزی لکھ رہے ہیں وہی... ویسے ہی نہ سستے بچھ جاتے ہیں... خواہ کونسی کشی میں چھالا کی دیکھائے کسی مہ کسے موقوف کے ہاتھوں مات گمانی کہتا ہے۔ افسوس بھر کیا معلوم تھا کہ اس کا روزگار افسوس کیسی کیسی ٹوٹوں سے ملوانے کا؟

ایک مستقل شاخ کا تصور جسے اپنے کل کی کچھ خبر نہ تھی



ہوئے نکاتو اس نے بچھڑا کاروبار، عملی طور پر قطع کر دیا۔ میں اس فیصلے

مستقبل جاننے کے لیے آئی جے تھے۔ ہوں اس کی پانچوں

کئی سال پہلے کی بات ہے۔ وہ پیرس کے لوگوں میں آنے والی روز پوائے ایک منزلِ امت میں قائم متعدد دکانوں میں سے ایک دکان میں کراپہ دار تھا۔ یہاں کی دیاوہ تو دکانوں میں لوازمات اور قانون آرٹ کے نمونے فروخت کیے جاتے تھے۔ اہل کی دکان بھی لوازمات اور قانون آرٹ کے نمونوں کی فروخت کے حوالے سے معروف تھی۔ پیرس کی یہ دکانیاں کے لیے عجیب تھیں۔ یہاں دن بھر یہاں کی بھینڑیاں تھیں۔ دیاوہ تو غیر ملکی سیاحوں کی دلچسپی اور قانون آرٹ کے فن دانوں کی طرف متوجہ تھیں۔ پیرس تو ویسے بھی دنیا بھر میں فنکاروں کا مقصد تھا جاتا ہے ان لیے یہاں آنے والے سیاحوں کے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہوتی تھی کہ وہ اس شہر سے ان کا کوئی نمونہ اپنے ساتھ لے کر واپس وطن لوٹ رہے ہیں۔

اصل لغو سے استیصال ہوا تھا۔ یہ زیادہ محنت کرتے تھے
 بے سکون سے اپنے کروڑوں کی مادی کا اجڑا ہوا اسی لیے ان
 نے نوادرات اور قیمتی چیزوں کی دکان کھولی تھی۔ ان کی نظر میں یہ دکان
 بولی کی آرٹ گیلری دکھائی دیتی تھی۔ ایسے نوادرات اور
 ہر ذوق مصوروں کی بھائی بولی پینٹنگز آتی تھیں۔ بولی جب کہ بولی
 م آدمی تو انہیں خریدنے کا قصور بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کیا
 تھے۔ جب کہ شوق کا کوئی مول نہیں۔ جیسے خالی سی کیوں

ایک دن بھی ان بھائیوں کو یہاں سے اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ان کے ہاتھوں پر بھی ان دنوں بھائیوں کی جھڑپیں ہوتی تھیں۔ ان دنوں بھی ان کے ہاتھوں پر بھی ان دنوں بھائیوں کی جھڑپیں ہوتی تھیں۔ ان دنوں بھی ان کے ہاتھوں پر بھی ان دنوں بھائیوں کی جھڑپیں ہوتی تھیں۔

ایک خوش اخلاق اور مجھے سرج کماؤ کی کتاب ہے ایسے
لوگوں سے قطعاً کوئی اطمینان محسوس نہیں ہوتا کسی بھوکا
لوگوں کو بھرنا ہر تکلف اور کوشش سے بچنا اور
تھک کر مرنے والے بڑے ہاتھ والے کو کھانا پکانے والے ان
لوگوں سے کبھی بدھنہ کی ہے خوش فہمی آتا تھا۔ اس خوش اخلاق
ادب سے کبھی کہ شام کو جب وہ ان بھری کمانی کا حساب کتاب کرتا
یہ آدمی اپنی بولی کو اسے تفریح کی غرض سے ڈکان میں داخل
کئے والے اور بھوکے لوگوں کی بات دہرائی تھی۔

اس کے شب و روز نہایت سکون سے گزر رہے تھے۔ اس نے سمجھا کہ یہ کاوہار کا تفریق ہے اور وہ یہی کام کرتے ہوئے انہی کی گز اورے گا۔ اس کے اہم اہلکار میں بھی نہیں تھا کہ اس کی زندگی کے حوالے سے ہے آواز و شک سے رہی

میں بلند گ میں اس کی دکان تھی اس کا مالک مراد علی کا
عرب بڑا سنا تھا جو کئی دن ایوں پہلے ہجرت کر کے فرانس آیا اور
میں کا ہو کر رہ گیا۔ اس نے پانی پانی چوز کر یہ بلند گ بنائی اور

[illegible]

یہ صورتِ فلک کے نئے مالک کی پہلی بیڑی تھی۔ یہ بات
میں کو جان میں اس کے بھائی پرانے کے تین دن بعد پہنچی۔
اس کے فلک کے مرکزی حصے میں ایک دکان تھی۔ عرب، ملک
اس دکان کو غلام رکھ کر چھوڑا تھا۔ وہ بھی کھانا یہاں آتا۔ دکان
کی اسلامی سحرانی کھانا اور ہر کچھ وقت یہاں کھانے کے بعد

ایک دن دو پہر کے کھانے کے بعد اس کا چڑکی دکان چار
اس کے پاس آیا اور کافی پیتے ہوئے احوال سنانے لگا اس خالی
دکان میں کیا کیا کام ہوا ہے۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد اس نے
نے اس سے سوال کر دیا۔ ”وہ کیا کچھ آتی ہے؟“

”یہ ممکن ہے۔“ اہل خانہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”خدا سے
مالیہ داراً دلی کی عیسیٰ ہے۔ ہذا کان کو لے لی تو نہایت شان و شوکت
سے کھولے گی۔ وہ گا کہ کب کھولے گا ہر لیکن انتظام کرے گی۔“
”نہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی دکان کی چکا چند ہمارے
کاروبار کو متاثر کرنے کا سبب بن جائے۔“ دوا اپنے گاروبار پر اس
آل دکان کے ممکنہ اثرات سے پریشان تھا۔

اس دوران لیز کی دکان میں آرائش کام پر متور چاروی تھا۔ آخر کئی مہینے گزر گئے اور پھر ایک دن صبح جب ایلیس نے دکان کھولی تو ایک بوجھان خزاں کے پاس آیا۔ اس نے غور کو لیز کی دکان کا بیڑ میں کہہ کر متدارف کرایا اور شام چار بجے اسے دکان کی انتہائی غریب میں شرمست کی محبت دی۔

لیزہ کی دکان اچانک کے تین مرکز میں بھی اور اس کا رقبہ بھی
سرری دکانوں سے خاصا بڑا تھا۔ اس نے دکان کی آرائش میں
بھی نہایت لگاتار سے کام لیا تھا۔ یہ وہی دروازہ تھی جسے
تاجا گیا تھا۔ یہ ایک کراٹک گیٹ تھا جو قہموں کی آہٹ پر اپنے
آپ ہی کھس اور بند ہو جاتا تھا۔ لیزہ نے ایک ٹپ شاپ کھولی
تھی۔ اسٹیل ہی فیکس، ریزرگرو کے اور کئی دکان دار بھی یہ جگہ کمر
بہت خوش ہوئے تھے کہ اس نے نوادرات اور فائن آرٹس کے
خانے سمیت دکان کھولی ہے۔ اسی طرح اس کی دکان سے

ایکس پریوز شام چوہے اپنے مکان پر گھرے ہوئے تھے۔ جب در
 قریب سے دایکس آیا تو اس وقت بولے پوچھ گچھ ہو رہے تھے۔
 اسے اسوں نے لگا لگا کر اس قریب میں گیا۔ اسی در پر
 جانے لگے گا کہ وہاں موت گئے ہوں گے۔ وہ اسوں کو کہتے

اسی دوران کچھ اور وقت بیت گیا۔ کئی لڑکان دار گھرانے کا
 سہارا مقسوم کر کے اپنا کام دوبار یہاں سے بڑھا چکے تھے۔ آخر
 روز وقت بھی آ گیا کہ یہاں لو اور است اور فاقین گھر میں کی تمام لڑکانیں

انسانی شوق، خواہش اور فحش اخلاق تو تھا ہی۔ مگر اسے انسانی لطافت و کھینچ کا عنصر بھی آتا تھا۔ اس کی شخصیت کو کچھ کمر بھی مہربان ہو سکے گا تاثر ابھرتا تھا۔ نوادرات کے گامدور میں کئی برس گزارنے کے بعد وہ انسانی لطافت کو اور زیادہ اچھلکے

مرسلہ اختر شاہہ عرفیہ السلام

MEDICAM

FOR MEN

Smart Choice Every Day!

میڈی کیم

شیونگ کریم

جو جلد کے بالوں کو نیچے کی تہہ تک نرم کر دے
شیوہ بن جائے آسان اور آرام دہ



اپنی تحریری خدمات کے لئے میری وضاحت پیش کر رہا تھا۔
”یہ تو سراسر چالاکئی ہے۔“ انہی دانش کی بات سن کر جبران
ہو گیا تھا۔ ”اس معاہدے کی ذمہ داری تو تم صرف اپنے آپ کو ناکارہ
ہی بنا رہے ہو۔“

”اب ایسا بھی نہیں ہے۔“ جبران نے غصے سے جھنجھکاؤ سے
ہوئے کہا۔ ”میں جو کچھ تمہارے متعلق بتاؤں گا اگر وہ سو لیٹر کا
اور بالکل درست نہ ہو تو میں تمہاری فیس کوئی خوشی داپن کر دوں
گا لیکن اگر وہ مکمل طور پر درست اور سچ ہو تو پھر یہ میرا حق ہے کہ
تمہاری دی گئی فیس کے کٹواؤں اور اس میں سے تمہارے لاکھ بھانپنے
کے بارہواؤں کا ایک پائی بھی داپن نہ کروں۔“

”ہلو ٹیک ہے۔“ اس کی بات سن کر انہی ایک لمحے کے
لئے کچھ سوچتا رہا اور پھر سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ”تم یہ بات لکھو
کہ جو کچھ میرے ماضی سے متعلق بتاؤ گے اگر وہ سچ اور سو لیٹر کا
درست ثابت ہوا تو میں تم سے فیس واپس کرنے کا مطالبہ نہیں
کروں گا۔“

”مجھے تمہارے الفاظ پر یقین ہے مگر قانونی تقاضوں کو چھوڑ
کر لازمی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے انہی نے میز کی دراز کھولی اور
ایک ساوا ساوا کال کر اس پر فیس کی رقم لکھی۔ اپنے نام کے
اوپر دو خط لکھے۔ تاریخ، فیس اور معاہدے کو انہی کے سامنے
کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اس پر اپنا نام، پتہ لکھ کر دیکھو کر دوں۔“
انہی ایک بار پھر کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے معاہدے کی کاپی
اٹھالی۔ وہ کچھ دیر تک معاہدے کو پڑھتا رہا اور پھر اس نے لمبی
تک پڑھا پڑھا کر پتہ لکھ کر دو خط کیے اور اسے انہی کی طرف
بڑھا دیا۔

”بہت خوب۔۔۔۔۔“ انہی نے معاہدے کی دستاویز کو
واپس لے کر دیکھا۔ ”اب میری فیس ایک سو پانچ روپے کا لونا کہ کام
شروع کیا جائے۔“

”اوکے۔“ جبران نے جواب دیتے ہوئے انہی نے اپنے
کوٹ کے اندر کی جیب سے نواٹا اور سو پانچ روپے نکال کر اس کے
حوالے کیے۔ کوٹ لے کر سکاٹ لینڈ کی آنکھوں میں چمک دار
آئی۔ لی لی لی کے بعد وہ کسی گاہک سے نہیں وصول کر رہا تھا۔ اس
نے بے یقینی سے ہاتھ بڑھا کر پیسے وصول کیے۔ انہی گستاخ
ہاتھوں کی کاپی جیب سے ڈھانکا کر اس میں پیسے دیکھے اور پھر
معاہدے کو اٹھا کر پڑھتا رہا۔ ”شکریہ۔“

”اب تم کیا کرو گے؟“ انہی نے غصے سے پوچھا کہ
معاہدے سے پانچواں ہے اس لیے اب کام شروع ہوا ہے۔ ”کیا تم
مجھے پتا نہ کر گئے کسی قسم کے فرائض میں لو گے پانچ۔۔۔۔۔“ اس
نے اپنی بات جان بوجھ کر اچھوری پھونکی اور انہی کے چہرے

اور سامنے نہ گئی ہوئی کتاب پر نظر پڑ گیا۔
”کیا تم قسم کھا کر مجھے اس بات کا یقین دلانے کے ہو کر کسی
فرض کے ماضی کو پڑھ سکتے ہو۔“ کافی دیر تک انہی کچھ سوچتا رہا
اور پھر ہلکے سے ہونے کہنے لگا۔ اس کے چہرے سے جذبات
جھجک رہا تھا۔

”فرض یہ کہ میں ماضی کو پڑھ سکتا ہو بلکہ اس بات کی قسم
بھی اٹھا سکتا ہوں۔“ انہی کی پوری کوشش تھی کہ اس کا اظہار سچ کر
نہ جانے پائے۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس کی پروا بھی نہ کرتا
اور فوراً چلتا کر دیتا مگر کاروبار سخت مندی کا شکار تھا۔ انہی پر تصور
خاموش کھڑا رہا۔ اس کی خاموشی انہی کو کھل رہی تھی۔ ”تم یہ بات
میں تحریر میں اس بات کی ضمانت دینے کو بھی تیار ہوں۔“ انہی ہر
لمحے کوشش کر رہا تھا کہ وہ اپنی نہ جانے۔

”میں نے کبھی ہر کوئی ایسا بھی دیکھا ہے جو ضمانت دینے کو
تیار ہے۔ وہ بھی تحریری طور پر وہ تو کوئی بڑے سے بڑا اکثر اور
بہر نفسیات بھی کامیاب علاج کی ضمانت نہیں دیتا۔“ اس کے لیے
سے یہ بات نمایاں تھی کہ وہ اب بھی ٹھوس پراستاد کرنے میں
ہلکا ہاتھ کا شکار ہے۔

”اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ میں کوئی عام ٹھوس نہیں ہوں۔
مجھے اپنے علم پر کامل بھروسہ ہے۔“ انہی کی بات سن کر انہی
پراستاد اور ٹھوس لکھنے لگا۔ ”جہاں تک تحریری معاہدے
کی بات ہے تو میں تیار ہوں۔ اس معاہدے کے تحت صرف
میں ہی اپنے الفاظ کی تصدیق کا پابند ہوں، تم بھی اپنی بات کے
پابند ہو گے۔“ وہ دلی دلی میں سوچ رہا تھا کہ یہ انہی کس قسم کا
آئی ہے۔ آج تک کسی دوسرے گاہک نے اس کے ساتھ ایسی
سو سے بڑی بھی نہیں کی تھی۔

”میں نے کون سی بات کی ہے جو تم مجھے پابند کرنے
کا ذکر کر رہے ہو؟“ انہی نے حیرت سے سوال کیا۔

”اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ مجھ سے اپنے ماضی کے بارے
میں معلوم کرنے کے لیے آتے ہیں اور جب میں سب کچھ سچ
انہی بتا دیتا ہوں تو وہ بڑا مان چاہتے ہیں۔ کچھ تو شہرہ فیس میں
آجاتے ہیں اور کئی ایسے ہوتے ہیں جو ماضی ہو کر اپنی فیس
واپس لینے کے لیے مجھ پر دباؤ ڈالتے ہیں۔“ انہی نے انہی کو
بتا کر شروع کیا۔ وہ حیرت سے انہی کی باتیں سن رہا تھا۔ ”میں
معاہدے کی میں بات کر رہا ہوں آپ اس پر دو خط کریں گے۔
معاہدے میں لکھا ہوا ہے کہ اپنے ماضی کے بارے میں سب کچھ
جو کچھ بھی مجھ سے متاواہ آپ کے نزدیک کیا بھی رکھتا ہے اس
بات سے قطع نظر کسی صورت میں بھی مجھ سے فیس کی واپسی کا
مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔“ وہ نہایت غصے سے کاروباری لکھنے میں انہی کو

کو جس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ یہ بات جاننے کے لیے نہایت بے چارہ ہے کہ اس کی نگاہوں کو کھٹکائے کے لیے اس کے ساتھ کون سا طریقہ اختیار کرتا ہے۔

”تم نے جو کچھ اٹھانہ لگا یا ہے، مجھے ایسا کچھ کرنے کی ضرورت نہیں لگتی۔“ اس نے نہایت استغناء سے انہی کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں بتانا شروع کرتا ہوں کہ تم یہاں کس لیے آئے ہو۔“ وہ مسکرایا۔

یہ کہہ کر اسٹیل نے انہی کے تاثرات کا جائزہ لیا اور بولنا شروع کیا۔

”تمہارا نام مارک ایڈورڈ ہے۔ یہ بات معاہدے پر لکھی ہوئی ہے۔ اس لیے تم اتفاق کرو گے۔“ اسٹیل نے مسکراتے ہوئے کہا تو انہی نے اشارت میں سر ہلادیا۔ ”اب آگے سنو۔“ یہ کہہ کر اس نے بے لگانہ بولنا شروع کر دیا۔

”اس تو مارک ایڈورڈ تمہاری عمر جیسا نہیں برس ہے۔ وہ برس لکس تک تم کو پکڑنا پھر اسٹیل مردوں میں کام کرتے تھے۔ ایک دن تم ڈیوڈی وین میں جا رہے تھے۔ ڈیوڈی فور نیوٹک کے دوران کافی لمبا تھا۔ اچانک جھٹکا لگا اور گر کر مر گئی کاٹک اس کے اوپر گر گیا۔ اس گھر بہت میں وہ گاڑی پر قابو نہ کھدکا اور وین ایک اونٹ سے جا گرائی۔ اس سے لڑنے کے نتیجے میں تمہیں شدید زخم ہو گئے۔ زخم تو جلد ٹھیک ہو گئے مگر جو پوٹ زخموں پر لگی تھی، اس کی وجہ سے تم صغیر و گریڈ فائبریا تھی چھری کا شکار ہو گئے۔ اس سرخس کی وجہ سے تمہاری یادداشت پر بہت ہی بڑا اثر پڑا جس کی وجہ سے اب ہاتھیں طولی عرصے تک تمہاری یادداشت میں محفوظ نہیں رہ پائیں۔ اگرچہ اس حادثے کے بعد سے کوئی اور تشویش ناک واقعہ رونما نہیں ہوا لیکن اب تمہیں کر رہے ہو کہ تمہاری یادداشت غائب ہوتی جا رہی ہے۔ تمہیں اپنی تاریخ ویدائش، ایک قرن نہیں رہتی کہ یہ بھی یاد نہیں رہا پتا کہ تم کہاں کام کرتے تھے یا کرتے ہو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اب اکثر اوقات تم اپنا نام تک بھول جاتے ہو اور پھر بہت اید تک ذہن پر زور دینے کے بعد تمہیں اپنا نام یاد آتا ہے۔ اس بات سے تمہیں بہت پریشان کر رہا ہے اور تم کا دل اس سے اس مسئلے کو سنے کر اسے حل کرنا ہو کہ رات کو آرام سے سو گئی نہیں پاتے ہو۔“ یہ کہہ کر اسٹیل چند لمحوں کے لیے خاموش رہا اور وہ کہنے کے لیے بے اختیار دیکھنے لگا۔ وہ بات چہرہ لیے ہوئے اسے دیکھ کر جا رہا تھا۔ اس نے ساری گفتگو سننے کے باوجود اب تک کسی بھی قسم کے تاثرات کا ہر کرنے سے مکمل طور پر گریز کیا تھا۔

”ٹھیک ہے اب آگے لے سنو۔“ اسٹیل نے دوبارہ مارک کے ماضی کو کھٹکائے ہوئے بتانا شروع کیا۔ ”اس وقت جو صورت

حال تمہیں پریشان کیے ہوئے ہے، وہ مستقل کیفیت نہیں ہے۔ تمہاری یادداشت سے متعلق جو کچھ میں اوپر کہہ چکا ہوں، وہ یہاں روز نہیں ہوتا بلکہ سات سے دس دن کے عرصے میں صرف ایک بار ہی دہرایا ہوتا ہے۔ اس کیفیت کی وجہ سے تم اپنے صبر پر قید کی طرح بد ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو چکے ہو۔ جب تمہاری یادداشت ہفتہ دس دن میں کچھ دیر کے لیے بالکل ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت تم پر پہاڑی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ تم بے ہوش سے احرارے احرارے متعجب چکر لگاتے ہو۔ ایسے میں تمہاری نظر فریج پر پڑتی ہے جس کے دروازے پر تمہارے ہاتھ کی کسی ہوئی ایک پتھری تحریر چسپاں ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے کہ بیڈروم میں جاؤ۔ سیدھے ہاتھ کی دھار کے پیچھے خانے میں سلید رنگ کا ایک لفافہ رکھا ہوا ہے۔ اس میں تمہارے سارے سواگلوں کے جوابات موجود ہیں۔ یہ پڑھ کر تم بیڈروم میں نکلتے ہو۔ یہ دہائی سے لگاتار اٹھاتے ہو اور پھر اسے کھول کر احرارے سے ایک کاغذ یا ہر کاغذ سے ہوا اسے پڑھنا شروع کر دیتے ہو۔ یہ تمہارے ڈاکٹر کا کھانا خط ہے جس میں حادثے سے لے کر تمہاری چھری تک کی تمام تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ تم بے چینی سے اسے پڑھتے ہو لیکن اس پر چٹین نہیں کرتے۔ پھر تم اس لفافے کو پھونک مار کر پھلاتے ہو اور اس میں ہاتھ لگا کر پڑھتے ہو۔ وہیں تمہیں ایک اور کاغذ نظر آتا ہے۔ اس پر میڈیکل کی زبان میں تمہیں اپنے جسم کی تفصیلات درج ہیں۔ تم اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہو لیکن کچھ نہیں پاتے۔ پھر اچانک تم اسے ایک پتھر کی ہڈی کی صورت کرتے اور تمہارے دماغ میں نہیں آتا ہے کہ کوئی شخص تمہاری بیماری کے بجائے تم سے سنگین مذاق کر رہا ہے۔ یہ لوگ آتے ہی تمہارا ہر دماغ سے متعلق گمان ہے۔ تم ان کو دیکھتے ہو۔ سر پر ہینٹ رکھ کر اور ہاتھ میں چھری پکڑ کر صبر سے باہر نکلتے ہو۔ اس وقت تمہیں کسی ڈاکٹر یا کسی اور شخصیات کی خاموشی ہوتی ہے جو تمہیں اس مسئلے سے اجازت دے رکھے۔ جب اس پہاڑی کیفیت میں تم اپنے گھر سے باہر نکلتے ہو تو چہرہ ہلاک آگے جانے کے بعد ہمیشہ ایک ڈاکٹر یا کسی اور شخص پر مزبور ہوتے ہو۔ خود اس آگے پڑنے کے بعد تمہیں صبر سے ڈاکٹر کا ایڈ نظر آتا ہے۔ تم سوچتے ہو کہ ایک پولیس والے یا ڈاکٹر کے بجائے ایک عامل تمہارے مسئلے کو شاید حل کر دے گا۔ تم اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تم کھٹے ہو کہ تمہارے دماغ پر کسی بندوبست نے قبضہ کر لیا ہے۔ اس لیے تمہیں میرے پاس آنے کی ایک شہس وجہ مل جاتی ہے۔ تم چٹکاتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہو۔ مجھے ایک سو پاؤنڈ ڈاکٹر کرتے ہو اور اپنے ماضی کو جاننے کی کوشش کرتے ہو۔“ یہ کہہ کر اسٹیل خاموش ہو گیا۔ اس نے چھت کی طرف دیکھا۔ ایک گھری سانس لے اور اپنا

”میرا نہیں لگتا کہ تم نے مجھے سو پاؤنڈ ڈاکٹر کیے ہیں۔“ اسٹیل نے جواب دینا شروع کیا۔ ”اس سے پہلے میں تم سے صرف چالیس سو پاؤنڈ وصول کر رہا ہوں۔ اتنی رقم میں عام طور پر ہر گھنٹہ سے انورٹس لینا ہوں۔“ اسٹیل کے چہرے پر نہایت ہی عینارہ شکل ابھرتی تھی۔ ”اے تو میری بھرپور کوشش تھی کہ اس سے بھی زیادہ رقم تم سے لے لیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری کھتی نے تمہیں بھاری ادائیگی کی ہے اور تمہاری انشورنس رقم بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایسے مگر میں تم سے ہر بار ہزار پاؤنڈ بھی وصول کرتا ہوں۔ تمہارا تمہارا کیا ہے، اتنی ہی رقم دینے سے تمہارا کیا بگڑ جاتا۔۔۔ تمہیں بھی تو یہ دولت مفت میں مل رہی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے شیشے کے باہر بھاٹک سامنے سوک بالکل سناں پڑی تھی۔ ”اگلے ہفتے پڑی تھی۔“ یہیں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے فرانس میں رہنے کے باوجود ساری رقم برطانوی کرنسی میں وصول کی ہے۔ وہ اس لیے کہ اصل میں تو برطانیہ کے

”میرا نہیں لگتا کہ تم نے مجھے سو پاؤنڈ ڈاکٹر کیے ہیں۔“ اسٹیل نے جواب دینا شروع کیا۔ ”اس سے پہلے میں تم سے صرف چالیس سو پاؤنڈ وصول کر رہا ہوں۔ اتنی رقم میں عام طور پر ہر گھنٹہ سے انورٹس لینا ہوں۔“ اسٹیل کے چہرے پر نہایت ہی عینارہ شکل ابھرتی تھی۔ ”اے تو میری بھرپور کوشش تھی کہ اس سے بھی زیادہ رقم تم سے لے لیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری کھتی نے تمہیں بھاری ادائیگی کی ہے اور تمہاری انشورنس رقم بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایسے مگر میں تم سے ہر بار ہزار پاؤنڈ بھی وصول کرتا ہوں۔ تمہارا تمہارا کیا ہے، اتنی ہی رقم دینے سے تمہارا کیا بگڑ جاتا۔۔۔ تمہیں بھی تو یہ دولت مفت میں مل رہی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے شیشے کے باہر بھاٹک سامنے سوک بالکل سناں پڑی تھی۔ ”اگلے ہفتے پڑی تھی۔“ یہیں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے فرانس میں رہنے کے باوجود ساری رقم برطانوی کرنسی میں وصول کی ہے۔ وہ اس لیے کہ اصل میں تو برطانیہ کے

”میرا نہیں لگتا کہ تم نے مجھے سو پاؤنڈ ڈاکٹر کیے ہیں۔“ اسٹیل نے جواب دینا شروع کیا۔ ”اس سے پہلے میں تم سے صرف چالیس سو پاؤنڈ وصول کر رہا ہوں۔ اتنی رقم میں عام طور پر ہر گھنٹہ سے انورٹس لینا ہوں۔“ اسٹیل کے چہرے پر نہایت ہی عینارہ شکل ابھرتی تھی۔ ”اے تو میری بھرپور کوشش تھی کہ اس سے بھی زیادہ رقم تم سے لے لیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری کھتی نے تمہیں بھاری ادائیگی کی ہے اور تمہاری انشورنس رقم بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایسے مگر میں تم سے ہر بار ہزار پاؤنڈ بھی وصول کرتا ہوں۔ تمہارا تمہارا کیا ہے، اتنی ہی رقم دینے سے تمہارا کیا بگڑ جاتا۔۔۔ تمہیں بھی تو یہ دولت مفت میں مل رہی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے شیشے کے باہر بھاٹک سامنے سوک بالکل سناں پڑی تھی۔ ”اگلے ہفتے پڑی تھی۔“ یہیں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے فرانس میں رہنے کے باوجود ساری رقم برطانوی کرنسی میں وصول کی ہے۔ وہ اس لیے کہ اصل میں تو برطانیہ کے

فرح ناز کا شعری مجموعہ

خزاں میں پھول



کتاب کی شکل میں شائع ہو گیا ہے

میں نے لکھا:

فیس بک پر: 021-32763140

ایم ایس ایم: 042-37352265

ایس ایم ایس: 051-5531610

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63، فیز 11، سیکسٹیشن روڈ، ریسٹ ہاؤس، نزدیکی کورنگی روڈ، لاہور

فون: 35895313 فیکس: 35802551

قی رہے والے ہو اور جب تمہیں یاد آئے اور انہوں نے کہیں
 ادا کر دی تھیں تو اس وقت تم نے رقم پر غلطی پاؤ تو ز میں لگا
 کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ تمہارا خیال تھا کہ وہ اس وقت لوٹ جاؤ
 گے مگر اب تم وہاں کی فیصلہ دہی نہیں کر پا رہے ہو۔ کیوں ہو
 قریب ب۔ میں۔ چلے جاؤ برطانیہ۔ اس نے اپنا چہرہ اس کے
 قریب کرتے ہوئے کہا یہت دھکے لگے میں کہا۔ اٹھل پرستو کہے
 چہرہ تھا اور وہ خاموشی سے اس کی بات من رہا تھا۔ اس کے
 چہرے پر ایک تنک آ رہا اور دوسرا چہرہ تھا۔ ویسے میرا خیال ہے
 کہ تم میرے وعدہ کا ایک اور جس نے مجھے سب سے زیادہ فائدہ
 پہنچایا ہے۔ ویسے بھی جو رقم میں نے تم سے لی ہے تمہارے
 بڑا ایک تو اس کی کوئی شہیت نہیں البتہ میرے لیے وہ بڑی اہمیت
 رکھتی ہے۔ اٹھل چاہتا تھا کہ مارک بے ضرر آوی ہے اس لیے وہ
 بے آگاہ ہو لے چلا جا رہا تھا۔

”تم میرے عیار اور بدعاش ہو۔“ اپنا تنک مارک غصے
 میں کہنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

”ہاں۔۔۔ میں یہ سب کچھ ہوں۔ تم بالکل شیک کہہ رہے
 ہو۔“ اٹھل نے اس کے غصے کی پردا کے بغیر نہایت سکون سے
 جواب دیا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم اگلے نئے ٹھکانے کے تو کیا یہ بہتر
 نہیں ہے کہ اگلی بار کی نہیں بھی تم مجھے اڑاؤ نہیں دی دے جاؤ۔“
 اٹھل کی باتوں سے لگہ ہاتھ کہ اسے مارک کے غصے کی بالکل بھی
 پروا نہ تھی۔

”تم کہتے ہو۔“ مارک شدید غصے میں تھا۔ ”میں فیصلہ نہیں
 کر پا رہا ہوں کہ میں کون کون کروں یا۔۔۔۔۔“

”تم ہمیشہ ہی خالی الذہن رہتے ہو۔ ویسے بھی تمہارا تاریخ
 اس قدر ختم رہا کہ کوئی فیصلہ کر سکو۔ اس لیے کسی ایک بات پر غور
 نہ کرو تو بہتر ہے کہ میں نہیں تمہیں اپنے و مارک کی مدد کی ضرورت
 پڑتی ہو۔“ اٹھل کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ برقرار تھی۔

اس کی باتوں سے مارک امدادی اندھکھول رہا تھا۔ غصے سے اس کا
 جوا حل ہو رہا تھا۔ ”ویسے تم پولیس کو فون کرنے کا شوق پورا کرو۔
 میں نے یہ معاہدہ خاص طور پر تمہارے لیے ہی تحریر کیا ہے۔
 معاہدے پر تمہارے دستخط ہیں جس سے تم انکار نہیں کر سکتے ہو اور
 وہی پولیس تو وہ اس معاہدے کے باعث میرا کچھ بھی نہیں پاؤ
 سکتی۔ ایسے تم چاہو تو پولیس کو فون کر سکتے ہو۔“ یہ کہتے ہوئے
 اٹھل نے فون اس کی طرف کھسکا دیا لیکن مارک نے فون نہیں
 اٹھایا بلکہ کرسی کی پشت سے سر لگا دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بڑی
 طرح تھک چکا ہے۔

کافی دیر تک مارک کرسی سے سر لگائے بیٹھا وہاں بکھرا
 سیدھا اور چند لمحوں کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھل خود سے اس کا

جان کر لے رہا تھا۔ کھڑے ہونے کے بعد اس نے اپنا سر پہلے
 دائیں اور پھر بائیں جانب موڑا۔ اس کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھا
 اس نے اس بات کی بالکل طرح قائل کر لی تھی کہ ان دونوں کے
 کمرے میں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہے۔

”میرا خیال ہے کہ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ بہتر ہے کہ
 آپ حریف نے جائیں تاکہ میں بھی دفتر بند کر سکوں۔“ مارک
 کہنے لے ہوئے دیکھ کر اٹھل نے کہا۔ ”تم اس کی جیب میں آبی
 ہو چکی ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد یہ مصیبت بھی رفع ہوتا کہ وہ
 پھر جا کر اس نئے کا شاندار ٹرانزیکشن۔“

”میں اب اس جادو ہوں لیکن اپنے کمرے میں رکتی کے
 پاس۔“ اس نے نہایت سکون سے جواب دیا۔

”شوق سے جا رہے۔ میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا
 کہ اگر وہ چاہے تو پولیس کو بھی فون کر دے۔“ اٹھل نے شاطر
 لگا ہوں سے لکھتے ہوئے کہا۔

”تم شیک کہتے ہو۔ مجھے بالکل ہی سے متعلق تم نے جو کچھ دیا
 وہ بالکل درست تھا۔۔۔۔۔“

”وہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔“ اٹھل نے قلع گواہی کرتے
 ہوئے کہا۔ مارک کی بھی سوئی بات پر اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

”پہلے پوری بات تو سن لو۔“

”اچھا تو سناؤ مگر جلدی۔“ اٹھل نے گھڑی پر نظر ڈالتے
 ہوئے کہا۔ ”تمہاری وجہ سے میں پہلے ہی کافی عرصے ہو چکا
 ہوں۔“

”کوئی بات نہیں، اس طرح تو ہوا ہے اس طرح کے
 کاموں میں۔“ اس بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھٹک رہی
 تھی۔ ”بات یہ ہے کہ ٹرانزیکشن کے بعد اس میں لے جو رقم خرچ
 کی ہے اس میں سے کچھ بھی تم نہیں لے سکتے۔ جس کے بارے میں
 کچھ یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ میں نے کہاں خرچ کی ہوگی۔ آخر یہ
 مسئلہ بھی حل ہو گیا اور یہ مسئلہ بھی کیا اس نے۔“ مارک نے پھڑکی
 لہراتے ہوئے کہا۔ ”یہ سن کر اٹھل کو ایک جھٹکا لگا۔“ بات یہ ہے
 اٹھل تو ہی۔۔۔۔۔ جب مجھ پر یہ راز کھلا کہ وہ رقم تم مجھ سے اپنے
 رہے وہ وہ مجھ پر سخت غصہ آیا اور وہ رقم میں نے تم سے وصول
 کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”معاہدے کی ذرا سے تم مجھ سے ایک ہائی بھی نہیں لے
 سکتے۔“ اٹھل نے لگ بھگ چلاتے ہوئے کہا۔ ”یہ بات تم انہیں
 طرح جانتے ہو۔ بہتر ہوگا کہ آج کچھ یہ بات سنی زبان پر نہ آئے۔“

”تم شیک کہتے ہو لیکن اس معاہدے پر میں نے اس وقت
 دستخط کیے تھے جب میری یادداشت غائب ہو چکی تھی۔ ویسے
 تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں آج بالکل شیک ہوں۔“

سوال

ایک رات کی دوپہن نے ناشتے کی میز
 پر شہر سے کہا۔ ”میں یقیناً یقیناً ہے کہ میں اپنی مرضی
 ادا کروں جس سے تم نے محبت کی ہے۔“

”ہاں تو اگلے! شو میرے کس کی
 آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

”اور تمہیں یہ بھی یقین ہے کہ میں تمہاری
 بات کا یقین کر لوں گی؟“ پھر ہی نے فون پر دوسرا
 سوال کیا۔

سوچا کہ۔

مارک بچھے تین ماہ کے دوران اس کے پاس تیرہ بار آیا تھا۔
 یوں اس نے اس سے اس بار سوچی پاؤ تو ز میں لگے۔ اٹھل
 سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے مقدمہ کر دیا جیسا کہ وہ کرنا چاہتا ہے تو
 پھر وہ کل مجھ سے لگ بھگ پانچ سو پانچ سو کے برابر ہو چکی تھیں لے
 گا اور ہر پیش پر نہیں ملے ہوگی۔ اتنا تو اس نے مارک سے کہا
 نہیں جتنا وہ کل پر خرچ ہوا ہے گا اور اگر اس کا دعویٰ کامیاب
 ہو گیا تو اس نے بھی میں کو کتنا خسارہ کھانا جتنا وہ اس سے ایک ہفتے
 میں وصول کر لے گا۔ وہ کافی دیر تک ساری صورت حال پر غور کرتا
 رہا اور آخر ایک نتیجہ پر پہنچ گیا۔

فیصلہ کرنے کے بعد وہ اٹھا اور کمرے کے سارے اہل
 روٹن کر دیے۔ اس سے پہلے کمرے میں ایک ساٹھا آبی روٹن بھی
 تھیں۔ اٹھل بھی۔ وہ نہایت غور سے ہر چیز کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا
 تھا کہ یہاں ہو جوتا کسی کوئی چیز ہے قصہ واسطے ساتھ لے جانا
 چاہے گا۔ وہ کافی دیر تک کمرے میں موجود چیزوں کا جائزہ لیتا رہا
 اور ان کی قیمت کا اندازہ کرتا رہا۔

لگ بھگ ایک گھنٹے کے بعد وہ دفتر سے باہر نکلا۔ اس کی
 بغل میں گتے کا ایک دو مپا لے سائیکل کا ڈبہ لگا ہوا تھا۔ اس ڈبے
 میں وہ سامان تھا جو اس نے اپنا دفتر بیٹھ بیٹھ کے لیے بند کرتے
 ہوئے ساتھ لے لیا تھا۔ اس ڈبے میں چند فرائیڈز، دو تین
 چھوٹے چھوٹے نوادرات اور اس کے راجا کا خریدنا ہوا وال کلاک
 تھا۔ ان چیزوں میں نوادرات فروخت کرنے والے ایجنٹوں کے
 پتے اور فون نمبرز درج تھے۔

باہر نکل کر اس نے اڑا کر دیکھا۔ خاصا اندھیرا ہو چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

JASOOSI DIGEST PUBLICATIONS

Convey Your Message to
Millions of Our Readers,
World Wide
Through



JASOOSI DIGEST SUSPENSE DIGEST MONTHLY PARIZA MONTHLY SARGUZASH

K3C, PHASE II EXTN., DHA-3, MAIN KORANGI ROAD, KARACHI-75500-PAKISTAN.

PHONES: (92-21) 35802142-35804200-35898343 FAX: (92-21) 5802834

Email: jdggroup@hotmail.com

لوہیں میرا دل ہی جاتا ہے کہ میری پرورش کیا تھی۔ میں نے
بال کی طرح لڑھکنا پھر رہا تھا۔ وہ لوگ مجھے گالیاں دے
رہے تھے اور میں تھیل والے بابا کو گالیاں دے رہا تھا۔

بہر حال، جب انہوں نے یہ سوچ کر مجھے چھوڑا کہ
میں اب شاید انکو ہی نہ کر جاؤں تو اس وقت تک میری
حالت اتنی خیر ہو چکی تھی کہ مجھ سے چھوٹی نہیں جا رہا تھا۔

میں نے قسمت بنانے کے لیے دھڑلے کا چکر چلایا تو
اور پہلے مرحلے میں قسمت شراب کر دی گئی تھی۔ بہر حال
وہ دنوں تک گھر میں پڑا ہائے ہائے کرتا رہا۔ تیسرے دن
تھیل والے بابا کے پاس حاضر ہو گیا۔

”بابا۔ آپ کے دھڑلے سے تو مجھے ہر پاد کر کے رکھ
دیا۔“ میں نے کہا۔

بابا نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ میری بات ہی
نہیں سن رہے تھے۔ ”بابا! آپ میری بات تو نہیں سنیں۔ میرا
حال تو دیکھیں۔ مجھ پر کیا کر دی ہے؟“

”بے وقوف، جب تجھے یہ بتایا جا چکا ہے کہ میں ہر
ملاقات کے بعد درو پے لے رہا ہوں تو پھر بغیر پٹے یہ اپنی
داستان کیوں سنارہا ہے۔“

”بابا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔“ میں بہتا کر بولا۔
”کم از کم سن تو ہیں۔“

”ہزاروں روپوں کے بغیر کچھ نہیں سنا۔“ بابا نے کہا۔
”میری نہیں لے کر آ۔ پھر کچھ سن تجھے سب سے پہلے کیا لگتا
ہوں۔“

جیسب آیا تھا۔ چونکہ مجھے ہر حال میں اپنی داستان
سن کر اس سے مزید مشورہ لینا تھا۔ اس لیے اس کی طرح
ہزاروں روپے کا بندہ دست کر کے اس کے پاس پہنچ گیا۔

اس دن بابا نے مجھ پر بہت توجہ دی تھی۔ ”اگر سے چنا۔
کیا ہوا ہے تجھ سے؟“ یہ بات کے لٹاٹات کیسے لگا رہا۔ گویا
میں سے کچھ ہو گیا تھا۔ اوہو۔ تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں
بتایا تھا؟

بابا کی مکاری پر میں ان کے غصے کی طرف مڑ گیا لیکن
ایک تو فرار رو پے دے چکا تھا۔ پھر اس سے مزید مشورہ
میں لیتے تھے۔ اس لیے میں نے بابا کو اب تک کی ساری
داستان سنا دی۔

”اوہو۔ یہ تو بہت برا ہوا۔“ بابا نے کہا۔ ”غیر۔ کوئی
بات نہیں۔ تم کوئی اور تہیہ سوچو۔“

”نہیں بابا۔ اب بارگھالے کی است نہیں ہے۔ آپ
کوئی اور طریقہ بتا دیں۔“

گھر کی طرف اشارہ کیا۔

”سات سال ہو گئے ہیں۔“

”رواں بنا ہم کی ترقی کیا؟“ اس نے گھر میں رہتی تھی ہا۔
”ہاں گی۔“ اس نے اپنی گردن ہلائی۔ ”وہ ہے
چاہی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس گھر میں اس کے ماں
باپ اور بھائی نہیں رہتے ہیں۔“

”شام ش۔ اب یہ بتا کیوں اس نے کسی سے محبت کی
تھی؟“

”لو جی! یہ کیا پوچھتا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”اس
بہ نصیب نے اسی محبت کے لیے نور ہر کھ لیا تھا۔“

میرا کام سن گیا تھا۔ جو معلوم کرنا تھا وہ معلوم ہو گیا
تھا۔ میں اس کا شکر یہ ادا کر کے آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کم
بخت نے اپنا تک میرا ہاتھ تمام لپ اور شور کرنے لگی۔ ”ارے
دوڑیں۔ ممتاز صاحب! جلدی آگیں۔ پکڑا گیا۔ جلدی
آگیں۔ پکڑا گیا۔“

میں پکھٹا کر رہ گیا۔ میں نے ہاتھ پھڑپھڑانے کی کوشش
کی لیکن وہ تو کسی آنکھوں کی طرح مجھ سے چٹ گئی تھی۔ اس
گھر سے کئی لوگ نکل آئے تھے۔ اس کی آواز پکار سن کر کچھ
اور لوگ بھی آگئے تھے۔

”کیا ہوا سرین۔ کون ہے یہ؟“ کسی نے پوچھا۔
”یہ وہی مرد ہے صاحب جی۔ جس کی وجہ سے جانی
نے اپنی جان دی ہے۔“

یہ ایک ہی آواز تھی۔ میں پکھٹ گیا۔ ”اے نہیں
بھائیو۔ میں تو مرنے والی کو جانتا ہی نہیں تھا۔“

”صاحب۔ یہ جانی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔
محبت کی بات کر رہا تھا۔“ ملازم نے بتایا۔

اب دو تین آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ ”کم بخت
تیری وجہ سے ہماری روزینہ کی جان ہو گئی۔ ہم تجھے نہیں
چھوڑیں گے۔“ تو نے اسی لیے نہ تو اپنی تصویر بھیجی اور نہ ہی
اس بد نصیب سے بھی ملاقات کی۔ صرف سوہاگل پر بات کرنا
رہا اور وہ بولتی تجھے اپنا کھینے کی گئی۔ ہا! تیری یہ وفا کی پر
اس نے خود کشی کر لی۔“

”دیکھیں، آپ لوگوں کو لگا نہیں ہو رہی ہے۔ اس
عاشق نے کم از کم اپنا موتو بچا ہوا۔“

”یہ بھی تیری چالاکی تھی۔ تو اپنے آپ کو کم نام نہ لگ
کہا کرتا تھا۔ تیری م نامی تو آج ختم ہو گئی۔“ چلا ہوا خود
ادھر چلا آیا۔“

اس کے بعد ان سب نے من کر جو مجھے دنا شراب کیا

"تو بھر کچھ دنوں کے بعد پھر آؤ۔" بابا نے کہا۔ "میں وہی چار کر کے رکھتا ہوں۔ رہے میں پھر بتا رہا ہوں کہ اگر ترقی کرنا ہو تو سوچ سے لاکھ لاکھ لو۔"

"یہ بات آپ پہلے بھی کہہ چکے ہیں میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"اچھا یہ بتاؤ۔ تم نے اب تک میری کتنی کلمات دیکھی ہیں۔" بابا نے پوچھا۔

"میں نے تو کچھ نہیں دیکھا۔"

"دیکھا ہے، تم نے ہر سوں سیم کے درخت کو مجھ سے دیکھا کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا؟"

"نہا کا خوف کریں بابا۔ درخت آپ سے کیسے ہاتھ کرے گا۔"

"بے خوف، ابھی تو میں جسیں ترقی کرنے کا چاہتا ہوں وہ رہا ہوں۔" بابا نے کہا۔ "پانچ سو روپے روزانہ کے اور کھانا پینا لگ۔ رہا کس کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"کچھ کیا بابا۔ یعنی آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی پابندی کروں اور آپ نے مجھے پانچ سو روپے روز پر ایک کام کے لیے رکھ لیا ہے۔"

"ہاں! بابا مسکرا رہے۔" پینا ایسا زور سے پرو پیگنڈ سے کہ ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپے مرشد کی دعاؤں سے میں بہت بڑا بزرگ ہو گیا ہوں لیکن میری بزرگی کو بھی بدنامی چاہیے۔ تم مجھے ایک معقول اور شریف آدمی دکھائی دیے۔ اسی لیے تمہیں یہ پیشکش کر رہا ہوں۔ ورنہ اس کام کے لیے اور بھی لوگ مل سکتے ہیں۔"

"اب آپ کو کسی اور کی ضرورت نہیں ہوتی چاہیے۔ میں دیکھتا ہوں پارسے شے کو سنبھال لوں گا۔" میں نے کہا۔

"لیکن کام شروع کرنے سے پہلے میری کچھ شرائط ہیں۔"

"چلو وہ بھی بتاؤ۔"

"پہلی شرط تو یہی ہے کہ آپ نے مجھ سے جو تین ہزار روپے منگوائے ہیں۔ وہ ابھی کرویں تاکہ میں ان لوگوں کو لوٹا دوں۔ جن سے مانگ کر لایا تھا۔"

"چلو ان فی شرط۔" بابا نے کہا۔ "اب دوسری شرط۔"

"دوسری شرط یہ ہے کہ میری عزت کی ہائے گی کیونکہ میرا اور آپ کے بعد ہوگا۔"

"وہ تو ابھی جائے گا کیونکہ تم یہاں میرے ساتھ رہا کرو گے۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری کچھ شے لکھا ہوگا کہ ترقی کرنے کے لیے مولے سے لاکھ لاکھ لاکھ لیا جائے۔"

"جی بابا اب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اور میں اب کوئی سوچ باقی نہیں چھوڑتا۔"

"اب یہ بتاؤ سیم کے درخت نے مجھ سے ہاتھ کی نہیں پائیں۔"

"بابا! صرف ہاتھ نہیں۔ میں نے تو اسے آپ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔"

"نہیں۔ یہ زیادہ ہو جائے گا۔ فی الحال تم صرف ان لوگوں تک رکھنا اور یہ لوگ اپنے گھر بڑا اور پانچ سو روپے اپنے دامن کے طور پر۔"

"شکریہ بابا! شکریہ۔ آپ نے تو میرے مسائل حل کر دیے۔"

"میں نے اس دن سے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ میرے پاس تھا کہ میں دوسرے دن اپنا یورپا ستر کے کر بایا کے مکان میں شفٹ ہو جاؤں گا۔"

"میں نے جب اپنے دوستوں کو یہ خبر سنی تو وہ حیران رہ گئے تھے۔" اور بھائی اکیلا دیکھ لیا تم نے نہیں دالے بابا میں کہ اس کے در پر سیر کرنے والے ہوں۔"

"یہ سب بچہ بچہ۔" میں نے غوری طور پر اپنا کام شروع کر دیا۔ "میں ان کے ساتھ ساتھ میرا تک ہوا ہوں۔"

"کیا یہ کیا کہو اس کر رہے ہو۔" ساہیو بھائی نے کہا۔

"میں تو وہ رہا ہے۔ جو میں تم لوگوں پر ظاہر کر رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "حالا کہ بابا نے مجھے لکھا کہ وہ بات کہ میں کسی سے کچھ نہ کہوں۔ پھر رہے وہ مجھے بابا کی بات ماننی چاہیے۔"

"نہیں بابا، جب میں نے اس کی بڑے ہوتے پوری بات بھی بتاؤ۔" دوستوں نے اسرار شروع کر دیا۔

"بابا، اب بعد میں میرے ہوتے بتاؤ ہوں۔ ایک رات مجھے اندھیر میں ہاتھ پاؤں جانا پڑ گیا۔ جیسے کا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن بابا وہاں نہیں تھے۔ میں وہیں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً اس وقت کے بعد بابا چائیک ٹیو ہوا ہو گئے۔ مجھے دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور حیران بھی۔"

"کیوں آئے ہو اس وقت۔" جانتے نہیں یہ میری عبادت کا وقت ہے؟"

"بابا ایک ایسا بھلی ہے۔"

"میں نے اپنے آئے کا مفہود بیان کر دیا۔ بابا نے کہا۔" چلوں لیا۔ اب کل آ جانا۔ اس وقت تو میں جا رہا ہوں۔"

"کہاں جا رہے ہیں بابا؟"

"عبادت کرنے۔ میں چلا گیا تھا لیکن وہاں جا کر یاد آ رہا تھا کہ میں اب بھول گیا ہوں۔ اس اس کو لینے آیا تھا۔"

"بابا! اب آپ عبادت فرماتے ہیں وہ مقام تو بہت دور ہے۔ وہاں میں آپ کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ سکتا ہوں۔ پھر وہاں جاؤں گا۔"

"بے خوف تو وہاں پہنچ کر خود سے وہاں نہیں آ سکتا۔"

"نہیں۔ یہ دور ہے۔"

"ساہیو بھائی ہے۔" بابا نے بتایا۔

"ساہیو بھائی! میں یہ سن کر فحش ہو گیا۔ کتا ہر ہے کس کو اس کا حکم تھا؟ میں بھائی اس پر فحش تھا کہ بابا جلال میں اس کے ہاتھوں نے میرا ہاتھ تمام لیا اور گرج کر بولے کہ میں نے تمہیں بند کر لیا اور دوسرے دن وہاں میں ساہیو بھائی تھا بابا کے ساتھ کیا بتاؤں دوستو۔ اس وقت میری کو کیفیت ہو رہی تھی۔ چاروں طرف برف لی ہوئی تھی۔ میں آہی بھئی سوچتا ہوں تو دل کی حالت عجیب ہوتی ہے۔"

"لیکن وہ اتنی دور جا کر کیوں عبادت کرتے ہیں؟"

"ابن کے بابا۔"

"ابن کے ایک برقی خاں میں بابا نے اپنا جھروٹا رکھا ہے۔" میں نے بتایا۔ "جب وہ وہاں چلتے ہیں تو اس کے لیے شہر برفانی رہتے ہیں اور ساہیو بھائی کے دوسرے چانور۔"

"ابن آ کر بابا کے ساتھ عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔"

"سب اس حکایت پر اس اٹھ کر نے لگے۔ بابا کی بات کی بکلی کی ابتداء میں میں نے زوردار انداز میں کی تھی۔"

"اس کے بعد میں اپنا یورپا ستر لے کر بابا کے مکان میں شفٹ ہو گیا۔"

"میں نے اپنا کام بہت خوبی سے کرنا شروع کر دیا تھا۔ بابا کے بارے میں ابھی ایسی باتیں کرتا کہ لوگ حیران رہ جاتے۔ بابا میری کاد کر دے سے بہت خوش تھے کیونکہ ان کے عقیدے مندوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔"

"بابا نے بتائے پانچ سو کے مجھے سات سو روپے روزانہ اپنے شروع کر دیے تھے۔ میرے حالات تیزی سے اور بڑے ہمارے تھے۔ میں نے رات رات اپنے پرانے اعداد و شمار اور کر رہے تھے۔"

"میں نے بابا کے کہنے پر ابھی ابھی لکھی رکھی تھی۔"

یوم آزادی

"یوم آزادی دن سے متعلق ایک بات اور ہے۔ اس موقع پر چند روز پہلے سے انگلیں سرخ ہو جاتی ہیں جن میں کہا جاتا ہے۔"

"یوم آزادی شایان شان طور پر منایا جائے۔"

"جھنڈیوں اور پرچموں سے اپنے مکان اور کمان میں سجائیں۔"

"پاکستانی پرچموں سے ہزار سجائیں۔"

"میری قوم کو اس پر سرت موقع پر بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔"

"میں ان دن پر کچھ لوگوں کو دکھایا جاتا ہے جن میں زیادہ تر بچے ہوتے ہیں۔ شاید یہ بچے و نون والوں کے ذہن میں ہو کہ یوم آزادی کھنڈ کھنڈ کا سوچ ہے۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے، میں یوں کروں گا اور کوئی کہتا ہے کہ میں ہوں کروں گا۔ اسی طرح ریت پر بھی انگلیں کی جاتی ہیں اور انجمنیات میں بھی عیالات چیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں واقعی لوگ گھروں، مکانات، دکانوں اور بازاروں میں پاکستانی پرچم کی جھنڈیاں لہرا کر خوشیاں مناتے ہیں۔ یہ

بہار 14 اگست کو دیکھنے والی ہوتی ہے مگر اس کے دوسرے روز سے جھنڈیوں کی فضا میں چھپے ہوئے ان قومی پرچموں کا جو منظر دیکھنے میں آتا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ کاش انگلیں کرنے والے کچھ اس کے بارے میں بھی ذکر فرما دیا کریں۔ سڑکوں کے فٹ پاتھوں پر گلیوں اور مایوس میں جن طرح پریم والی ان جھنڈیوں کی توفیر ہوتی ہے اسے دیکھ کر شرم سے سر جھک جاتا ہے۔"

انجمنیات، سرخ، سفید، سیاہ اور سفید عقل

73

72

72

بابا کو یہ کہنا تھا کہ چونکہ میں ان کا خاص خلیفہ ہوں۔ اسی لیے میرے پیروں پر قوم برستا چاہیے اور قوم کے لیے ایک خاص قسم کی کریم کے علاوہ اور کسی بھی ضروری شے۔ اسی لیے میں نے راز کو بھی رکھ لی تھی۔

بابا کے آستانے پر مجھے دنیا بھر کے تجربات ہوتے رہے۔ لوگوں سے کس طرح باتیں کی جاتی ہیں۔ بے نیازی کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ لوگوں کو محبوب کرنے کے کیا طریقے ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ سب بہت بڑا فن ہے۔ اس قسم کا آستانہ چلانے کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس میں انسانی نفسیات کا بہت گہرا مشاہدہ اور مطالعہ کرنا ہوتا ہے اور باتوں باتوں میں آئے والے کی کمزوری بھانپ کر اس سے اسی انداز کی بات کی جاتی ہے تاکہ وہ بالکل ہی ڈھیر ہو جائے۔

میں یہ دیکھتا تھا کہ مسائل گئے چنے ہی ہوتے تھے۔ دشمن، منکر، شادی میں رکاوٹ، محبوب، شوہر یا بیوی کی بے وفائی۔ کسی نے جاؤ کر دیا ہے۔ بے روزگاری، اولاد کا نہ ہونا یا اولاد کی بھاری۔ یہ تو عام انسانوں کے وہ مسائل تھے جن کے لیے سب پریشان رہتے تھے۔ اور جو خاص لوگ آیا کرتے۔ ان کے مسائل الگ نوعیت کے ہوتے تھے۔

سیاست۔ وزارت۔ پارلی۔ امپورٹ۔ ایکسپورٹ، پالیس وغیرہ اور بابا کا کہنا تھا کہ وہ ہر ایک کو مطمئن کر کے بھیجا کرتے۔ اسی لیے ان کے آستانے کی دھوم بھی ہوتی تھی اور اب ان میں بھی گواہ سولے پر سنا گا۔

بابا کے آستانے پر لاکھوں بھی آیا کرتی تھیں۔ ان کے مسائل بھی ایک جیسے ہوتے تھے۔ شادی کب ہوگی۔ شوہر کیسا ملے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایک دن ان کے آستانے پر ایک لڑکی آئی۔ جس نے اپنا نام شاہدہ بتایا تھا۔ بابا سے ملنے سے پہلے چونکہ مجھ سے ملنا ہوتا تھا۔ اس لیے وہ رازیکہ میرے ہی پاس آئی تھی۔ میں بھی ضروری بہت اسیات سمجھ چکا تھا۔ اس لیے میں نے اس سے کہا۔ "شاہدہ تم اپنے والے شہر کی جوتی میں آئی ہو۔"

"یہ کس ہے ڈول بے کہہ دیا؟"

"تو پھر کیوں آئی ہو؟"

"اگر اسے ہی بڑے بڑے ہو تو خود ہی معلوم کر دو۔"

"تو کی ان میں بڑے بڑے کا استغاثہ ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس کی رازت اندر بھی ہوئی ہے۔ ویسے مجھے بھی جادو تو اس میں کوئی پرائی نہیں ہے۔"

"تو پھر میں لو کہ میں پانی پینا چاہتی ہوں۔" اس نے بتایا۔

"کیا؟" میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"پانی پینا چاہتی ہوں۔"

"ہاں۔" اس نے اپنی گردن ہلا دی۔ "پانی پینا چاہتی ہوں۔"

"تو پانی پانی۔" کس نے وہ کہہ ہے تھیں۔ یہ کیسی مقلد خواہش ہوئی۔

"تم نہیں سمجھو گے۔" وہ مسکرا دی۔ "میں کم از کم وہی باتی ایک ہی رات میں پینا چاہتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم شاید پانی پانی ہو۔" میں نے پانی پانی کے بعد تم کو رازیکہ اور کچھ چاؤنگی۔ اس کے علاوہ اس اجتماع اور اسے کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

"کچھ بک آف ورلڈ دیکھاؤ۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "میں زیادہ سے زیادہ پانی پی کر دیکھاؤ کہ تم کو کتنا چاہتی ہوں۔ پچھلا دیکھاؤ کہ کیا کے ایک بندے کا تھا۔ اس نے پچھلا پانی پی لیا تھا۔"

"آگر کس شیم کے لیے ہے یہ لگا مشورہ دیا ہے نہیں؟"

"میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔" وہ بکا مڑا تو رازیکہ میرا متعلقہ ہے۔ میں اس لیے بابا کے پاس آئی ہوں۔"

"تو کچھ بابا کیا کریں گے۔ انہوں نے تو کچھ سمجھ چکا۔" کلام بھی نہیں سنا ہوگا۔

"وہ مجھے دعا بھی تو دے سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی دعاؤں سے میرے پیٹ میں آتی غذا ہوتی ہوگی جاسے گی۔"

"کوئی کہو۔ اس قسم کی معمولی باتیں تو خود میں بھی دے سکتا ہوں۔" میں نے چاہے ان کے لیے بابا کو رحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مجھے یہ بتانا کہ تم یہ سب گویا کرنا چاہتی ہو۔"

"اس لیے کہ ان کی نے مجھے سوائے دیکھوں کے اور کچھ نہیں دیا ہے۔" اس نے بتایا۔ "میں ایک ٹھکانا لڑکی ہوں۔"

"والدین کا بہت پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ نہ کوئی بھائی نہ بہن۔" اس نے کہا۔ "میں ان کی رازری ہوں۔ کوئی ساتھ لگ نہیں ہے جو میرا ساتھ دے سکے کیونکہ ایک گریب لڑکی ہوں۔"

"اور اپنی غربت دور کرنے کے لیے تم پانی پینا چاہتی ہو؟"

"نہیں، بے وقوف انسان! صرف اس لیے کہ دوسروں کی توجہ حاصل کر سکوں۔" اس نے کہا۔ "کوئی تو

میں تو خود ہی قسم کا کام چاہتی تھی۔ کیا مشکل ہے اس میں۔ طرح طرح کے لوگوں سے ملنا، ان کے مسائل، ان کی کہانیاں۔ میں تو بڑی ہوں۔"

"اور وہ پانی پینے والا منصوبہ؟"

"مجھے یہ پتہ نہیں کہ میں پکڑ میں کیوں پڑوں۔"

"تو پھر کچھ سے اپنی ڈیوٹی سنبھال لو۔" میں نے کہا۔

پھر میں نے اسے تفصیل سے سمجھا دیا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ عورتوں سے کس طرح ایانگ کرنی ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ بہت پر جوش ہو رہی تھی۔ اس کے لیے یہ تجربات بھی ورلڈ دیکھاؤ سے کم نہیں ہونے والے تھے اور اس نے انکے دل سے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

بابا بھی اس سے کرمیت خوش ہوئے تھے۔ "میاں! دیکھ لیتا۔ یہ لڑکی ہمارے آستانے کو کہاں سے کہاں لے جائے گی۔"

ایک دن شاہدہ نے مجھ سے کہا۔ "میں اپنی اس زندگی سے بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ میرے حالات بھی پہلے سے اب بہت بہتر ہو گئے ہیں۔ کاش اب ایسا کوئی بیوی نہ ملے گی جس سے اس کے ساتھ زندگی آرام سے گزار سکوں۔"

میں نے بابا سے اس کی اس خواہش کا ذکر کیا تو بابا نے کہا۔ "ہاں! میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ترقی ہی کو ملتی ہے جو چاہے اسے لائبریا تھا۔"

"میں ٹھکانا سمجھا ہوا ہوں۔"

"یہ ڈول اس سے شادی کر لو۔" بابا نے کہا۔ "تم بھی ٹھکانا ہو بھی تھا۔ اس سے اچھا چھ قسم اور کہاں ملے گا۔"

اور ہم نے شادی کر لی کیونکہ بابا کا یہ کہنا تھا کہ ترقی ہی کو ملتی ہے جو موٹھے سے فائدہ اٹھالے۔

اور اب دو سال گزر چکے ہیں۔

میں نے اور میری بیوی نے ہر موٹھے کا فائدہ اٹھا لیا ہے۔

اب ایک بار پھر پڑے تھے۔ ان کو وہی وغیرہ دینے کی ذمہ داری شاہدہ کی تھی اور اس نے موٹھے سے پورا پورا فائدہ اٹھا لیا۔

آپ نے سمجھ ہی لیا ہوگا کہ کیا ہوا ہوگا۔

اب وہ آستانہ ہمارا ہے۔ بابا کی قبر ان کے مرشد کی قبر کے برابر میں بنی ہوئی ہے اور ہم دونوں نے مل کر آستانے کو گھنٹے سے گھنٹا کاٹھا ہوا ہے۔

بابا کی شجرت ہمارے کام آگئی ہے کہ موقع ملے ہی اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہی ترقی کا راز ہے۔

ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

میں نے اسے آستانے سے ملنے میں شہرہ خواہش کی انتہا درج کرنے کی تلاش کر دی۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔ "ابا یہ ہو گئی؟"

"ابھی تک میں غمزدہ رہتا ہوں۔"

نکس و نکس

کوئی اگر وقت کی صورت دیکھتا چاہے تو انسان کے بدلتے روپ دیکھے۔۔۔ وقت کا کام بظاہر گزر جاتا ہے مگر۔۔۔ وہیں سے کبھی تلے روپ اتلے پیراؤں میں ڈھل کر پلت بھی آتا ہے سمندر کا سمکوت یہ یقین دلاتا ہے جیسے سب کچھ ڈھلک ہے لیکن۔۔۔ اس کی گہرائی میں کبھی طوفان سچلے پس کوئی نہیں جانتا۔۔۔ اس کی زندگی بھی کبھی طوفان بلا خیز سے کم نہیں تھی۔۔۔ جس کا مشغلہ قلاطم و شقیانی اور جس کی شوخی و مہویناں جیسی تھی۔۔۔ جس کی دائمی لطوٹ اسے یہ چھن رکھتی۔۔۔ ظہیم و فراست انسان سے بائیس گزنی اور سماعت و بصارت ہمیشہ دور کی گوزی لاش تھی۔۔۔ اس کی فلسفاتی شخصیت کے آگے کیا خدمت و تاج اور کیا سلطنت کی اوقات۔۔۔ وقت بھی جیسے اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا تھا جسے اس کا غلام اور مہبت اس کی کنیز تھی مگر اسے ایک طویل سفر پر بھی تھا۔۔۔ کیونکہ اسے صفحہ فرطاس پر ایک جاوید داستان رقم کرنے کے لیے جنگوں سے بستی اور بستی سے ہجران کی سمیت دہواؤ گزار حالات سے بھرپور رہنا تھا



[illegible]

مولا علیؑ قرن نے ہم سب کو غیر ضروری بیخافات بھیجے اور بیخافات و صدمہ غم کے میں اس قدر مصروف کروا ہے کہ ہم اپنی تعلیم و تربیت اور اہم فرائض کو بھول کر دن رات دلچسپ بیخافات ایک دوسرے کو ہر سال کرتے رہتے تھا۔

میرے پاس جو نسخہ آیا اس میں نصیحتیں اور ہدایتیں

میں۔ کوہِ ثواب منانے کے لیے اسی دنیا یا نہیں لکھ کر ہمیں
 پہنچاتے ہیں۔ ہوتا یہ کہ کرتے ہیں کسی شیخ کو آگے بڑھایا جائے
 جنہی اس طرح اپنے رشتہ و ہمدلی کو بھی شیخ کی امت لگائی جائے۔
 میں ان کی انجمن کی سرکریں کو یکدم اٹھا دیتا تو خیال کرو
 کہ کسی نے جو بھی شیخ کو لکھ لکھی ہیں۔ پھر نورانیہ کو عقل نے سمجھا
 کہ اس پیغام کا حلق میری زندگی سے ہے۔ اس شیخ کی کوئی سطر یہ

انسان کی طبعی عمر اس طرح گزرتی رہتی ہے کہ وہ بڑھ چے
کے بعد موت کے خانے میں آتا ہے۔ اپنی طبعی عمر کے خلاف
والہیں جوانی کے خانے میں آکر اپنی عمر نہیں گزارتے۔
میں نے شیخ کی اس سطر پر غور کیا۔ وہ سطر جیسے میرے
پیرے کی کھنکھائی تھی۔ ایک بڑی تازہ جو طبعی عمر کے خلاف جوانی کی
صحت دیتی ہے۔ سطر کا دوسرا کلام تھا۔

اسی طرح کہ دوسری طرف یہ بھی کہ کوئی بڑا منہ ہے سے جرنی اور
جوانی سے ہمیں کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا۔
یہ بات واضح طور پر سمجھیں کہ کوئی کہہ دیکھ کسی دوسری طرف
حصہ نہیں ہے۔ اسے خاص طور پر مجھے سمجھتے کرتے کہ اس لیے
اسمائل کیا گیا تھا۔

اگر ایسا ہے تو انھوں نے ارشاد کیا ہے؟
میں نے ان دنوں گرد و گداز کی اس کا نام نہیں لیا تھا۔

میں نے شرکتِ اہلِ کفر اپنے بازوؤں کے ستر کو چھلا کر
 اُگرچہ دین میں جتنی نہیں تھی مگر مسلمانوں پر ہے۔ سیدہ
 اُمیہؓ کا پیلا ہوا تھا۔ میں جو گنگ کے نالہ میں جانوں کے
 پھری نظریہ والی کھاگ پر تھی۔ عین سببِ بددی
 کوئی نہ ہو جو گنگ نہ کر سکا وہاں گیا۔ میں نے ٹوٹ کر ملی دی
 کی اسچے ہیں۔ لیکن میں جو گنگ کے دوران ہو سکتے
 میں نے سوچا کوئی وقت نہیں ہے۔ رواجِ اٹھ کر کھلی
 میں جو گنگ کر رہا ہوں گا تو رہا نہیں تھا۔ رہیں گی۔

شام کو جسے بچہ آکر ملائی ہے، ہر سے نون کیا اور کہا۔
 "میں یہاں آئی ہوں۔ میں نے انہیں ایک نیا قرن پیش کیا تھا۔
 کیا تم انہیں آپ سے بات کر رہے۔"

اس نے کہا: "اے اچھی نیک کال کی ہے۔"

”کیا تم مجھ سے یہ چاہو؟“ کہاں؟ جی نہیں؟ مجھ سے
 کیا نہیں چاہیں گی؟“

”جیسا کہ میں نے کہا تھا، میں نے ان سے کہا تھا کہ ان لوگوں کو کہہ دیجئے کہ آپ اپنا حق وہاں بھولی کر آئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھولی کر نہیں آئی ہیں، اسے جان بوجھ کر وہاں چھوڑ آئی ہے۔ انہیں کسی لوگ کی ضرورت نہیں ہے۔“

”وہ کہاں گئی ہیں؟“
”میں نے ہماری لائے ہوئی گاڑی میں بیٹھنے سے انکار کر
لیا۔ ایک کسٹم میں بیٹھ کر گئی ہیں۔“

میں نے مرنے کے بعد تو میں پوچھا: ”کہاں گئی ہیں؟“
 ”خاتون اور دوسرے جہاں شرمندہ ہیں سے ان کی گھڑائی کر
 لی۔ انہی معظروں کو جانے کا وہ کہیں پہنچنے والی ہیں۔“

میں قوی بننے کر کے جیل پر فخر کیا۔ وہ میرا انوکھی سیری گاڑی
 اور ان کے استعمال میں نہیں کر دی تھی۔ میری منگولہ بننے کے باوجود
 وہ اپنی رشتہ قائم کرنے سے پہلے ہی مجھ سے دور ہو گئی
 تھی۔ وہاں وہ ہر دور میں سب ہی جاتے تھے۔ اس کی خود سیری کر
 لیا تھا۔ میری اسلٹ ہو رہی تھی۔ اسے اس کے لیے کی پورا

اس کے مزید سے معلوم ہو گی کہ وہ خود والی اس کوشی

میں بھی نہیں جانتے تھی جو اس کے نام سے خریدی گئی ہے۔ اسے دوست اور جاندار کی جیسی نہیں تھی۔ اس کا تقویٰ اور پرہیز نگہی تھا۔ رقی تمیز کیا شدہ دل نہیں رکھتی ہے۔ یہ بات میرے دل میں نہیں آئی کہ میں اسے لٹکا سکتا تھا۔ اس کی طرح وہ راست عبادت میں محو نہ تھا۔ اس کی بات نہیں مگر ہوس پرست تو نہ تھا۔ لہذا اس کی تعظیم نہ کرتے۔

تب مجھے یاد آیا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ ہو کر مجھے ذاتی اعتماد میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ظہیر، عصمر کی فراہمی وعدہ بھول گیا ہوں۔ مغرب کی فراہم کا وقت گزر رہا تھا۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا۔ ابھی نماز پڑھ سکا تھا، پھر یاد آیا کہ صبح پانچ بج رہی صلا میں کھل گیا تھا۔ وہاں رکھا ہوا صحن، تونیا اور ستر وغیرہ نہجانے کتنے لوگ استعمال کرتے ہوں گے؟ مجھے کھڑے لانے ہی طلبہ رات کے پورے پتھریں کے ساتھ کھل کر لایا جاتا تھا۔

میں نے انھیں دیکھ کر کہہ دیا۔ وہاں تو میری اور میری بیوی کی ایک تصویر تھی۔
وہ دیکھ کر کہہ دیا۔ جب وہ وہاں سے گزرا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گیا۔
وہ دیکھ کر کہہ دیا۔ وہاں تو میری اور میری بیوی کی ایک تصویر تھی۔

میں نے فن دیا کمرے کان سے لگایا۔ آدھ اہلی نے کہا۔
"سرا میڈم اس شہر سے تو کیا اس ملک سے قلم چلی گئی ہیں۔"

میں نے شہر پر چڑھائی سے پوچھا۔ "کیوں نہیں ہوئے؟"

ہم نہیں جانتے انہوں نے کیسے سرحد پار ہو گئی۔" ارم جیروان
 "کیا تم نے کسی کو نہیں دیکھا؟"

”وہ بھئی لڑا کیونکہ تو سرحد سے واپس آیا ہوگا۔ اس سے
 رنجور۔“

”ہم نے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ عقیقہ میں اس کی جیسی سے اثر کرانا چاہئے والی ایک جیسی شے ڈینڈنی نہیں۔
سرحد پار کرتے وقت انہیں کسی سے نہیں بدلا تھا۔“

نہایت غصہ کر رہا تھا۔ "سچے ہو گا ہے۔"

میں نے فوجوں، بندہ کردہ باد، اور آواز یا گئی تھی۔ اس کے مقصد
 معلوم ہو گیا۔ وہ میرے لیے انگوٹھی اور عمامہ حاصل کرنے گئی تھی۔
 کہا ہے: میں نے وہ دیکھا؟

جیسا کہ مجھے چھوڑ کر تھی تھی۔ نہیں چاہتی تھی کہ میں اسے اچھ
کاؤں۔ وہ اپنی حاصل کی ہوئی انگوٹھی اور سدا بہار احمد کاٹے ہوئے
کی یاد دہانے کا اس کا سنی ہو گیا ہے۔

سورج گر جھلکا ہوتا ہے جلد ہی ٹھکی کر دھوئیں پر بھی جھک
سے بات کہیں کر دیتی ٹھکی۔ مگر نہ غرضی ٹھکی تو نہ غرضی کی وجہ جاکستی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”بھٹک۔ صرف اللہ ہی ہے جو ممکن کو ممکن بنا رہا ہے لیکن اس مجبور کے تقدیرتی اصول کُل ہیں۔ ہماری دنیا میں وہی ہوتا ہے جو قوموں نے قیامت تک کے لیے طے کر دیا ہے۔ جب یہ طے ہو چکا ہے کہ کسی ذی رواج کو اپنے نفع کی طرف راہیں نہیں جانا ہے تو پھر کسی کی راہیں نہیں ہوں گی۔“

وہ ملک ایسا بھی نہیں ہوا۔ شاید میرے ساتھ بھی نہیں ہوگا۔
 بزرگ نے فرمایا تو کہ میں کہنے لگے تھے قسم ہو چلوں گا لیکن کہانی
 کے اس کردار کو اس کے علاوہ کب نہیں پایا جا سکتا گا۔

اور جو ہونے والا تھا وہ بخیر و برکت ہو رہا ہے۔ ایسے ہی وقت
یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگرچہ وہ اپنے والد ماجد کے گھر
پر تھا کہ وہ ان کے گھر میں ہی تھا۔

یہ ایک اظہارِ محبت ہے جسے عتیقہ نے اپنے دل سے نکالا ہے۔ اس نے اپنے دل سے نکالا ہے۔ اس نے اپنے دل سے نکالا ہے۔

میں بھی آئیں پڑھنے لگا۔ اب اللہ کو یاد کرنے اور اس
 سے مدد مانگنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں دنیا کی مصروفیات میں
 گواہ اور نماز کو بھولی جاتا تھا۔ اب تمام مصروفیات کو بھول گیا

تے دیں گے تو میں ابھی تمہارے پیچھے ہوں گا۔



ایک مسافر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا: "میں بھی خون کرس
 دکتا۔ میری ملاشی لے کئے ہو۔"
 ایک نے اس کے لباس کو اچھی طرح متول کر دیکھا۔

مسافر کو ختم مردود حالت میں دیکھ کر سب ہی سہم گئے

پھر وہاں سے سامنے آ گئے۔ میں تیار و تیار ہی دیکھا کہ کئی
وقت پہلے گھر سے نکلا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے نوٹ نکال کر اس کی
دلی میں ڈال دیا۔ کچھ گمنامین نے سادھو سے کہا کہ اس

ایک نے کہا: ”گو اس صفت کروں اس نے ہر نفع میں
 وہ عاجزی ہے۔“
 وہ عاجزی ہے جسے ”بیٹے! میں محسوس نہیں کرتا۔“

وہ ایک بزدل ہے۔ تم دین کی قوتیں کمر ہے تھے۔ میں بھی
تھلا ہوں۔ مگر اس میں اس قدر کھاکر موت کو رحمت دینا چاہی

کتاب کو پڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں سوائے
کچھ اور باتیں کہیں گے کہ اس کی کٹائی میں کس نے ہاتھ نہیں لگایا
۱۹۸۱ء

دکھ لے کے کانپتے ہوئے دھاڑتے ہوئے بیٹا کو ان
کے گھر لے کر آئے۔ لکھنے ایک نے سمن کے دستے سے ان

میں نے پریشان ہو کر ساجد ہو کر کہا وہ دونوں اسے اس طرح قتل کر رہے ہیں کہ اس کے چلے گئے تھے۔ وہ

اس لیے کہ ان کے پاس کوئی شے بھی نہیں ہے۔

اگلی پچھلی میٹروں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا ہے۔ میٹروں کے

ایک کھن میں نے اور سے میرا نشانہ لپٹے ہوئے
 تھا وہی ڈاک کیا کہہ رہا ہے؟

ساحد یہ سنتے ہی چلتیں۔ جرتے ہوئے پاپ کے پاس آئی
اور اس سے لپٹ کر مرنے لگی۔ میری یہ اطلاع دوسرے
سارے ایک لمحے پہنچی کہ اس طیارے میں ایک شخص کو بچ کر دیا

Courtesy www.p

میں نے کہا: "یہ بڑا عمدہ ہدی گوی ہے تمہارے تھوڑے بھائی کے لیے۔"

اس نے ہرے سینے پر ضرب لگائی تھی۔ میرے قدم کھڑے ہوئے۔ منہ فرش پر گر پڑا۔ وہ جلا۔ "جائے اٹھا جانی سیٹ پر جا۔"

کولی اردی۔ یہ بات مجھ میں آنے والی تھی کہ اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اب تو مرنا تھا یا مارا تھا۔ جراتی کی طرف دیکھ کر جانے والے بڑے عابد پر گہرا چکا تھا۔

وہ بارگولیاں چلی گئیں۔ تمام مسافر سہم کر رہ گئے۔
ہوئے سینوں کے درمیان ایک گئے تھے۔ گئے تھے جسے میں دیکھ
میں تھے۔ میں نے ان کو دیکھا۔ میں نے ان کو دیکھا۔ میں نے ان کو دیکھا۔

میں نے عمرے والے کی پشت سے چھوٹی سی کت
 اتاری۔ اس میں کادوئی بھرے ہوئے تھے۔ ایک کت سے آواز
 بھر رہی تھی۔ "اے خدا! تم کو ۱۰ روپے ۹ تھوڑے کتوں کے لئے لکھو۔"

میراں کا یا تم سب کو مار ڈالوں گا۔"

چمکے ہوں۔ اور جس مشن کے لیے حیدر نے نوازا کر رہے تھے، میری

ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ صرف اللہ ہی ممکن ہو سکتا ہے۔
ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ممکن ہو؟

”نہیں۔ صرف اللہ ہی ہے جو ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن
اس معبود کے قدرتی اصول اہل قرآن و احادیث دیکھیں وہی ہوتا ہے
جو قدرت نے قیامت تک کے لیے طے کر دیا ہے۔ جب سے طے
ہو چکا ہے کہ کسی ذی روح کو اپنے خلق کی طرف واپس نہیں جانا
ہے تو پھر کسی کی واپسی نہیں ہوگی۔“

میں نے پوچھا: ”اگر میں کسی کو اپنی تمہیں تو؟“
”تو تم کہتے تھے کہ اپنے انعام کو کوئی جاؤ گے لیکن کہانی کے
کئی کردار کو واپس اپنے خلق تک نہیں پہنچا سکو گے۔“
”بلکہ ایسا ہی نہیں ہوا۔ شاید میرے ساتھ بھی نہیں ہوگا۔
بزرگ نے فرمایا تھا کہ میں کہتے تھے کہ تم ہو جاؤ گے لیکن کہانی
کے اس کردار کو اس کے آغاز تک نہیں پہنچا سکو گے۔“
”والہی کا سر میری پیدائش تک جلی نہیں رہ سکے گا۔ واللہ
عالم یہ اللہ تعالیٰ ہی چاہتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے؟“

اور جو ہونے والا تھا وہ بدلتا ہی ہو رہا ہے۔ ایسے ہی وقت
طیوار سے کسی محدود وقت میں انٹیکر کے ذریعے آواز ابھرنے لگی۔ کہا
چاہم تھا کہ مسافروں کو اطلاع دی جاتی ہے اس جہاز کو ہوائی ٹیک
کر لیا گیا ہے۔ اگر کوئی چاہے یا شہر چاہے گا تو اسے گولی بردی
جائے گی۔

یہ ایسی اطلاع تھی جسے سنتے ہی ہر شخص نے گلیں۔ کمزور
دل کے مرد و خیرات میں ڈال ہو کر رہ گئے۔ میں نے سنا تھا
کہ آگے پیچھے دیکھا۔ وہاں سب سے آگے دو گئے تھے۔
بزرگ کے پاس بھی ہوئی وہ شیزو بھی مرنے لگی۔ انہوں
نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا: ”سچہ امیری
ہی! حوصلہ رکھ۔ خدا پر بھروسہ کرو۔ جتنی آئیں یا دیکھ آئیں
پڑھتی رہیں۔“

میں بھی آئیں پڑھنے لگا۔ اب اللہ کو یاد کرنے اور اس
معبود سے دعا مانگنے کا وقت آ گیا تھا۔ میں وہی مصرعہ قیامت میں
لہرا کر اور نذر کو بھولی جاتا تھا۔ اب تمام مصرعہ قیامت کو بھول گیا
تھا۔ نمازیں پڑھا رہی تھیں۔

ایسے وقت معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلمان جیسے گروہ کی
خیرات رنگ دیتے ہیں۔ میرا خیال تھا میں اس وقت دل کی
گہرا تپ سے آیا ہوں پڑھ رہا تھا اور بڑے سے بڑے جہاز سے
موت رہا تھا کہ وہاں ٹیکرز مجھے داس روٹ میں جا کر بٹو کر گئے۔
اجازت دی گئی تو میں ابھی نماز پڑھ رہا تھا۔

نہ وہ اجازت دینے والے تھے نہ میں تو پڑھ رہا تھا۔
وہ نہ ہی یہ مصیبت تھی۔ مسافروں کے آگے اور پیچھے دو

دو گن میں تھے۔ ان کے مزید دو ساتھی ہاتھوں میں ایک بڑا سا
تھیلہ اٹھائے ایک ایک منظر کے سامنے سے گزرتے ہوئے کہ
رہے تھے کہ اپنے اپنے ٹکڑوں اور اس تھیلے میں ڈالوا رہے تھے
ہوئے لوگ کسی شکل و جہت کے بغیر اپنے فون اس تھیلے میں ڈال
رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی فون کے
ذریعے کسی کو اطلاع دے کہ گیارے کا لہو کیا جا رہا ہے۔

ایک مسافر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا: ”میں بھی فون نہیں
رکھتا۔ میری طاقتی لے سکتے ہو۔“

ایک نے اس کے لباس کو اچھی طرح ٹھول کر دیکھا۔
دوسرے نے جھک کر سیٹ کے نیچے سے موبائل فون اٹھا کر کہا:
”اچھ تو فون نہیں رکھتا۔ یہ میرے باپ کا ہے۔“
یہ کہتے ہی اس نے ٹکٹ گن کے سامنے سے اس کے سر پر
ضرب لگائی۔ وہ اس کی اچھی طرح ہٹائی کرنے لگے۔ پھر اسے نذر
مردہ حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

مسافر کو نیم مردہ حالت میں دیکھ کر سب ہی سہم گئے
تھے۔ اب کسی میں موبائل فون چھپانے رکھنے کی جرأت نہیں
تھی۔ وہ سب کچھ کہے سے بغیر اپنے اپنے فون ان کی جھولی میں
ڈالتے چلے جا رہے تھے۔

پھر وہ ہمارے سامنے آ گئے۔ میں تھا وہ میری دکھالے کی
حالت میں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی جیب سے فون نکال کر اس کی
جھولی میں ڈال دیا۔ ایک گن میں نے ساجدہ سے کہا: ”اے
برفے والی! لالہ اپنا فون۔“

بزرگ نے کہا: ”یہ میری بیٹی ہے۔ اس کے پاس فون
نہیں ہے۔“

ایک نے کہا: ”یہ اس وقت کمزور ہیں کہ برفے میں
چھپا رکھا ہے۔“

وہ عاتری سے بولے: ”جئے انہیں جھوٹ نہیں ہوتا۔
ہمارے خاندان میں کھانا پختہ کو ایسی چیزیں رکھنے کی
اجازت نہیں دی جاتی۔“

دوسرے گن میں نے ایک اٹا ہاتھ بزرگ کو سپرد کرتے
ہوئے کہا: ”تو سب کچھ بولے گا تو کسے کی موت مرے گا۔“

ایک بزرگ نے فون دینے کی تو قین کر رہے تھے۔ میں نے
کہا: ”اے گن! تمہیں خبر دے دیا کہ موت کو دعوت دینا ہوتا
ہوئی۔ میں فون کے ٹکڑے پی کر رہا ہوں۔“

وہ عاتری برداشت سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے ساجدہ کو
بکڑ کر سیٹ پر سے اٹھا کر پھر مارا کہ وہ پڑی سے اس کے بدن پر
جگہ جگہ ہاتھ لے جا کر تماشائی لینے لگے۔ وہ جہ کے بارے میں
اور جیتنے کی۔ اس باپ کی کوئی بیٹی کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا

ایک ایک اس نے فون پر بھی کسی نامحرم کی آواز نہیں سنی
تھی۔ پھر وہ پارسی لڑکی کے بدن پر اپنی جگہ ان کے ہاتھ
لگا رہے تھے۔ جہاں پیدا کرنے والی اس نے بھی ہاتھ نہیں لگایا

بزرگ نے سے کاپتے ہوئے نہ لڑتے ہوئے اپنی کواں
کی گرفت سے پکڑنے لگے۔ ایک نے گن کے سامنے سے اس
کے سر پر ضرب لگائی تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔
دوسری ضرب لگتے ہی وہ بے دم سے ہو کر بیٹی کی سیٹ پر گر
گئے۔ میں نے انہیں سنبھال کر سیٹ پر آرام سے لیٹا تو دیکھا
ان کی روح جسم کی قید سے آزاد ہو گئی ہے۔

میں نے پریشان ہو کر ساجدہ کو دیکھا۔ وہ دونوں اسے
اپنی طرح ٹھول کر موبائل فون پر آکر آگے چلے گئے تھے۔ وہ
انہوں سے منہ نہ کر کے فون پر تھی۔ وہ بھی تھی۔

میں نے بھی اسے بھی اس فون کی اس کے سر پر باپ کو کہنے
میں اب تک بہت بڑا سودا کیا تھا۔ آ رہا تھا۔ اس روز ایک لڑکی
ان کے منہ سے نہ بکھڑکا۔ اگرچہ اس کی آبرو سلامت تھی لیکن
وہ بھی اس کے منہ سے بدگوار ہو گئی تھی اس کی موت کے حراف

وہ نہیں جانتی تھی کہ باپ مر چکا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ
اس کے منہ سے ایک لڑکے کی لاش سیٹ پر رکھی ہوئی
تھی۔ میں نے سوچا: ”کیا کروں؟“ ایک بیٹی کو معلوم ہونا چاہیے تھا
کہ وہ کونسی بیٹی ہے۔

ان کی پچھلی سیٹوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا ہے۔ میں نے
بزرگ کی لاش کو بڑی مشکوں سے اٹھا کر کھڑکی کے ساتھ والی
سیٹ پر رکھا۔ پھر ساجدہ کے پاس آیا۔ وہ لڑکی پر بیٹھی دونوں
انہوں سے منہ چھپا کر رہی تھی۔ میں نے جھک کر بڑی اصراری
ان کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ جھپٹیں مارنے لگیں اور چیخے پتے
پتے لڑکی پڑ کر پڑی۔

ایک گن میں نے اور سے میرا نشانہ لپٹے ہوئے
ایک ”یو آر دی ڈاگ! کیا کر رہے ہو؟“

میں نے مجھے گالی دی۔ میں تلخا کر رہ گیا۔ دل ہی دل میں
کہہ رہی تھی کہ اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے نیچے پر قابو
لے لیا۔ ”میں اسے بتاتا چاہتا ہوں کہ یہ سیم ہو چکی
ہے۔ تم لوگوں نے اس کے باپ کو مار ڈالا ہے۔“

ساجدہ اپنے منتے ہی تھیں۔ مارتے ہوئے باپ کے پاس آئی
تھیں۔ اسے بہت کمزور لگے۔ میری یہ اطلاع دوسرے
مسافروں تک بھی پہنچی کہ اس طیارے میں ایک شخص کو ہلاک کر دیا
گیا ہے۔

گن میں نے ہاتھ کی طرف آتے ہوئے کہا: ”تم جھوٹ
بولتے ہو۔ یہاں سب کو دیکھو۔ میں نے گولی نہیں چلی
ہے۔“

میں نے کہا: ”یہ یو آر حاتھادی گولی سے نہیں تمہارے
ہاتھوں سے مر رہا ہے۔ تمہاری چرائی یہ سب نہ کر سکتی کہ ایک یو آر حاتھ
کی دھجڑا سخت کر سکتا ہے۔“

میں نے گن کے دستے کو میرے سینے پر مارتے ہوئے
کہا: ”بھپ چاپ! ٹھوٹو بھی۔۔۔ کچھ بولو گے تو اس یو آر سے کی
طرح لڑی ہوئی جاؤ گے۔“

اس نے میرے سینے پر ضرب لگائی تھی۔ میرے قدم ہاتھ
گئے۔ میں فرش پر گر پڑا۔ وہ لڑکی: ”میں اٹھا ہائی سیٹ پر چلا۔“
اس نے یہ کہتے ہی مجھے لات لاتی۔ میں نے وہ لات پکڑ
کر کھینچی تو وہ ڈوگ لگا گیا۔ تو اس کا دم نہ رکھا۔ جیسے ہی میرے
پاس آکر گر میں نے اس سے گن چھین لی۔ اب تو جان پر ٹھیل
جانے کا وقت آ گیا تھا۔ میں نے ایک لمبی سیخ کے بغیر اسے
گولی ماری۔ یہ بات مجھے میں آنے والی تھی کہ اب وہ مجھے زندہ
نہیں چھوڑیں گے۔ اب تو مرنا تھا یا مارنا تھا۔ جوالی کی طرف
واپس جانے والا بڑا ہاتھ پاؤں پر لگ چکا تھا۔

دوسرے گن میں نے مجھ کو اس کے ساتھی نے مجھے گولی
ماری ہے۔ وہ ہاتھ کی طرف آ رہا تھا۔ میں نے کمر بٹ کر
اور دھمکتے ہو کر فائر کیا۔ وہ اچھل کر فرش پر گر کر ایک زرا تڑپ
کر کھٹا پڑ گیا۔

دو بار گولیاں چلی تھیں۔ تمام مسافر سہم کر رہے تھے
ہوئے سٹوں کے درمیان دھک گئے تھے۔ آگے حصے میں دو گن
میں تھے۔ انہوں نے دور ہی سے مجھ پر گولیاں چلائیں۔ میں
فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ گولیوں کی زد میں نہیں آیا۔ ان میں سے ایک
میرے نشانے پر آکر موت کی تار کی میں پھنسی گیا۔ دوسرا چھپنے
کے لیے مسافروں کی دوسری قطار کی طرف چلا گیا۔

میں نے مرنے والے کی پشت سے چھوٹی سی کمر
اتاری۔ اس میں کادو توں بھرے ہوئے تھے۔ آٹھکڑے آواز
ابھرنے لگی۔ ”اے۔۔۔ تم کون ہو؟“ انھیں ریمیک کر پالمت
کھین کی طرف آؤ۔ درجہ حرام موت مارے جاؤ گے۔“

میں نے دو سٹوں کے درمیان چھپتے ہوئے دیکھی آواز
میں کہا: ”بزدل حرام موت مارتے ہیں۔ میں مقابلہ کرتے ہوئے
مروں گا یا تم سب کو مارا لوں گا۔“

تو آواز اور خاموشی رہی۔ ان کے سر فٹ کو معلوم ہو گیا تھا
کہ میں جید رہا ہوں۔ ان کے گن ساجدہ کی موت کے تحت اتر
چکا ہوں۔ وہ جس شخص کے لیے طیارے کا رخا کر رہے تھے ٹھیک

انہیں دیکھ کر وہ بے پروا ہو گیا۔

پھر ایک شخص سے آواز اُبھری۔ "اے سفراء! ایک ساتھی بننا تمہارے پاس واپس آنا اور اٹھ کر رہا ہے۔ اس سے بات کرو۔ تم سے بھلا کر۔ جہاز کو جہاں اتارنا چاہئے گا وہاں تمہیں سلامتی سے جانے کا موقع ملے گا۔"

میں نے پھر وہی آواز سنی کہ "میں صرف اپنی فکری تمام مسافروں کی سلامتی چاہتا ہوں۔ تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو یہ جہاز جہاں اتارے وہاں اتار کر چپ چاپ بیٹے جاؤ گے۔ یہ ممکن نہ دے گا کہ جہاز کو تباہ کر دو گے۔ یہ جہاز ہو گا تو تم اپنے دشمنوں میں ناکام ہو کر واپس رہو گے۔"

میں فرش پر رہتے ہوئے دوسری قطاروں کے درمیان راہداری کے پاس آیا ایک سیٹ کے نیچے سے جھانک کر دیکھا۔ دور اگلے حصے کی طرف دو گن میں بڑے عطا العز میں کھٹکوں کے شاخے ہوئے تھے اور چاروں ہاتھ پاؤں سے رہتے ہوئے سیٹوں کے نیچے سے جھانک کر دوسری قطار کی طرف دیکھتے ہوئے میری طرف آرہے تھے۔

وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں دوسری قطاروں کی راہداری میں کہاں بیٹھا ہوں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گولی مارنے والے تھے۔ اس سے پہلے ہی میں نے گولی چلا دی۔ ایک دھچکے والا گناہنا ہوا جھلا پھر فرش پر گر کر گھٹا ہوا گیا۔ دوسرا سوت کو قریب رکھ کر اٹھ کر بھاگنے لگا۔ میری دوسری گولی نے اس کے بھی قدم اکھاڑ دیے۔ وہ بھی اپنی راہداری سے اٹھ کر کمریٹ کے لیے خاموش ہو گیا۔

اب دھچکے مجھے میں کوئی نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ خدا میں کتنے تھے؟ ان میں سے پانچ تو ہونچے تھے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک تنہا مسافر نے پانچ کو گولی مارنے لگا۔ یہ بات ہو رہی تھی کہ میں اپنی زندگی وہاں پر لگاؤں گا۔

میں نے ہلکا آواز سے کہا "تمہارے پانچ تھے۔۔۔ دو اور کتنے ہیں؟ انہیں یہاں چھو۔"

ایک شخص سے آواز اُبھری۔ "تم سیدھی طرح قابو میں نہیں آؤ گے۔ سب ہر ایک ایک مسافر کو ہر ایک منٹ کے بعد گولی مار رہا ہے۔ تم مسافروں سے کہتے ہو کہ وہ اپنی سلامتی چاہتے ہیں۔ اس وقت تک پانچ گن کو بھانپیں کہ وہ اختیار چھین دے یا سب کو گولی مار دے۔ وہ گولی چلائے گا تو کوئی ایک گولی نہیں بچے گی۔ تم کو اس پانچ سے نجات ملے گی۔ تم تمہاری سلامتی کے لیے اسے دیتے ہو۔ تم سب زندہ رہو گے۔ اگر وہ پانچ کو مار کر مارے گا تو اسے تو ایک ایک کر کے مارے گا۔"

یاد رکھو! لا چپ ہو گیا۔ انکار کرنے کا اسے یقین تھا۔ مسافر اپنی سلامتی کے لیے مجھ پر دھواؤں میں گئے۔ میں جہاز کے نیچے سے تمام مسافروں کے پیچھے تھا۔ وہ سب سرنگھڑیوں کے درمیان سے اٹھ کر میری طرف دیکھ رہے تھے۔

میں فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ میری گن کا دھواں ان سب کی طرف تھا۔ وہ مجھے بگڑنے آتے تو جو آگے ہوتے وہ مارے جاتے اور کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ آگے آتا۔ ایک مسافر نے مجھے دیکھتے ہوئے بڑی بے بسی سے کہا۔ "ہم کیا کریں؟ تم بھی مارو گے وہ بھی ماریں گے۔ ہم کدھر چلیں گے؟"

میں نے کہا۔ "جو جہاز قوا کرنے والوں کو تمہیں خطرات سے دوچار کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔ اس کا ساتھ دو۔"

انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ایک نے کہا۔ "یہ امارے لیے لڑ رہا ہے۔ اسے لڑنے دو۔ وہ ہم میں سے کتنوں کو گولی ماریں گے۔ وہ پہلے میں اٹھ رہا ہے۔"

دو لوگ ہوا پالٹ کھن کی طرف جانے لگے۔ "اے اکیلا ہم تو لوگ؟ میں آ رہا ہوں۔ پہلے مجھے گولی مارو۔"

میں نے پچھل قطار کی ایک سیٹ کے پیچھے چھپ کر اپنی گن سیدھی کر لی۔ جو بھی اس بوڑھے کو ہلاک کرنے آ رہا تھا اسے زندہ چھوڑنا۔

جہاز میں گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ سب ہر ایک کے پاس اس بوڑھے کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ کسی بھی لمحے میں غماخ کی آواز کے ساتھ کوئی چلنے والی گولی آ سکتی اور بوڑھے کی لاش کا اضافہ ہونے والا تھا۔

سب ہی کے دل ایک جگہ تھک کر رہے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ وقت گزر رہا تھا۔ وہ بوڑھے کا پالٹ کھن کے پاس زندہ سلامت کھڑا تھا۔

اس طرح معلوم ہوا کہ ہائی جیکرز کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ یہ بھی پتہ چلے کہ وہ کھن کے اندر تھے۔ اپنے ساتھیوں کا تحفظ کرتے ہوئے۔ کوئی دھواؤں کھول کر باہر نہیں آ رہا تھا۔ پھر ایک شخص سے آواز اُبھری۔ "مجھے غائب کرتے ہوئے کیا کرنا چاہیے؟" میں نے جہاز کا کھن سنی مانتا رہا ہوں۔

میں نے دوسری گن سنی پڑی ہے۔ یہاں میرے ساتھ دو پالٹ اور دو ہوش ہیں۔ ہم سب گن پالٹ پڑے۔ یہ لوگ تیار کر رہے تھے کہ جہاز کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے مطلوبہ مقام تک نہ لے جائے تو میں گولی مار دیں گے۔ تم سے اچھا ہے۔

ہم سب ساتھ ساتھ تمام مسافروں کی راہداریوں کو اپنے ہاتھ لگا دیں۔

میں نے ایک دروازہ وقف سے کہا۔ "ہائی جیکرز کے لیڈر کا ہاتھ پکڑو۔ اس کی بات سنو۔"

انہوں نے آواز سنی کہ وہ ہل رہا تھا۔ ایک مجھے کے پاس آیا۔ کوئی ایک چوڑے سے ابرو پر اٹھ رہا تھا۔ وہ مسافر سب کو دھواؤں میں جہاز کو بھیر لیں گے۔ جب تک تم جہاز چھوڑ کر لوگوں کو ہارے ہوئے نہیں کرو گے تب تک اس جہاز کو تمام مسافر یہاں قیدی بن کر رہیں گے۔ خود کہتے ہیں ان کو مار جائیں۔ یہاں سے باہر جانے کا راستہ نہیں ملے گا۔ اگر اسے مار دیا جائے تو اس کو میرے دھواؤں کو لوگوں سے کاشی کر دیں گے۔"

پھر جواب اسے پہلے ہی میں چپ تھا۔ وہ کہا۔ "ہاتھ" یہاں تمام مسافر ہونے چاہتے تھے۔ وہاں گے۔ وہاں میں ہی اس طرح ہوں گا۔ لیکن تم سے زیادہ شدید ہوں۔ حالات سے مجھ کو کتنے نہیں لگیوں گا۔"

وہ مسافر بھاگ رہا تھا۔ "ہاں۔ ہمارے درمیان کچھ ہے۔ اسے میں تمہاری دیر کی سے متاثر ہوں۔ تم سے روٹی کر سکتا ہوں۔ وہاں کی شرط یہ ہے کہ تمہارا پیچک کر میرے گلے لگ جائے۔"

وہ بھڑکا ہوا تھا۔ اس حالات سے مجھ کو تمام مسافروں کی جان بچانے کے لیے روٹی کے ٹکڑے میں آ کر تمہارا پیچک دوں گا۔ میں نے اس کے پانچ وقت واروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وہ مجھے گولی مار رہا تھا۔ چھوڑے گا۔

تھوڑی دیر بعد اطلاع دی گئی کہ جہاز لینڈ کرنے والا ہے۔ تمام مسافر قریبی راستہ پر بند لیں۔

میں ایک کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ کھن کا دروازہ بند تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہائی جیکرز کا لیڈر سلاواؤس اپنے ایک یادہ امدادوں کے ساتھ کھن میں ہے اور یہ ابھی طرح بچ رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی کھن کا دروازہ کھولے گا تو دوسرے ساتھیوں کی طرح مارا جائے گا۔

مجھے امید تھی کہ کھن کا دروازہ کھلے گا نہ مجھے کوئی گولی مارے آئے گا۔ میں کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ راست کی گہری تاریکی میں کھن کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ جہاز ایک دروازے پر اتر کر کھن کے دروازے سے چلا ہوا ایک جگہ تک گیا تھا۔

وہ کوئی دیر ان سے مل رہا تھا۔ ایک جڑی کے درجے اس پر اتر کر کسی حد تک روشن دکھائی دیا تھا۔ وہاں کوئی بڑی سی لکڑی کھن میں ایک چھوٹی سی چار دیواری نظر آ رہی تھی۔ تقریباً وہاں سے اتر رہا تھا۔ وہ کھڑکی سے دڑتے ہوئے جہاز کو چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔

علامت

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، کرکٹ انگریزوں کے لیے مشغلہ نہیں، لیکن اگر آپ نے کبھی کرکٹ کی ٹیموں کو مٹی جوں کی بھری رو پھر میں ناقابل اندیشہ جرأت کے ساتھ موسم کو چیلنج کرتے دیکھا ہے تو ہزاری طرح آپ بھی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ ہمارے پاس کرکٹ مشغلہ ہے نہ مشن، ابھی خاص فیوری مشقت ہے جس میں کام سے زیادہ مرقی ریڑی کر رہی ہے۔ اب اگر کوئی سر پھر اٹھائی اجرت دے کر بھی اپنے مزدوروں سے ایسے موکی حالات میں یوں کام کرے تو پہلے ہی دن اس کا چالان ہو جائے۔ مگر کرکٹ میں چونکہ عام طور سے معاوضہ لینے کا دستور نہیں، اس لیے چالان کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاتھوں جس طرح کا بچکا بھیل ترقی کر کے کام میں تبدیل ہو گیا وہ اس کے موجدین کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ غالب نے شاید کسی ہی کسی صورت حال سے متاثر ہو کر کہا تھا کہ ہم مل بیٹھ بھی غصب ہوتے ہیں جس پر مرنے والے اس کو مار دیتے ہیں۔

اور اس کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کھیل کے معاملے میں حارہ رویہ بالوں جیسا نہیں، بالکل بچوں کا سا ہے۔ اس لحاظ سے کہ صرف بچے ہی کھیل میں اتنی تنگی بردہتے ہیں۔ پھر جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا ہے، کھیل کے ضمن میں اس کا رویہ غیر تنیدہ ہوتا جاتا ہے اور یہی ذاتی بلوغت کی علامت ہے۔

کرکٹ کے دسواں حصے یا آٹھائے فٹن کو اجواب کرنے کے لیے اختر کہتے ہیں۔ "مہاں! تم کرکٹ کی باریکوں کو کیا جانو؟ کرکٹ اب کھیل نہیں رہا، سائنس بن گیا ہے۔ سائنس!"

مسلقی احمد پوٹھی کی کتاب

"انچراغ تھے" سے اقتباس

ان کے لیڈر نے ابھی کہا تھا کہ اگر پورے پر اس کے دوسرے
مسلح افراد ہیں۔ اس نے شخص غورزدہ اور مرعوب کرنے کے لیے
بھرت کھاتھ۔ اس کی کمزوری معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے پیچاس
سے زیادہ دلاور لڑکے تھے اور وہ خود پانچ گنٹھ تکین میں قیدی بن کر رہ
تھا۔

اس چار رہبری کے سامنے ایک بڑا حافض رقی برقی
لہاں میں لاکھلی دسے تھا۔ اس کے پیچھے دوا میں بائیں مسلح
افراد مستعد تھکے ہوئے تھے۔ یقیناً وہ سب اس غارتے کے
باؤی گھوڑا تھے۔ وہی ان کا سرخس ہوگا۔

میں سمجھ رہا تھا کہ ان کا سرخس نہیں تھا۔ میرے
سامنے بھڑو ہو گیا ہے۔ میں اس سے اپنے محالہات منالوں گا۔
لیکن اب ماری ہو رہی تھی۔ میری پوزیشن ذرا کمزور ہو گئی تھی۔
وہ بڑا حافض کو کان سے لگائے بائیں گرد ہاتھ اور غصے
سے پاؤں تلخے ہوئے احر سے احر نہیں رہا تھا۔ اس کے جواؤی
تکین میں قید ہو گئے تھے۔ وہ قید ہونے والے اسے لون کے
دوسرے بن چکے تھے کہ ایک مسطر نے ان کے پاؤں کو دوا میں کو
مار ڈالا ہے۔ باقی دوا دار تکین میں چھپ کر رہنے کے باعث
ابھی تک زندہ ہیں۔

یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ تکین میں چر لیں ان میں سے
ایک سو فو ماؤسی اس بوڑھے سرخس کا گھوڑا جوان بنائے۔ اس
بوڑھے کا نام گولڈ ماؤسی ہے اور وہ اپنے بیٹے کی سلامتی کے لیے
پریشان اور ہاتھ۔

اس وقت وہ غصے سے پاؤں تلخے ہوئے کہہ رہا تھا کہ بیٹے
کو کوئی نقصان نہیں پہنچا جائے۔ جو مسخران سے دشمنی کر رہا ہے
اس سے کسی طرح بچھوٹا کر۔ کسی بھی طرح بیٹے کو بھرت جہاز
سے باہر آجائے۔

انہی کے پھر آواز ابھری۔ "اسے اچھی نہیں سونو ماؤسی
بول رہا ہوں۔ ابھی تکین کا دروازہ کھول کر تم سے بات کروں
گا۔ میرے وقت پانچ اور کو پانچ گنٹھ ہمارے قتلے پر رہے
گے۔ تم ہم پر کوئی چلاؤ گے تو ہم جہاز چلانے والوں کو زندہ نہیں
چھوڑیں گے۔ مرنے مرنے بھی انہیں مارا لیں گے۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک پارٹیشن کے پیچھے
آ گیا۔ ایک نیراوش نے دروازہ کھولا اور وہ سب تکین کے اندر
دکھائی دیتے گئے۔ پانچ اور کو پانچ گنٹھ تلخے تلخے سر جھکائے لوٹے
پر پڑے ہوئے تھے۔ مقرر ماؤسی اپنے ماتحت کے ساتھیوں کے
پیچھے تھا۔ انہوں نے جہاز چلانے والوں کو ان پانچ گنٹھ پر دھا
تھا۔ ان کی انگلیاں ٹریگر پر تھیں۔ ایک ساتھی اس ٹریگر پر دھا
پڑنے ہی گویاں دھل جائیں۔

مقرر ماؤسی نے دروازے کے اندر دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم
جانتے ہیں تم پارٹیشن کے پیچھے ہو۔ ہم سے بچھوٹا کر۔ ہمیں باہر
جانے دو۔ پھر ہمیں سلامتی سے جانے دیا جائے گا۔"

میں نے کہا۔ "میں صرف اپنی تکین ان تمام مسخروں کی
سلامتی چاہتا ہوں۔"

وہ بولا۔ "ہم تمام مسخروں کو اس جہاز میں جانے دیں
گے۔"

"جب جانے دو گے تو انہوں کی کیا تھا؟"
"ہم اس ملک کے مسخروں کو بھرت کرنا چاہتے تھے۔ یہ
مطلبہ کرنے والے تھے کہ ہمارے دوا داروں کو قتل سے رہا کر
جائے گا تب ہم جہاز کو یہاں سے جانے دیں گے۔ لیکن تم نے
ہمارے اس مشن کو کام نہ ہوا ہے۔"

میں نے کہا۔ "یہ بات مجھے نہیں آتی کہ مشن کام کیسے
ہو گیا؟ جگہ جہاز کو یہاں اتار چکے ہو۔ مجھ سمیت سیکڑوں مسخر
بھرتا رہے ہیں۔ تم لوگوں نے جہاز کو چاروں طرف سے گھیر
لیا ہے۔ تمہارا سرخس جو باہر کھڑا ہے وہ ناکام نہیں ہوا ہے۔
مسخروں سے اپنا مطالبہ منوا سکا ہے۔"

"مطلبہ منوانے سے پہلے ہمارا اس جہاز سے باہر جانا
ضروری ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیسے ضروری ہے؟ جیسے تمہارے پاؤں
آویں مر گئے۔ دیکھو تم دونوں بھی سرخس کے قتلے سے مر گئے
لیے کوئی فرقی نہیں پڑے گا۔ جب بالی ایک کشتی کی اتنی بڑی
ادوات کی ہے تو ادوات کی کامیابی کے لیے تم دونوں کی بھی
قربانی دی جائے گی۔ سرخس تمہاری موت کی کیا کہتا ہے؟"

وہ جواب اپنے سے اچھا نہ دے سکا۔ "مگر بوڑھے۔ تم رسول
جواب نہ کر۔ مسخروں کی سلامتی چاہتی ہے۔ انہیں یہاں سے جانے
دو۔ پھر تم سب کو بھی جانے دیا جائے گا۔"

"مجھے اذان بھی ہے۔ تمہاری کوئی اہمیت ہے اسی لیے
سرخس سلامتی سے تمہاری دوا ہی چاہتا ہے۔ تم یہاں سے باہر جانا
گے تب ہی وہ مسخرانوں سے کہے گا کہ اس کا مطلبہ نہ مارا گیا تو
اس جہاز کو مسخران سمیت تباہ کر دیا جائے گا۔ ابھی وہ سرخس بھرت
ہے۔ بالی دوا سے اس کا نام کیا ہے؟"

اس نے کہا۔ "گولڈ ماؤسی ہے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔ "دواؤں کے نام میں فوری مشن ہو
ہے اور مقرر اور گولڈ ماؤسی دوسرے سے ملے جلتے ہم دونوں نام
ہیں۔ دواؤں کے درمیان کوئی گہرا فرق ضرور ہے۔"

وہ بولا۔ "تم اصول باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔"
میں نے پوچھا۔ "کیا تم اس بوڑھے سرخس کے بیٹے ہو؟"

"نہی بات کرو۔"

میں کام ہی کی بات کر رہا ہوں۔ گولڈ ماؤسی کا بیٹا مقرر
ہو گیا۔ یہ درست ہے۔"

اس نے پریشان ہو کر اپنے لون پر سہرہ بٹھائیے پھر رابطہ
ہوئے۔ اپنے باپ سے سلامتی نام میں جگہ بولے لگا۔
مقرر طرف سے جواب سن کر لون بد کر کے بولا۔ "ہاں۔ میں
ہوں۔ وہ باپ ہیں۔ میری سلامتی چاہتے ہیں۔ تم سمجھو۔"

میں نے جتنے ہوئے کہا۔ "اب معلوم ہوئی ہے باپ بیٹے
کی سلامتی۔۔۔۔۔ تم یقیناً آگرتے بیٹے اور باپ کے بڑھاپے کی
آگاہی ہو۔"

وہ پارٹیشن کی طرف گھور کر دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔ "یہ
دواؤں جہاز چلانے والے ہمارے ناخدا ہیں۔ انہیں عزت سے
کرنا چاہیے۔"

وہ بولا۔ "تم اپنی بات کرو۔"

میں بات شروع کر رہا ہوں۔ پہلی بات یہی ہے انہیں
"ہم۔"
اس نے اور اس کے ماتحت نے بڑے مختلا اعداز میں ان
کے پیچھے رہ کر انہیں سیٹوں پر بٹھایا۔ میں نے کہا۔ "اپنے باپ
سے پورا ہم نہیں یہاں سے لے جائیں گے۔ جانی نقصان انہیں
نہی ہونا۔ آگے جا کر کسی ملک کے ایر پورٹ پر مہیا کر دیں
گے۔"

وہ بولا۔ "میں نادان بچہ نہیں ہوں۔ یہ جاننا ہوں کہ
دوسرے کسی بھی ملک کے ایر پورٹ پر پانچس لگے گرنار کر لے
کے لیے موجود ہوں۔"

اس نے پھر اپنے باپ سے فون پر رابطہ کیا۔ اس سے
انہیں کہیں۔ پھر مجھ سے کہا۔ "میرے فون پر تم سے بات کرنا چاہتے
ہے۔"

اس نے ایک ایر اوٹس کو اپنا لون دیا۔ وہ اسے میرے
پاس لے آئی۔ میں نے اسے کان سے دکا کر کہا۔ "ہیلو مسٹر گولڈ
ماؤسی! میں اپنی بات ہے۔ تم ہم پر بھروسہ نہیں کرو گے۔ ہم تم پر
بھروسہ نہیں کریں گے۔ گولڈ ماؤسی تمہاری بہت بڑی کمزوری
ہے۔ میں تمام مسخروں کی سلامتی کے بعد ہی تمہارے بیٹے کو
یہاں سے جانے دوں گا۔"

وہ بولا۔ "تم میرے بیٹے کو نہیں بھی لے کر رہا ہو گے
تو اسے کوئی دکر دیا جائے گا۔ میں تمہارا کہتا ہوں میرا بیٹا جیسے
ایسا ہر آنے گا۔ میں تم سب کو یہاں سے جانے دوں گا۔ ایک منٹ
کے لیے بھی نہیں داکوں گا۔"

اس کے کچھ میں بیٹے کے لیے بھرت پور ٹرپ تھی۔ اسے
وقت ایک ٹیپ وہاں آ کر دینی۔ اس میں سے ایک بوڑھی عورت
اٹھ کر دواؤں سے گولڈ ماؤسی کے پاس آئی اور قہقہے ہونے لگی
تھی۔ "میں نے سنا ہے میرا بیٹا مصیبت میں ہے۔ جہاز کے اندر
ہے۔ وہاں پر کیوں نہیں آ رہا ہے؟"

وہ اپنے شوہر کا بازو پکڑ کر بھرتوڑنے لگی۔ "اسے باہر
دکالو۔ سنا ہے کوئی دشمن اسے مار ڈالنا چاہتا ہے اور ہمارے پانچ
آدھیں کو مار چکا ہے۔"

وہ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے بولا۔ "تو رابھر کر رہو۔ میں اسی
دشمن سے فون پر بات کر رہا ہوں۔"

میں نے لون پر کہا۔ "گولڈ ماؤسی! میں اس کو اس کے بیٹے
کے پاس جانے دوں گا۔ اس کی ہمتا کو بھرتا ہوں۔"

"اور میں تمہاری چلم تھی سمجھ رہا ہوں۔ میں اپنے بیٹے
کے پاس جانے کی تو تم اسے گئی قیدی بنا لو گے۔"

غاقون نے یہ سنتے ہی ٹرپ کر کہا۔ "میں جازوں کی۔ اپنے
بیٹے کے پاس جانے کی۔"

وہ دواؤں سے ہونے سیر جوں کے پاس جاتے ہوئے کہہ
رہی تھی۔ "دواؤں کو فوراً آ رہی ہوں۔"

گولڈ ماؤسی نے نورانی آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ پھر اسے
کچھ کر سیر جوں سے دواؤں سے لے گیا۔ "بیٹے کے لیے پانچ
اور کر جاؤ گی تو تم بھی رہیں نہیں آؤ گی۔"

"ہاں! انہیں آؤں گی۔ وہاں بیٹے کے پاس تو رہوں گی۔
میرا بچہ وہاں اکلا ہے۔"

میں نے تکین کے اندر دیکھتے ہوئے کہا۔ "سونو ماؤسی! ا
تمہاری اس آگے ہے تمہارے پاس آنے کے لیے تمہاری دواؤں
کے لیے ٹرپ رہی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "قد گاڑ سیک۔ کوئی سمجھو
کر دو۔ مجھے باہر جانے دو۔ نہیں تو میری ماہر جانے کی۔ اس کا دل
بہت کمزور ہے۔ اسے ایک ہمارا سٹیک او چکا ہے۔"

میں نے کہا۔ "مجھے تمہاری ماں سے امدادی ہے۔ تم بھی
امدادی سے سوچو کہ اس جہاز کے سیکڑوں مسخروں کی سیکڑوں
بائیں گھری دواؤں پر ان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

وہ بولا۔ "مجھے فون دو۔ میں پانچ سے بات کروں گا۔"
ایر اوٹس نے لون لے کر اسے دیا۔ اس نے باپ سے
رابطہ کر کے کہا۔ "کوئی ایسا راستہ اختیار کیا جائے کہ جہاز کسی
رکاوٹ کے بغیر چلا جائے اور میں تمہارے اور مام کے پاس
سلامتی سے آ جاؤں۔"

اس کی کیا تدبیر ہو سکتی تھی جس پر عمل کر کے سب ہی مطمئن
ہو سکیں۔

ہوتے؟ وہ اپنے گھر اور ہم اپنے گھر پہنچ جاتے۔
 میں نے تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد کہا۔
 "مولانا کوئی ایک ہی راستہ ہے۔ تم اچھا دیکھو۔ میں تمہیں گن
 پوائنٹ پر یہاں سے لے جاؤں گا۔ پھر جب تک یہ چاروں قسم
 مسافروں کو لے کر نہیں جائے گا۔ تم میرے ساتھ لے کر جاؤ گے۔"
 وہ بولا۔ "یہ اتنی تدبیر ہے۔ میں اپنے سے بات
 کرتا ہوں۔"
 وہ فون پر بولنے لگا۔ تمام مسافر میری اس تدبیر پر
 اعتراض کرنے لگے۔ ایک عورت نے کہا۔ "اے رحمت کے
 فرشتے! تو کون ہے؟ ہماری سلامتی کی خاطر دشمنوں کے درمیان
 جائے گا۔ ہمارے جانے کے بعد وہ تجھے زندہ نہیں چھوڑیں
 گے۔"
 ایک مسافر نے کہا۔ "ہم تمہیں باہر نہیں جانے دیں گے۔"
 دوسرے نے کہا۔ "تم ہمارے ساتھ اسی جہاز میں
 رہو گے۔ ہم سب تمہارے ساتھ نہیں گئے تمہارے ساتھ میری
 ہے۔"
 ایک طرف سے آواز آئی۔ "ہمارا طیارہ گواہ نہیں کرے گا۔
 ہم جان و جان کر نہیں موت کے منہ میں جانے کوں دیں گے۔"
 ہر طرف سے کوئی نہ کوئی ہلکے بول بول رہا تھا۔ میں گھوم
 گھوم کر دیکھ رہا تھا۔ میری نظریں ساجدہ پر جم کر ٹھہر گئیں۔
 اس کے چہرے پر غم نہ تھا۔ وہ اب تک باپ کی
 موت پر روتی رہی تھی۔ آسویں چمکتے ہوئے مجھے بڑی عقیدت
 سے دیکھ رہی تھی اور میں اس کی طرف کھنکھاہٹ رہا تھا۔
 میں ان لمحات میں یہ نہیں جانتا تھا کہ خدا مجھے اتنی سوجھ
 دے رہا ہے۔ آخری موقع پر تھا کہ میں ہزاروں مسافروں کی زندگی
 بچانے کے لیے اپنی زندگی کو وہاں پر لگا دوں اور میں ایسی جگہ کر
 کے خدا کو راضی کرنے والا تھا اور میری پچھلی غلطیاں معاف ہو
 جاتیں۔
 لیکن آزمائش کے بغیر معافی نہیں ہوتی اور آزمائش یہ تھی
 کہ ساجدہ کے دوپٹے میں ہوس پکار رہی تھی۔
 شاید مجھے اسی لیے جوانی راہیں ل رہی تھی کہ میں بہک
 جاؤں یا سنبھل جاؤں۔ یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے یا
 تو وہ اس کا غلام بن جاتا ہے یا پھر ایک آزاد پار سامان بن جاتا
 ہے۔
 اس وقت میرے ذہن میں نیکی بدی کی کوئی سوچ نہیں
 تھی۔ میں ایک سو سو ایک ہزار کی طرح تمام مسافروں کو بچانے کا
 عزم کر چکا تھا۔ اپنی زندگی کو وہاں پر لگا کر چھوڑے اور جانے والا
 تھا۔ یہ ایک بات تھی کہ ایک دوشیزا میرے اندر چل رہی
 تھی۔ یہ پھر وہی تھی۔ کیا مجھے تھا چھوڑ کر جاؤ گے؟ وہ اس دنیا میں
 نہیں رہے۔ میرا اور کوئی نہیں ہے۔ بس ایک تم ہی تو ہو۔۔۔۔۔
 اس وقت سب ہی زندگی اور موت کے دو پہرے پر تھے۔
 میں بھی جان کی بازی لگا رہا تھا۔ کہاں ہے ایسے سنگین لمحات میں
 بھی محنت ہمارے اندر نہیں جاتی ہے۔
 مولانا فری نے کہا۔ "میں نے قیام سے بات کی ہے۔ وہ
 تمہاری دلیری سے خوش ہیں۔ مجھے حکم دیا ہے کہ میں ہتھیار چھینک
 کر تمہارے گن پوائنٹ پر جہاز سے باہر آ جاؤں۔"
 ایک مسافر نے کہا۔ "میں یہ شرط منظور نہیں ہے۔"
 دوسرے نے کہا۔ "اسے رحمت کے فرشتے! ہم تمہیں باہر
 نہیں جانے دیں گے۔"
 میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تاسوٹس ہو جاؤ۔ ابھی جہاز پانی
 اوپر اٹکی بائیں کرد ہے۔ وہ فوراً سوچو جب اس جہاز میں جان
 راست قیدی بن کر رہو گے۔ دوسرے دن سے قاتلے شروع ہوئی
 گے۔ پینے کے لیے ایک کھوٹ پانی بھی نہیں ملے گا۔ بچے دو دو
 کے لیجر اور چار ماواؤں کے لیجر تو اب تو بے کمرے رہیں گے تو کیا
 اپنے پیادوں کو اس طرح مرنے دیکھ سکو گے؟"
 سب کو چپ لگ گئی۔ باپ اپنے جوان بیٹوں کو اور بیٹے
 اپنے بزرگوں کو دیکھنے لگے۔ ماؤں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیے
 سے لگا لیا۔ وہاں کوئی ایک نہیں سب ہی ایڑھیاں رگڑ رہے تھے۔
 مرنے والے تھے۔
 میں نے کہا۔ "جذبات سے نہیں عقل سے سوچو۔ میں
 کہ ایک کو اپنی جان پر نہیں کر سب کو سلامتی کے تحریک جانا ہے
 اور میں تم سب کو گھر پہنچاؤں گا۔"
 پھر میں نے مولانا کوئی سے کہا۔ "اپنے باپ سے بوجھ
 تم گن پوائنٹ پر جہاز سے باہر آؤ گے تو تمہارے تمام مسلح آدمی
 ہتھیار چھینک کر ہم سے بہت دور ایک جگہ رہیں گے۔ کوئی
 پھپھ کر مجھ پر حملہ کرنے اور ہتھیار نہیں جائے گا۔"
 وہ فون پر ہاتھ رکھ رہا تھا۔ یہ باتیں کرنے لگا۔ میں نے
 کہا۔ "میں تمہاری باتیں دانتے دار نہیں ہوں۔ اپنے باپ سے بولو
 جہاز کی بیٹوں کے پاس وہ پھپھ لے آئے جس میں ابھی تمہاری
 ماں آئی ہے۔"
 وہ ابھی بولنے جا رہا تھا کہ میں نے کہا۔ "اور سنا اس جیب
 کی اگلی سیٹ پر تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھو گے۔ میں پچھلی
 سیٹ پر رہوں گا۔"
 وہ پریشان ہو کر بولا۔ "اپنے میری سلامتی کے لیے جہاز کو
 جانے دیں گے اور تم یہاں سے لگی کر میری سلامتی کے لیے خطرہ
 بن رہے ہو گے۔"

http://www.pakfreesoft.com

Shree

شمرقند

شمرقند

کے ساتھ

اعلیٰ کوالٹی گلاس مفت

Shree

شمرقند

اس میں صرف شمرقند

اس کی دستیابی اب تمام ہزاروں

وہاں سے ادا نہیں کیے گئے۔

ہری سدا سدا کے لیے کوئی چاہ کی نہ دکھا۔ مگر سدا مست

پھر ایک موٹر پر چسپ اور مری سمت جانے لگی تو وہ سب
لکڑاں سے ادا ہو گئے۔

کولہاٹوی کہیں دم تھا۔ "اگر چہ وہ ہمیں قصاصات پہنچا رہا ہے۔"

اس کے وجود پائنت اور کپالت میر سے بچنے کے لئے پد
 لہذا۔ جہاز مارے چلے میں ہے۔ ہم وارنگ دیتے ہیں اگر کوئی
 جہاز یا فیکل کا پڑا اس علاقے سے گزرے گا تو ہم انی جیک اسے
 والے جہاز کو تھوکر دیں گے۔"

جہاز کی حفاظت کے ساتھ میر کی موت بھی تھی۔ یعقوب نے
 بڑھاپے پر جھگڑا کی طرح دیکھا۔ لیکن وہی سے خبریں سنائی جارہی
 تھیں کہ پانیوں کی طرف سے خاموشی ہے۔ یہ نہیں بتایا جا رہا ہے
 کہ جہاز کے اندر کیا ہو رہا ہے؟ وہ کب لڑائی پر اترے والا ہے؟
 تقریباً آدھی سے زیادہ دیکھائی دئی کے سامنے ٹھس ہوئی
 تھی۔ سب ہی خاموش ہیں تھے کہ کیا ہونے والا ہے؟ وہ سوچیں
 مسافروں کے خاندان بری طرح فیلڈ میں تھے۔

سب ہی کہہ رہے تھے کہ جس شخص نے جہاز کے اندر پانچ
 باغیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ واقعی پانگ ہے۔ اس نے
 خواہ مخواہ سیرہ ہٹنے کے لیے تمام مسافروں کی زندگی خطرے میں
 ڈال دی ہے۔ باقی کسی کو ذمہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ اپنے مشن
 میں کام ہوتے ہیں جہاز کو تھوکر دیں گے۔

پادری دینا کے یوز جینز کو ٹوک فون کر رہے تھے اور
 میر سے خلاف پول دے رہے تھے۔ یعقوب بگڑ رہا تھا کہ میر سے خلاف
 خبریں سن رہا تھا لوگ بچ رہے تھے کہ وہ پانگ نہیں دینا ہے؟
 پھر باغیوں کے لیڈر کو پادری سے فون پر رابطہ کیا
 گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ وہ جہاز کی قاتل کون ہے؟ اس کا نام
 معلوم ہو گا تو کیمپ کے اندر سے صرف اس کا نام ہی نہیں پتا لگنا
 بھی معلوم ہو جائے گا۔

کوئی فونی نے کہا۔ "اس نے اپنا نام نہیں بتایا ہے۔ ہم
 سب اسے مسٹر ان فون کہہ رہے ہیں۔ ابھی میں کسی شخص کی سے
 بات نہیں کر سکیوں گا۔ بہت مصروف ہوں۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب نے ایک جاں شیر سے
 فون پر کہا۔ "کیا تم لوگ موجودہ حالات میں بھی پاپا سے ناراض
 رہو گے؟ کیا میں اپنی بیوی اور بولے والی بیٹی کی سزا دینی کے لیے
 ابھی یہودی ماں کے سامنے کھڑے ایک دوں؟"

اس نے کہا۔ "بہرگئی نہیں چاہیں گے کہ آپ کی رات کو
 وہاں قتل پڑ جتے سے روکا جائے۔ پھر انکس اور آپ کی بولے
 والی بیٹی کو آکھڑ یہودی بنایا جائے۔ آپ انتظار کریں۔ ہم انکس
 وہاں سے نکال دیں گے۔"

یعقوب نے پوچھا۔ "اور پاپا...؟"
 "فی الحال ان کے لیے میر کریں۔ دیکھیں کہ وہ کس اور
 چل رہے ہیں اور کہاں پہنچنے والے ہیں؟ اس بار انکس کے ساتھ
 تعلقی کی طرف سے آؤ۔ انکس میں جتنا ہیں۔ انکس کے معاشے
 ہے۔"

میں اور کچھ نہیں کہیں گے۔"
 اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ یعقوب نے جھنجھلا کر فون
 مرنے پر چیخ کر دیا۔ وہ میر سے خلاف کچھ سن رہا تھا
 وہ بتا تھا۔ جیک ساری دنیا لیڈر جینز کے ذریعے مجھے طعنہ دکھا رہی
 تھی۔ وہ کسی کا منہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ اب یہ سوچ کر یہ بیٹیاں
 ہورہا تھا کہ جہاز میں میری اصلیت ظاہر ہو جائے گی کہ میں شہری
 انکس ہوں تو میرا انجام کیا ہوگا؟

پھر ایک نکتہ رہ خوشی سے کھل گیا۔ خبر سنا فی جہاز کی قتل کر رہے
 پانگ جہاز کی قاتل کہ جہاز تھا اس نے اپنا ٹک وازی چلت دئی
 ہے۔ پانیوں کے لیڈر کو اس کی بیوی اور بیٹی کو اپنے چنگل میں
 لے کر جہاز کو اور مسافروں کو ان کے قتلے سے نکال دیا ہے۔

یعقوب نے بڑے فخر سے کہا۔ "لو پاپا آپ نے جاں
 شیروں کے فخر کیا ایسا کارنامہ انجام دیا ہے۔ آپ سے ہر ملن
 ہونے والے جاں شیر مندہ ہورہے ہوں گے۔"

خبروں میں کہا جاتا تھا کہ اس انکس نے اب تک اپنا نام
 نہیں بتایا ہے۔ جہاز میں اس کی بیٹی میر کے ذریعے اس کا نام
 اور پتا معلوم کیا جا رہا ہے۔

لیڈر کے تجزیہ نگار کہہ رہے تھے کہ وہ اپنی جہاز تمام
 مسافروں کو رہائی دلانے کے لیے فی فیلیڈ کے بیٹے کے ساتھ
 جہاز سے باہر گیا ہے۔ اس نے مسافروں کی سزا دینی اور اپنی
 لیے خود کو شمشیر کے درمیان دھکیل دیا ہے۔ اگر ایسا کرتا تو کسی کو
 رہائی نصیب نہ ہوتی۔

کوئی دیر بعد ہی یہ خوشخبری سنائی۔ جہاز تمام
 مسافروں کو رہائی دے رہا ہے۔ پڑاؤ کرچکا ہے اور آگ سے کھلے میں
 طراش کے زیرِ دست یہ کھینچے والے ہے۔

یہ کچھ بتایا جاتا تھا کہ وہ کھینچا ہوا تھا ایک جوش
 لڑکی کو جہاز سے باہر لے گیا ہے۔ اس لڑکی کے آپ کو پانیوں
 نے مارا تھا۔ یہ ایک بیٹی تھی۔ جب وہ انکس یہ بھی طرح
 جانتا تھا کہ وہ پانچ باغیوں کا کمانڈر ہے۔ جہاز کے باہر تمام
 اسے زخمی نہیں لگواؤں گے۔ یہ جانتے ہوئے بھی وہ ایک لڑکی کو
 ساتھ لے کر اپنے کیمپ لے گیا ہے؟

طراش حرکت کی قیاس آرائیاں ہورہی تھیں۔ شاید اس
 نے اپنے کمانڈر کے آپ کی ہلاکت کے بعد تھک کر بیٹھی تھی۔

پھر یہ عمل اور مسافروں کا بیان سامنے آیا۔ انہوں نے کہا
 کہ وہ اپنی کمانڈر فی فیلیڈ کا وار اس کی تعلی اور بیٹے کو کون پوچھت پر
 تمام سکا پانیوں سے میلوں دور سے چالنے کی پتنگ کرچکا تھا۔
 اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے لڑکی کو ساتھ لے گیا
 ہے۔

پاپا نے کچھ کہی کہ وہ جہاز اور لڑکی ایک دوسرے کو
 بچانے کی راہیں تلاش اس کے ساتھ تھی ہے۔

اس طرح پاپا نے کہا۔ "ان کے درمیان عشق و محبت دلی کوئی
 بات نہیں کہی تھی۔ کیونکہ وہ اپنی بہت مر رہا تھا۔ تقریباً ساتھ
 لڑکی اور لڑکی ہیں پانچ برس کی ہوئی۔"

یعقوب پر ٹک نیوز پڑ رہا تھا۔ تجزیہ نگاروں کی باتیں
 پاپا کو لگتوں کے اور نیچے بھی کہہ رہے تھے کہ وہ جہاز
 اور جہاز کا ہمارے لیکن میاں میں ہے بہت بڑا کارنامہ انجام
 دیا ہے کہ ایک لڑکی کو انعام کے طور پر لے گیا ہے۔

میرا بیٹا اپنے باپ کے بارے میں ایسا باتیں سن کر
 حیران رہا تھا۔ پھر بھی دل کو سمجھ رہا تھا۔ "میرا پاپا ایسے
 ہی ہے۔ اس لڑکی کے آپ کو مل گیا ہے۔ وہ تھا ہوئی
 تھی۔ پاپا نے اس کے ساتھ رہا ہے۔ اسے اپنی بیٹی بنا کر لے
 گئے ہیں۔"

میں اپنے بیٹے کا اور لوگوں کو اس بات پر قائل نہیں کر سکتا تھا
 کہ جہاز کی طرف رہیں آگیا ہوں۔ پہلے ستر برس کا تھا۔ اب
 وہ ستر برس کا ہو چکا ہوں۔

کوئی یہ جان نہیں سکتا تھا کہ اس بری بچے آکر اندر سے
 اس کو دھکیل دیا۔ دینا دے تو میرا ظاہری جزو چاہا دیکھتے رہیں
 کے اور جوان لڑکیوں کو میری بیٹی کہتے رہیں گے۔ میرا بیٹا بھی یہی
 کہہ پاتا تھا۔

اور بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ایک تو میر سے متعلق جو سن
 رہا تھا اسے اس کا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔ پھر یہ کہ اس کی محبوبہ
 اس کی شریک حیات کو قتل نہیں لے گئی تھی۔ جاں شیر اس حد تک
 گھبرانے ہو گئے تھے کہ انہوں نے منہ کو مارا کے قہقہے سے نکال
 لانے کا وعدہ کیا تھا۔

میر اپنی بیوی کو لے آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بیٹا اپنی
 بیوی اور بولے والی بیٹی کے پیچھے ورتا چلا آئے گا لیکن وہ نہیں
 آیا تھا۔ اس نے بیوی کو ایک آرام دہ مکان کے اوپر ہی حصے میں
 قید کر رکھا تھا۔ وہ جس کمرے میں تھی۔ اس کی کھڑکیوں پر باہر
 سے بند تھیں۔ انکس کھول کر کسی کو دھکے سے پتھر نہیں سکتی
 تھی۔ ایک دوڑ دوڑ کو پڑ رہا تھا۔ اس کو پڑ رہا تھا۔ ایک
 لڑکھنڈ غم کی طرف جاتا تھا۔ وہ سچا پھر سے راز ہو رہا
 ہے۔

میرا لے کر رہے میں آکر کہا۔ "میرا بیٹا تمہاری حد کے
 لیے نہیں آ رہا ہے۔ کیا جاں شیر اس کا ساتھ نہیں دے رہے
 ہیں؟ کیا اس کا آپ تمہاری مدد کرنے آئے گا؟"

وہ بولی۔ "ہاں، پاپا آج یہاں آئے والے ہیں۔ آپ سمجھ



میں سمجھ رہی ہوں کہ میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے
 میرا بیٹا میرا بیٹا ہے تو میرا بیٹا ہے میرا بیٹا میرا بیٹا ہے

صنم نے اس کے فون پر چھٹ کر کہا۔ "رک جاؤ۔ پچھلے مجھے یقین تھا کہ بات کرنے دو۔"

جھپٹنے کے باعث محلہ کے ہاتھ سے قتل چھوٹ کر فرشتے پر
 گر گیا۔ اس نے بھی محالہ کر جسم کو بھگا دیا۔ وہ خود اسے سے کھرا گئی۔
 پھر پلٹ کر لوٹنے کے پاس آئی۔ وہ فرشتے پر چڑھ کر اچھال دلوں سے
 اٹھانے کے لیے جھپٹیں تو ایک دوسرے سے کھرا گئیں۔ دلوں میں
 فرشتے پر گر چڑی۔

مولا نے فوراً ہی اللہ کو اس قون کو ہاں سے اٹھایا۔ منہم کا
پہتہ بھولا ہوا تھا۔ وہ تکلیف سے کرا رہے ہوئے اٹھتے ہوئے
بولے۔ "میں کسی کو قون نہ کروں۔ پہلے مجھے یعقوب سے بات کرنے
والی"

روا لیتے تھے جانی تھی۔ محالاً نے اس کے پیٹ پر ہڈی کی لامت
بار کی۔ وہ تکلیف کی شدت سے چیختے ہوئے فرش پر گر کر رہ گئے
گئے۔ محالاً نے دوسری بار پھر اسی جگہ ٹھوکر ماری۔ اس کے حلق سے
چھوٹیں لگنے لگیں۔ وہ ایسے چیختے گئے جیسے اسے ذرا کیا جا رہا ہو۔
محالاً نے دیر سے بھاڑ کر دیکھ۔ وہ جہاں تڑپ رہی تھی
وہاں فرش پر خون پھیل رہا تھا۔ سات، دھاک کی ہتھی کر دیا میں آئے
سے پہلے ہی اسکی ٹھوکریں لگی تھیں کہ وہ خون قھونکے لگی تھی۔

مکالمے کو دیکھ کر اس کا لہجہ لہان اُتار دیا۔ کاڑھا ہوا ایسے
فصل رہا تھا جسے گوشت کا لہجہ اُکڑے ٹکڑے ہو گیا ہو۔ سب اُترا
تنگیوں میں کر سڑیاں چڑھتے ہوئے دہرا رہے تھے۔
مکالمے کے سہ پہر آتے ہوئے کہا۔ "یہ شاید نہیں
بچے گی۔ اسے مرنے دو۔ پوچھو۔"

وہ لوگوں پر غبر چڑھ کر رہے ہوئے سڑکیاں اتر رہی تھیں۔ کمرے سے چھینٹ پڑ پڑ کر باہر آ رہی تھیں اور وہ چھینٹیں بڑھتے بڑھتے دم توڑ رہی تھیں۔ اگلے فون کوکان سے لگا کر اوپر کمرے کی طرف دیکھا پھر بیسویں تنظیم کے سربراہ خوف میں سے کہا۔ "ہاں ایک بار بدست اطلاع ہے۔ آج رات نو بجے جو بھی ملاٹ یہاں آ رہی ہے۔ اس میں قمری اسٹوگ۔"

خوف میں جہاں بیٹھا تھا وہاں سے اچھٹ پڑا۔ "کیا کچھ کہہ رہی ہو؟ تمہیں کہاں سے اندازہ مشین میں سے؟"

آپ ہاتھ لگا کر اس کی ہڈیوں کو مڑا کر کے لے آئی
 ہوں۔ اس نے ہوائی میں یہ راز میرے سامنے اگلی دیا ہے کہ
 خدائی اس کی مدد کرنے مات کو بجے کی خدمت سے
 رہا ہے۔

مراقبہ ہے کہ نمود شمشیر سے روانہ ہو کر میوں پہنچے و اسے ایک جہاز

کوہاں چپک کیا گیا ہے۔ پھر تھوڑی سی دیر بعد یہ چڑھکا دینے والا
خبر سنانی لگی ہے کہ ایک مسافر نے پانچ ہائی ٹیکر کو موت کے
گھاٹ اتار دیا ہے۔"

اس نے ایک مرتبہ یہ باتھ مارنے ہوئے کہا۔ "میں قسم کر کر کہہ سکتا ہوں کہ تمام ملی قبیلوں سے لڑنے والے اور انہیں مارنے والے شیطان تمہاری ایسی ہی ہے۔ یقیناً وہی جہاز رات ٹوہا یوں نہ کہچھوڑا تھا۔ اب دیکھنا یہ کہ کونسا کیسا ہے؟"

مکالمے کیا۔ "اگرچہ میرا کافر ہے مگر میرا مرد ہے۔ میں
 ساری رات رگ کو پچھاتی ہوں۔ یہ کسی مذہب و ست پناہ تک کے
 مابقی ہائی جیکر تو رہے گا۔"

اس نے سرائی کھانہ کھانے کے لیے طرف دیکھا۔ وہ خاموش رہا۔ شاید خاموشی سے توبہ رہی تھی۔ منہ سے آواز نہ نکلنے کی وجہ سے خاموشی تھی۔ کوئی اسے پا چھنے والا نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ تہ کی کامیابی میں کھڑا رہی تھی۔

مولا نے یہ پیشکش انکار کر کہا: "اس میں نے اس کی بہادر
 ہے۔ چنانچہ ان لوگوں سے آپ بھی گم" میں ابھی اس شہر سے
 جاؤں گی۔"

تو کسی نے کہا ایک مدت کے بعد وہ ہماری نظروں سے غائب ہو جائے گا۔ ہم اسے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔ ہائی سے لڑ رہا ہے آخر اس جہاز کو میسر ہو گا یا نہیں اس بارے میں جتنی باتوں پر ہاں ہیں ان سے کہو وہی ہو۔

وہ بولتے ہوئے دمک گئی۔ سامنے اس کے منہ پر جو سونے کی
خیمیں تھیں کہ وہ انہیں چھوڑ کر جانچوں پر حاوی ہو گئیں۔ اس نے
سر دار کو اس کی بیوی اور لکھوتے ہوئے گونج کے ساتھ پہنچا کر
مسافروں کو دہائی دلائی۔ یہ سب کچھ جہازوں سے چہرا
پر آواہم سے لکھتے ہیں۔ یہ وہی ہے جس نے والا ہے۔

دھر جانا فی دینی لیا کرتے ہیں خبریں سن رہی تھی۔ ہوف
یہ کہہ رہا تھا۔ "اے بانی کائنات! یہ تعزیری ایسا شیطان کا بھیجی ہو
تو میں اس کو اپنے دل سے کسی طرح ترمیم یا قبول کو کر رہا ہوں
اور ان کے چہرے سے نکال کر دو سو گنہگار مساکین کو کھانا
دے کر ان کو بخش دیا ہے۔"

۱۲۰ نے کہا۔ "ایک سزاوارہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ایک جوان
ساتھ میں ویران علاقے میں رہ گیا ہے اور وہ قہر کے
ساتھ ہی رہ رہے سمیت کہیں سے جا رہا ہے۔"

اس اہم معلوم کرتا ہوں ایسا تیس سو دویسہ ہزار روپے کا مقام کہاں
اس اہم اہم یہ کہل ہن کر کسی ایسی آبادی کی طرف
کے گورنر کاغذ پر اس سے کچھ نہیں ملے وہ کم

ایک لمبیل دست کے بعد ہار کی قطروں میں آئے گا۔ ہم
 خدا کو نہیں چھوڑیں گے۔"

نماز کے کہا۔ "مجب میرا پیہاں کوئی کام نہیں ہے۔ میں
 راز الہی۔"

اس لئے سر اٹھا کر مارا پردہ کھینچا۔ پھر کہا: ”وہ میری سگی ماں ہے۔“

دوستی ایک ایسی ضروری سامان کہ جسے ہر شخص کو ہونا چاہیے۔
جس میں چٹائی ہو۔ جس میں ٹیبل ہو۔ جس میں کرسیاں ہوں۔
جب وہ بچے میں پھنسے ہو تو وہاں وہ بچہ ہی نہیں رہتا۔
جس میں بچوں کے ساتھ جانا ہو۔

جاس خمار بڑی احتیاط سے بننے لگا۔ گھر کے اندر سے نکل کر گھر کے باہر گئے۔ گھر کے اندر سے نکل کر گھر کے باہر گئے۔ گھر کے اندر سے نکل کر گھر کے باہر گئے۔

اسم کا احوال یہ ہے کہ ہر شخص ایک خاص کار نے اس سے نظر کیا جاتا ہے جو اسے بدلے سے چاہ رہا تھا مگر اس پر ڈانٹا۔ صاف چاہتا رہا کہ اس پر ظلم کیا گیا ہے اور وہ اس کا مسئلہ حل کرنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا: "وہ چہلیدار اور نورانی کنی ہوگی۔"
 اس شہر سے ہر جانے والے تمام مسافروں پر ابھی جائیں گے تو
 ان کی عمریں جائیں گی۔"

و امپتیر کی سے ملتے ہوئے قانون پر دوسرے ہاں
کاروں سے رابطہ کرتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

دو جہازیں ٹکرائیں۔ ایک جہاز کے پاس روکے۔ انہوں نے جی میں وہاں سے چلتے ہوئے لوگوں کے ارد گرد پیچھے چلیں۔ کوئی سراسر اور کی اطلاع دی۔ پھر ہر آسمانی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے دور ہو گئے۔

ایک نے کہا: "اُم بیضیہ باہر کو اٹھی احتیاج میں میرا
 گھر دو گم و غصے سے بے قابو ہو کر لاش کے پاس آگئیں گے تو
 میں انہیں شہر میں گر توڑ کر رکھ دوں گی۔"

دوسرے نے کہا۔ ”ہاں۔“ آخر ہے پچھیں خود انہیں اسی
 اپنے کی اطلاع دے۔“

اس کمرے میں منعم کی پیش کے پاس اس کا ونڈ بیگ پڑا
 تھا۔ احمق پر انہیں نے اس میں رہ گئے ہوئے کاغذات سے مجبور ہو کر
 کرا دیا تھا۔ سوائے شوہر کے ساتھ وہاں کوئی دوسرا شخص نہ آتا تھا۔

پچیس افسر نے یقیناً کے پاس آکر پوچھا۔ ”تمہاری
 حالت کمال ہے؟“

اور اللہ اللہ کو شاہد کے لیے کہی گئی۔ میں پریشان
دل ہو، کہاں رہ گئی ہے، اس کا لون بھی خند ہے۔

کھڑا ہو گیا۔ اسے بتایا گیا کہ اس پر قلم کیا گیا ہے جس کے باعث عمل ضائع ہو گیا ہے اور وہ مرنے لگا ہے۔

وہ اپنی کسی کے ساتھ محالہ کے دریاں تنگے میں آیا۔ اپنی
 ٹریک حیات میں وہ کوہِ ترینِ حیات میں دیکھ کر ٹپ گیا۔ وہاں
 سے پتہ نہ ہوتا چلتا تھا۔ سبھیوں نے اسے کھڑکیا۔ لاش کے
 ٹریک پہنچا۔ وہاں وہاں مرزا آگئے تھے۔ وہ اپنے
 بعد پر کا دوا نکال کر دے تھے۔

میتوب سے طعن طرح کے سوالات کیے جا رہے تھے۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا: "میری ماما اور ابا میسول کی تعلیم کی ایک علیحدہ پلہ ہے۔ ابا سے میری فطرت نکلتی تھی۔ اس نے میری جیڑی کو انھا کرنے کے بعد مار ڈالا ہے۔ وہ اب بھی اسی شہر میں ہوگی۔ سے فرار ہونے سے پہلے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔"

تمام جاں نثار محلا کے پیچھے گئے تھے۔ پولیس والے بھی
سے ڈھونڈنے لگے۔ یحیٰی سب سے پہلے گریختہ گیا۔ چوست باہر
کے بعد ستم کی آتش ملنے والی تھی۔ وہ اس کی تھجید و تدبیر کے سلسلے
میں مصروف ہو گیا تھا۔

ایسے وقت بیمار ہو گیا تھا۔ سوچ رہا تھا: "یہ دیکھتے ہی دیکھتے
 کیا ہو گیا؟" ہم کتنے اور باتوں سے ایک نئی ہی بات کا اظہار کر رہے
 تھے۔ اچانک ہی ہاں میں ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔
 مجھے کس کتنا دکھ ملا کہ مرنے والی تھی؟"

اس کے الحمد سے ایک آواز ابھری۔ "اپنے باپ کے
گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک گیا۔ شہید کی سے سوچنے لگا۔ ”کیا
 جہاں شہید مسک رہا ہے وہاں؟ کیا؟“ شہید نے اشارے کیے
 کی کہ وہ ہے جہاں کہ وہ سنا تھا جس کو بڑا حاسطیا کر جواں لڑکی کو
 جہاں سے اس کے اپنے ساتھ لے گیا ہے؟“

سب سے بڑا بھوت کو چھوڑ کر کسی کمرے میں اس لڑکی کو رکھیں
 ۲۔ کیا ہوں؟ اگر اسے بینا بنا دوں تو جہاز میں سلامتی سے چھوڑ
 ۳۔ آجے ساتھ بھڑات سے کھیلنے کے لیے کیوں لے گیا ہوں؟
 وہ کھلی دہانے پر بیٹھ کر رہا تھا۔

راست کی گھڑی ہمار کی ہمارے ساتھ تھیں۔ مقرر تھیں۔ جیپ
کی ویئر لائن کے باعث آگے بڑھا ہوا موٹو ٹائرس اس کا اپنا
اس کی ماں مائے کی طرح نکلی اسے دے رہے تھے۔

بچھلے حصے میں چپ کے ایک گوشے والی سہل پر مٹی
تھامنے سے مٹی کو مٹی پر رکھ کر چپ کے ایک گوشے والی سہل پر
مٹی کی ایک گوشے پر رکھ کر چپ کے ایک گوشے والی سہل پر

پکا سڑک سے دلا سوکھ کی دھڑکی پر کھٹی جھاڑیوں میں۔
میں نے ان کے پیچھا کر چپ کر دوک دیا۔ ہینڈ کش بچھا دیں۔
تاریکی ہمارے چاروں طرف اور گہری ہوئی۔ وہ ہم کو یوں
"لاکھس کیوں بچھا دیں؟ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

میں نے کہا: "مگر دشمن چھپا کر رہے ہوں گے تو پکی
سڑک سے گزرتے ہوئے انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ ہم جیب کے
ساتھ یہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

میں ہلکا ہوا جیب سے اتر کر سامنے کی طرف سے گھوم کر
اس کے پاس آئے لگا۔ اس نے پوچھا: "آپ کہاں ہیں؟"

میں نے ہاتھ قریب رکھ کر کہا: "تمہارے پاس ہوں۔"
وہ غولب کے برے سے کھڑی ہوئی۔ یہ سوچا کہ میں کتنی کوشش
ایک طرف سے کم ہو کر دوسری طرف سے اس کی رہائشوں کے
ہاتھ قریب آ جاؤں گا۔ مگر میرے پاس انسان سے نہیں بھرت
سزا لگتا ہے۔ اس کے نقطہ نظر سے میں بھرت ہی تھا۔

وہ کھٹی ہوئی گئی۔ میں نے اسے بازوؤں میں اٹھالیا۔ وہ
ہاتھ پاؤں جھٹکتی گئی۔ مجھے ہاتھ نہ لگا سکیں۔ چہاڑ میں انہوں نے
ہاتھ لگا دیا تھا۔ یہ جیانی کی تھی۔ میرا دم نکل رہا تھا۔ آپ ایسا کریں
گے تو میں مر جاؤں گی۔"

میں نے اسے سڑک میں پرکھ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ تھوڑی دیر
بعد وہ سارے اعتراضات بھول جائے گی۔ مجھے ان لحاظ میں
ایک ذرا غماست نہیں تھی۔ ایک ذرا سا بھی یہ خیال نہیں تھا کہ
میں ظلم کر رہا ہوں۔ میں پوری سچائی سے یہ سمجھ کر چکا تھا کہ اسے
آج کے بعد عزت اور مان مرتبہ دیا جائے گا۔ وہ صرف شریک حیات
ہیں کر تیش و عشرت سے زندگی گزار رہی تھیں۔

انہی فیکٹیاں کرنے والا تھا تو نہیں ہو سکتا تھا ان فطریات
کرتے وقت اپنے حق میں بڑے نفوس دلائی یاد کر لیتا ہے۔

وہ بھر بھری تھی والی دشمن پر پڑی تھی۔ میں اس پر چھا
ہوا تھا۔ اسے دھت مٹوس ہوا کہ وہ ڈھیل پڑ گئی ہے۔ اب اعتراض
کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں جھٹک رہی تھی۔

ہم تارکی میں ایک دوسرے کو دکھائی نہیں دے رہے
تھے۔ میں نے اس کے چہرے پر جھک کر کہا: "میری گردن میں
پانچ ڈالو۔"

وہ ہکا بکا بولی۔ چپ تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا
اسے اپنی گردن پر دکھا پھر اس پر جھکا تو وہ ہاتھ کٹی ہوئی تھی
طرح ایک طرف اٹھک گیا۔

جیب ہٹکی ہار اس پر جھکا تو وہ سانسوں کی حرکت لے رہی تھی
"دوسری ہر حرکت نہیں کی۔ وہاں مردہ مڑی تھی۔
پھر میں چونک گیا۔ میں نے اپنے سینے کا بوجھ اس کے

سینے پر ڈال رکھا تھا۔ وہاں اب دھڑکنیں مٹوس نہیں ہو رہی
تھیں۔ دل خاموش تھا۔ میں پورا اٹک ہو کر بیٹھ گیا۔ جیب سے
سرواں نکل کر اس کی گھٹی ہی مار رہی تھی۔ اس کا چہرہ نکل
آ گیا اس میں تھکے پر سوت کی خاموشی تھی۔ اس کے ایدے
پائیں گئے تھے۔

میرے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ یہ کیا ہو گیا؟
میں نے اس کی گھٹی ٹٹولی۔ سینے سے کان لگا کر وہاں
میں کہا: "جھک کر آؤ۔ تمہارے سینے سے کچھ نہیں کیا ہے۔ تم آپ ہی
خاموش ہو گئی ہو۔"

میں نے تاریخ بچھا دی۔ ایک جوان چٹنی ہوا بدن مردہ
ہو جائے تو ہماری ہوس کیوں مردہ ہونے کی ہے؟ میں فریاد تو
میری ہوس کو بھی فریاد ہوتا ہے۔ چاہے تھا لیکن اب ضمیر بیدار ہو کر چیخ
رہا تھا۔

"اگر عزت اور مان مرتبہ دینے والے تھے تو ذرا صبر کر
لیتے۔ کسی انسانی آزادی میں جا کر اس سے نکاح پڑھا لیتے۔ وہ بار
ہر کہہ دیتی تھی کہ نکاح سے پہلے ہاتھ نہ لگاؤ۔ لیکن تھوڑی نظر میں
نکاح وانی اور راحت کلب والی برابر ہو گئی ہے۔

تم یہ سامنے والے نہیں تھے کہ ہماری رعایا میں ابھی جیا
رہا تھا تھا۔ یہ کھن مجھ کو نہیں ہے۔ حقیقت ہے کہ شرم و عیالیاں تھی
جنگ شرم سے مر جاتی ہیں۔

میں اس سے دور ہو کر پیچھے ہٹ کر جیب سے کھینچ کر
تسلیم کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری وجہ سے مر گئی ہے۔ وہ میں نے
اسے مارا ہے۔

میں اس جیم لڑکی کو کیوں ساتھ لایا تھا؟
میں شہزادہ اور دلیر تھا۔ جان کی بازی لگا کر غفلت سے
کھیل کر میں نے وہ کوششیں نہ کیں جن سے جیانی تھیں اور ان
میں سے ایک بے سار لڑکی کو سامنے لایا تھا۔

"تو کون... میں بھاری پختے گا۔"
"نہیں... میں سے کھنسا مارا ہے۔ ہاں ہاں۔ میں نے
ایک مضمون کیا ہے۔" میں انکار کر رہا تھا۔ لیکن ضمیر کی رو
پڑ رہی تھی۔ اگر وہی مر رہا تھا۔

میں نے سامنے اپنی فطریات کا اعتراف کرتے ہوئے
میں نے کہا: "ہاں اور تک کوئی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ تار کی میں خود کو
میں نہیں دیکھ رہا تھا۔" ہے آپ سے چھپ کر فطریات کا اعتراف
کرتے تھے۔

"ہاں۔ میں ہوس پوری کرنے کے لیے اس مضمون کو چھپا
سے باہر لایا تھا۔ میں شیطان ہوں۔"

تھوڑی سیٹان افروز باتیں میری کچھ میں نہیں آتی
تھیں۔

پھر وہ اس کے راستے کے قریب رک گئے۔ وہاں میری

میں اسے بھی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ اگر وہ مجھے چھوڑ
کرتے جاتی تو دوسرے دن اپنی بھوک مٹانے کے لیے اسے بھی
کھاتے۔

مجھے کیا ہو گیا تھا؟ اس وقت یہ باتیں مجھ میں کیوں نہیں
آئیں؟ اب دیوانگی کہاں گئی؟ میرے قریب ایک ان چھوٹ
لڑکا تھوڑی پڑی ہے۔ یہ وہیں آنے والی جوانی کیوں نہیں لگ
رہی ہے؟

جو جوانی انعام میں لی تھی کیا وہ جھٹکا کی طرح دھتکی
ہے؟

کیا پھر سے بڑھا ہوا مسئلہ ہو گیا ہے؟
خدا تعالیٰ مہربان ہے تو خدا آپ کی ہمت ہے۔
"میں ہاتھ لگاؤں گا..."

میں ہاتھ لگاؤں گا کہ اس کے قدموں کے پاس گھٹنوں
کے جھک گئے۔ "تو جیب... میرے سامنے آنا
کیا تو جیب نے میری گھٹی سے صبر کیا ہے؟

اسے زخمی دیکھ کر میں نے کہا: "اور کیا مجھے سوال
ہو سکتا ہے کہ میری گھٹی پہلی اور نواری کے برابر تھی۔ یہ ہوس کا
نکاح وانی ہے کہ میری گھٹی مجھے صاف کر دے۔"

میں نے تاریخ بچھا دی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شرم
آ رہی تھی۔ میں نے شرم سے پیچھتے ہوئے اس کے پاؤں
پکڑ لیے۔ ضمیر اس سے میں ایک دم سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے

ایک بار گھٹنیں ہار ہار کہا تھا کہ اسے ہاتھ نہ لگاؤں۔ وہ ایک
پارہہ لڑکی شرم وانی تھی کہ مجھ جیسا کہ وہ گارن کی لاش کو بھی گواہ نہیں
کرتا تھا۔ مجھے اس سے وعدہ ہونا تھا۔

میں کہہ کر اسے "غیر محروم کرنا" سے دل نہ کر رہا تھا۔ وہی او
کا۔ یہ تو چھوڑ کر جاؤں گا تو ہاں اور اسے لوجھ کر کھانا جائیں گے۔
لڑکی میں تو ایک انسان نے اسے تاریخ ہی ڈال دیا تھا۔

میں پیچھے ہٹ کر جیب سے لگ کر سوچنے لگا کہ تمہارے
کھانا ضرورت کے حالات نہیں تھے۔

میں نے پشت پر ہندسی ہوئی کٹ کو کھول کر دیکھا۔ اس
میں شات گن کے کارڈوں اور ریجیٹوں کو بیاں نہیں ایک لمبا سا
پاؤں بھی تھا۔ یہ مقامی کڑی تھی۔ کیا یہ تو ہے غیر محروم چاہ سکتی؟

میں نے چونک کر وہ پکی سڑک کی سمت دیکھا۔ کتن
کارڈوں کی ہینڈ لاکھس دکھائی دیں۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے
ایسی رفتار سے چل رہی تھیں۔ رفتار اس لیے وجہ تھی کہ وہ کتن
دائیں یا کتن تاریخ کی روشنی میں مجھے وضوح دے ہوئے آ رہے
تھے۔

پھر وہ اس کے راستے کے قریب رک گئے۔ وہاں میری

کشت میں

میں نے اپنے آبا کی ہوس میں بہت
دیکھی۔ کھانا آفس ناہیں دی میں جو اب ہانک
فریادوں پر ایک نئی اور شاندار بلڈنگ میں منتقل
ہوئی ہے۔ پرنس میوزیم میں اور اسکول قرار اور منتقل
اسٹریڈ کے کتاب خانے میں لیکن دلی ہمارا ہی پارہ
نہیں ہوا۔ یہ سوچ کر کہ ہمارے پاس یہ خزانے ہوتے
تھے تو ہمیں کے لٹ چکے ہوتے۔ کون ان کو میشت
سیت کر رکھا اور ان کی غیرست بندی کرنا اور
دوسراں کو دیکھتے دیتا۔ ان کو کون نے کم از کم ان کو
سیلے سے محفوظ کر دیا اور ان کی دیکھ بھال کرتے
ہیں۔ ہمارے تو خیر یہ ناچار تھے لیکن جاپان اور
ایٹلی کی کتابیں، نیپال، تبت اور کوریا کی کتابیں،
افریقہ کی زبانوں کی کتابیں، جھٹکے قصاویہ، جو یورپ
جائے ان کو دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ اکثر صورتوں میں ان
کی نقیصہ یا کھس گنگوا سکتا ہے۔ یہی ساری آثار کا
جائے۔ اب تو خیر ہم بھی اپنی چیزوں کی تعداد اور
حفاظت کرنے لگے ہیں اور قاریہ کا اپنا میوزیم بھی
مصری آثار سے لایا ہے۔ رات ہم سے پہلے لوگوں
کے لیے یہ چیری کٹر جھڑکیں۔ مصر میں لوگ ہرام
میں ٹپ لگا کر کیوں کے کھن اور ذرات کھنچنے لے
گئے۔ جیس میں کنکارڈ کے مہمان میں ایک پرانا
مصری نوکیلا جتنا نصب ہے جو کھنچل پاشا نے پہلیں کو
لائے جانے کس کو پکڑ کر دیا تھا۔ لندن میں بھی کھنچے
کنارے پر کھنچا سوئی پڑی ہے جس کا لایو ایسا
ہے کہ اگلے والا جہاز ڈوب گیا تھا۔ بڑی مشکل سے
کالے والا نکال کر لایا اور کھنچی کٹی چیزیں دیکھیں جن
پر نگہا تھا کہ کھنچل پاشا نے کھنچا دیا۔ ہمارے خیال
میں یہ کہہ دے ہوگا کہ "اسے ہمیں اگلے ہاتھ ہمارے
کھن کام کی تھا یہ چیزیں۔" سہا پوں کے بارے
میں بھی ہم ایسی ہی بے نیازی برہمے ہوں گے۔

ابن انش کے سفر نامے "دنیہ گول ہے" سے اقتباس
ہمارے سیرس بار کا تھا ہوں

http

بہم سے بیوی یہ عفتیلیں بہم سے دل لگاتا ہے
اور کیا ہے چاہیے یہاں سے ہیں وہاں ہے



زوج افزا اور کیا چاہیے!

جوں تار سے فون پر جاتا ہے کہ ملائے صدم کا حمل خدائے
کر دیا ہے اسے سارا لایا ہے۔
"جی ہاں۔ صدم نے پیدا ہونے کی سزا پائی۔ میں بھی سزا
بھگت رہا ہوں۔"
"یہ سزا کو پہنچاؤں میں ٹیچ کے ساتھ کسی بھی پکلی لادین
سے گری ہوں۔ تم کچھ نہیں ہو۔"
"آئی ماں لڑائی ہمارا باپ گناہ گار ہو تو بچا نکلا ہو چہرہ
جاتا ہے۔"
"بیٹے بہم تمہارا دکھ سمجھ رہے ہیں۔ ٹی وی کے ذریعے
تمہارے پاپا کے متعلق جو کہ جا رہا ہے اسے میں نہیں مانتی۔ وہ
ایک عورت کرتے والے انسان واسے انسان ہیں۔"
"پوری دنیا کے چھوڑ جھوٹ نہیں یوں گئے۔ اس عری کی
لاش سب نے دیکھی ہے۔ اس کے بعد مجھے تو شرم سے مر جانا
پڑا ہے۔"
"یعقوب کو اتنا سنا لی دی۔" بیٹے! میں تمہارا پورا پورا بول
رہا ہوں۔ میرے ماتحت رہنے والے جو جوں کا توں لیبیا میں
ہیں۔ وہ تمہارے پاپا تک پہنچنے والے ہیں۔ میرے یاد کو
تمہارے پاپا کو قتل کرنے کا۔ پھر معلوم ہو گا کہ کچھ کیا ہے؟"
"کیا آپ کے جوں تار بھی قتل کیا ہے؟"
"پاپا سے بدظن ہو کر قتل کر دیا ہے؟"
"میں اس سلسلے میں جوں تاروں سے بات کر رہا ہوں۔"
"آپ باتیں کرتے رہیں۔ وہ معصوم کی میرے واسے
میں کچھ دینی ہے۔ قریب دینی ہے کہ بیٹے مجھے میرے جوں پر چھوڑ
دیں۔"
اس نے فون بند کر دیا۔ پھر وہی دروازہ کھولا۔ اس نے من طلب
کیا۔ "یہو یعقوب! سو جو وہ جاننے میں جو حملہ دکھائی گیا تم بھول
گئے کہ میرا بیوی باپ وہاں نہیں تھے؟ اس نے مجھ سے
انکرتے بیٹے کی جہاں گئے کی تو اس کی جی۔ باپ شیعہ ہیں وہ تو بیٹے
کا سر جھک جاتا ہے کہ وہ معصوم حملے سے جی رہا ہوں۔ چنب تک
زبردست دھوکا اس شیطان کا بیٹا کہا تار ہوں گا۔ ذرا سوچو کہ میں
کیسی سزا دیا ہوں گری رہا ہوں۔"
"تاماں! تمہارا باپ پیداؤں کے پہلے دن سے یہودی
ہو چلتا ہے کہ آتا تھا۔ میرا باپ تو بہت ہی دیندار اور فرشتہ صفت
انسان کہا کرتا تھا۔ اس نے کسی معصوم اور بے گناہ کو پہلے بھی قصاص
نہ کیا ہو گا۔ اور آج وہ معصوم کتنے شرم کے مر رہے ہیں۔ ایک معصوم
لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے۔"
یعقوب نے ذرا غور کر گھری سانس لے کر کہا۔ "تمہارا
باپ! کچھ یہودی اور شیطان کسی دنیا والوں نے اس کے متعلق کبھی
نہیں کہا۔"

اور کسی کی اور ان کی اولاد ہونے سے انکار کر رہا تھا۔
فون کی فون چھینے لگی۔ اس نے اسے فون کی طرف
دیکھا۔ اس فون کو بھی (ایاد پر ہمارا اس کے گھر سے گھر سے گھر سے
چاہتا تھا۔ لیکن اسے انتظار تھا۔ بیوی کو کچھ کر دینے والی میں کا
انتظار تھا۔ جوں تاروں نے کہا تھا اسے لڑاؤ نہیں ہونے دین
گے۔ نکلی نہ گھر سے اس معصوم کا میں گے۔
اس نے فون کو صوفے پر سے اٹھا کر ایک مٹی دبا کر کون
سے نکال دیا۔ "ہیلو۔۔۔"
ایک جوں تار سے کہا۔ "یعقوب ہا ہا۔"
"ہیلو کر ہوا۔" مجھے عزت سے یعقوب دیا ہا نہ کہو۔ میں
ایک کم طرف اور گنہ گار باپ کا بیٹا ہوں۔"
جوں تار سے کہا۔ "آج آپ کو معلوم ہو گیا کہ ام نے آپ
کے پاپا کا ساتھ کیا ہے؟ چھوڑ ہے؟ کسی لیے آئی ان کی ولدیت
سے انکار کر رہے ہیں؟"
"مجھ سے یہ کہ نہ بولو۔ اس انتظار کو کہ وہ کوڑھونڈ کر نا
رہے ہو یا نہیں؟"
"بہم انکس تار ہے ہیں۔ آؤ مجھے میں پہنچنے والے
تار۔"
"وہ! کھلم سے تن گیا۔ ایک مٹی یوں بھنگی جیسے عمار کی
گردن گرتی ہیں آگنی ہو پھر اس سے راحت پہنچے ہوئے
کہ۔" میں انتظار کر رہا ہوں۔"
"یاد رہے کہ وہ فون بند کر کے قتل میں گئے ہیں اس کے
سامنے کسی ماں جھلک رہی تھی۔ مٹی باپ مسکرا رہا تھا۔ وہ آہستہ
آہستہ چلتے ہوئے لڑاؤنگ دم سے قتل کر بیٹروم میں آیا۔ ہاں
الہاری کھولی۔ پھر ایک دروازہ کو کھولا۔ وہاں ایک ریا اور رکھا ہوا
تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر رکھا۔ وہ اپنی طرح لڑاؤ تھا۔ اگر پھر
بواش ہوتا تب بھی ایک ہی گولی کافی تھی۔"
اس نے دروازہ اور الہاری کو بند کر دیا۔ سر گھما کر بیوی کی طرف
دیکھا۔ وہ بہتر صبح کے وجود سے آ رہا تھا۔ سب ہمیش کے لیے
اتر گیا تھا۔ وہ وہی کا بہتر نہیں تھا۔ یہودی دوسری سے آ رہا تھا۔
سب وہاں کوئی نہیں۔۔۔ کوئی نہیں آئے گی۔ وہ سر جھکا کر بارے
ہوئے جوادی کی طرح اور انگ دم میں آیا۔ پھر ایک صوفے پر
غرض حال سا ہو کر گر پڑا۔ یوں چھٹنے لگیں۔ اس نے گرتے نہیں
تھا اسے میں نے قتل کیا تھا۔ وہ صوفے پر گرا تو کیا کرنا ہے تو
باپ نے دنیا کی نظروں سے گرا دیا تھا۔
فون نے پھر سوچ کر دیا۔ اس نے فون دیا کہ اسے کون سے
نکال دیا۔ پھر وہ بیٹے میں کہا۔ "ہیلو کون؟"
"میں تمہاری پھولی داتا بول رہی ہوں۔ ابھی ایک
سیس و لیسٹ 110

وہاں نہیں تھا۔ میں پھر گاڑی سے ہیرہ نکل سکا۔ اچانک ہی بہت دور سے گاڑیوں کی ہیرا لائٹس دکھائی دیں۔ میں نے فوراً جیپ کو اسٹارٹ کر کے روڑ پر گھیر لیا۔ وہاں کسی کے لیے سڑک پیچھے بھی دور سے کئی گاڑیوں کی روشنیوں کی کرنیں پکڑی تھیں۔

میں گاڑی سے اتر گیا کیونکہ آگے پیچھے سڑک پر جانیں نہ تھیں۔ سڑک کے ایک طرف وہ بڑا تھا۔ دوسری طرف چھتوں کا سلسلہ تھا۔ گندم کی کھڑکیاں تھیں۔ پہاڑی تھیں۔ میں بخیر سے دوڑنے ہوئے کھیتوں میں گھس گیا۔

ان فصلوں کے درمیان کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میں ان سے دور نکل سکا تھا۔ مجھے گاڑی میں جس سمت جانا تھا اب ان فصلوں کے درمیان چھپنا چاہیہ تھا۔

میں بخیر سے فصلوں کو ردیوں یا فصلوں سے ہٹا کر راستہ بنانا چاہتا تھا۔ جہاں جیپ چھوٹی تھی وہاں وہ اطراف سے گاڑیاں آ کر رک گئی تھیں۔ وہ سب اطراف گاڑیوں سے اتر کر دھڑ دھڑا لپک رہے تھے اور ایک دوسرے سے کچھ بولتے جا رہے تھے۔

میں نے ایک چھدک کر لون کے ذریعے ایک جہاں ٹھارہ کو مناسب کیا۔ پھر کہا: "تم سب مجھ سے ہر ارض ہو۔ اس وقت میں تمہوں میں گھبرا ہوا ہوں۔ یہ مجھے فرار ہونے نہیں دیں گے اور میں آخری گولی اور آخری سانسوں تک لڑتے ہوئے جان دے گا۔"

اس نے کہا: "جان دینا اور لہنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم آخری بار آپ کے کام آئیں گے۔ کیا آپ بن گاڑی جانے والی سڑک پر ہیں؟"

"میں نہیں جانتا یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟ اس سڑک کی ایک طرف گندم کے کھیت ہیں اور دوسری طرف ہریا پیدہ ہے۔"

"ہم کچھ گئے آپ کہاں ہیں۔"

"میں کھیتوں میں چھپنا ہوا ہوں۔ وہاں سے دور ہوا ہوں۔"

جب سڑک پر سے اب کھیتوں کی طرف آ رہے ہیں۔

"بہن! یاد رکھیں ہیں آ رہے ہیں۔"

رابطہ تم کو دیو۔ وہ میگا ٹیکسٹوں سے کہہ رہے تھے۔ یہ کی آخری لائٹس ہیں بہت ہو چکا۔ آج تمہاری زندگی کی سیاہی لڑا ہے۔ تم نے تمہیں چھپ سکے۔ نہ یہاں سے فرار ہو سکتے۔

دھڑ دھڑا چاہتے ہوا ردیوں یا تھا تھا کر مانتے آجیو۔

پولے والے کی آواز اس دیرانے میں گونج رہی تھی۔

دل نے ٹریسٹر گولی چلائی۔ وہ گولی آسمان کی سمت جا رہی تھی۔

پڑی۔ اس میں سے کسی چیز شعلہ میں گھس کر وہاں تھا اور

آہستہ آہستہ روٹن ہو گئے۔

دوسری اور تیسری کے ذریعے کھیتوں کی طرف دھڑ دھڑا چھپے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: "ہم جانتے ہیں تم ان کھیتوں میں چھپے ہو۔ اب بھی گولیاں تانیں کی تو یہاں سے لڑو گے یا تمہاری لاش ہیرہ نکال جائے گی۔ یہ آخری وارنگ ہے۔"

اس ٹریسٹر گولی سے پیدا ہونے والی روشنی ایک منٹ تک بہت روشن رہی۔ پھر آہستہ آہستہ معدوم ہوئی پکڑی گئی۔ میں دونوں ہاتھوں سے کھل کو ہٹاتے ہوئے ان سے دور ہوا تھا۔

اچانک ایک وڈ گریف کھیتوں کے درمیان آ کر ٹرا ہوا وہ دھڑا دھڑا کے ساتھ چھٹ پڑا۔ اگر میں دھڑ دھڑا تو میرے پیچھے سے اتر جاتے۔

وہ لعل میں نہیں گھس رہے تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ میں کہاں ہوں؟ وہ انجانے میں میری گولیوں کا نشانہ بن نہیں جاتے تھے۔ سڑک کے کنارے دور جا کر کھیتوں کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔

میرے اندازے کے مطابق وہ ایک منٹ میں دوسو گولیاں خارج کر چکے تھے۔ مجھے کھیتوں سے ہیرہ نکالنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ وہ کھیر پھر کر دوسری کھیتوں میں بخیر چھپ چکے تھے۔ ایک ہم مجھ سے کچھ فاصلے پر آ کر گولیاں اڑا کر دوسری طرف چلا دینے والا تھا کہ میں لڑ گئی۔ میں الجھ کر گر پڑا۔ پھر دیکھتے ہوئے وہاں سے دور جانے لگا۔

میں جہاں فائرنگ سے گریز کر رہا تھا اگر فائر کر رہا تو میرے رچا ہوا یا ثابت کن سے وہاں مرنے لگا۔ مگر انہیں معلوم ہو جاتا کہ میں کھیتوں میں کہاں چھپا ہوا ہوں؟

انہی وہ اندھوں کی طرف اندازے سے سے سے کر رہے تھے۔ اندازے درست بھی ہو جاتے تھے۔ ایک ایک گولی کے دھماکے سے ہل ہل بچتا تھا۔ دوسری ایک ایک گولی کے میرے بازو کے پار ہو گئی۔ میں کراہنے ہوئے چھٹ پڑا۔

رشتوں کو پتہ نہ چلا کہ اس کی ایک گولی ٹھیک نشانے پر لگی ہے۔ پھر ایک ٹریسٹر گولی پھوٹ گئی۔ وہ کھیت دور تک روشن ہو گئی تھی۔ میں کھیتوں میں گھس کے درمیان تھا۔ وہ مجھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

میں مرویدان تھا۔ اور چار گولیاں کھانڈوں سے

دھڑ دھڑا کر کے باوجود گرنے نہیں بلکہ مروانہ ورم تھا کہ کرتا تھا۔ اس وقت بازو میں ایک گولی گئی تھی اور شے پھینک گیا تھا۔ سر چکر رہا تھا۔ وہاں سے آنے والی جہاں سے چڑھ رہی تھی۔ بڑھاپا ہے مگر سے

کراہ رہا تھا۔

میں نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بچھ لیا۔ میرے کراہنے کی آواز رشتوں تک پہنچ گئی تھی۔ میرے اس ہاتھ سے ثابت کن

نہیں نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بچھ لیا۔ میرے کراہنے کی آواز رشتوں تک پہنچ گئی تھی۔ میرے اس ہاتھ سے ثابت کن

گر گئی تھی۔ میں اس ہاتھ سے اب اسے استہان نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ دوسرے ہاتھ سے رچا ہوا کو مضبوطی سے پکڑ کر لٹھ مچا۔

اسی وقت کان پھاڑ دینے والے دھماکے سنائی دیے۔ زمین لرزنے لگی۔ میں نے فصلوں کے درمیان سر اٹھا کر دیکھا۔ بہت دور کے بعد دیکھ کر دھماکے دور سے تھے۔ رشتوں کی گاڑیاں زمین سے اڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لڑھکیں پھیر رہی تھیں۔ مجھ پر حملہ کرنے والے مختلف سمتوں میں بھاگنے ہوئے

دھڑکنے کے چھپ جاتے ہوئے فائرنگ کر رہے تھے۔

میں نے اطمینان کی ایک گولی اس کی طرف پھینک دی۔

پانچ مارا اپنی قلمت مٹی کے مطابق چھٹ پڑا۔

دباں کو پیسے قلمت سے آگئی تھی۔ مسلسل فائرنگ اور ہم دھماکوں سے وہ دھواں سا کھانڈ گئی۔ رات آگ کے پھوٹنے ہوئے شعلوں سے کچھ روشن ہو گئے تھے۔ لعل جہاں دوری تھی۔

آخری کے وڈ گولی کا ہرن پڑا کر رہے ہوئے آئے تھے۔

اس میں سے ایک اچانک ہی دھماکے سے تہا ہو گیا۔ دوسری کھیت چلا گیا۔

پہلے میں سوچتا تھا اب سوچ رہا تھا کہ جب تک جہاں ٹھارہ

تھیں۔ ساتھ رہے میں بھی تھا اور ہے۔ پورا دھڑا گرنے لگا۔ میں اس خوش فہمی میں جھکا ہوا تھا کہ جی جی فائر ہوں۔

اس دیرانے میں بھی تھا اور جاتا تھا اور لڑا آتے تو کیا ہوتا؟ دشمن تو کہہ چکے تھے کہ وہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔

آخری رات۔۔۔ ایک گولی سسٹل ہوئی آئی اور میرے ایک شانے کی پٹی توڑ لی ہوئی گزری۔ میں بڑھڑا گیا۔

آخری رات۔۔۔ دوسری گولی میری کمر میں آ کر بہت ہوئی۔ میں الجھ کر لعل کے درمیان گر پڑا۔

مجھ سے کچھ فاصلے پر دشمن گولیاں چلاتے آ رہے تھے۔

پھر کہیں سے تڑا تڑکی آواز کے ساتھ ہی وہ دونوں جگہیں مارتے ہوئے ٹھکڑا کر ایسے گرے کہ پھر اٹھ نہ سکے۔

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا۔ میں گولیوں کے دھماکوں نے مجھے کھوکھلا کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ

جہاں ٹھاروں کی ہڈیاں ہونے کے باوجود حالات یہی کر رہے

ہیں۔ والے ہیں؟ میرا کیا ہونے والا ہے؟

ایسا آخری انعام دیکھنے سے پہلے ہی میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ آنکھیں بند ہو جائیں تو زندگی کی تمام دکھ درد کی بات

ہو جاتی ہے۔

وہ ابھی زندہ ہے۔ لیکن ہوش و حواس سے بیگانہ ہے۔ کبھی حواس میں آتا ہے۔ آنکھیں کھول کر وہ چار جہاں ٹھاروں کو دیکھتا

ہے پھر آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ وہ اپنے آپ سے غافل ہو جاتا ہے۔

وہ رستہ کھاتا ہے کہ اسے پھر سے جوانی کی سوغات ملی ہے۔ وہ غافل نہیں ہے۔ اسے بڑھاپے سے جہاں جہاں سے بچپن

اور نہیں سے غافل آواز تک جاتا ہے۔

کون کیسے جائے؟

اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے انعام تک پہنچنے کے لیے لڑا اور ایک نئی ناری ہے۔ نیت لگا جائے تو نہ پھوٹ جاتی ہے۔

انعام ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

جوانی کی دہائی سے قائم رہتی ہے۔ ہمیں گولیوں کے

رشتوں نے اس کا سارا لہو پھوٹ لیا ہے۔ وہ نہیں دھڑکتا۔ یہ علاج درہم

روا میں اتر نہیں کر رہی ہیں۔ پہلے کی عمر بڑیوں کا اٹھانچا نہیں کیا ہے۔

ابھی اتنی تھوڑی ہے کہ کمرے سے وائس روم تک پھری

فلک کر آتا جاتا ہے۔ جہاں ٹھاروں نے اس کے علاج کے سلسلے

میں ایک لڑا کر لائی گئی کی۔ طبیعت رفتہ رفتہ سنبھل رہی ہے۔

اب باہر آ کر لڑائی میں لہتا ہے۔ مگر ایک چھری کا سہارا لڑائی ہو گیا ہے۔ اس کے بغیر چلتے چلتے لڑا لگاتے گنا ہے۔ وہ دیر تک سہا

کھڑا نہیں رہ سکتا۔ دور آوے گا ہے تو کھینے کھڑکی کے ہارٹ فٹنگ

کھینچے ہیں۔ اس لیے کمری پر چھٹ کر لڑا اور کرتا ہے۔

ضمیر پٹکیاں لے کر کہتا ہے: "میں کدے میں عمر گزار رہی ہے۔ آخری عمر میں مسلمان ہو رہے ہوں۔"

وہ گھبرا کر جہاں ٹھاروں سے کہتا ہے: "مجھے جہاں لے جاؤ۔"

برسوں پہلے جس میں اس کا ایک شاخہ بگڑا تھا۔ جہاں وہ

دن رات شباب اور شباب میں ڈوب رہا تھا۔

اس نکلنے کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک دریا تھا۔ وہاں ایک

مجھے دوست کے سامنے میں روز صبح ایک مسلمان آ کر ٹھار

پڑا تھا۔ ایک رات اس نے دیکھا ایک کتے نے دوست کے

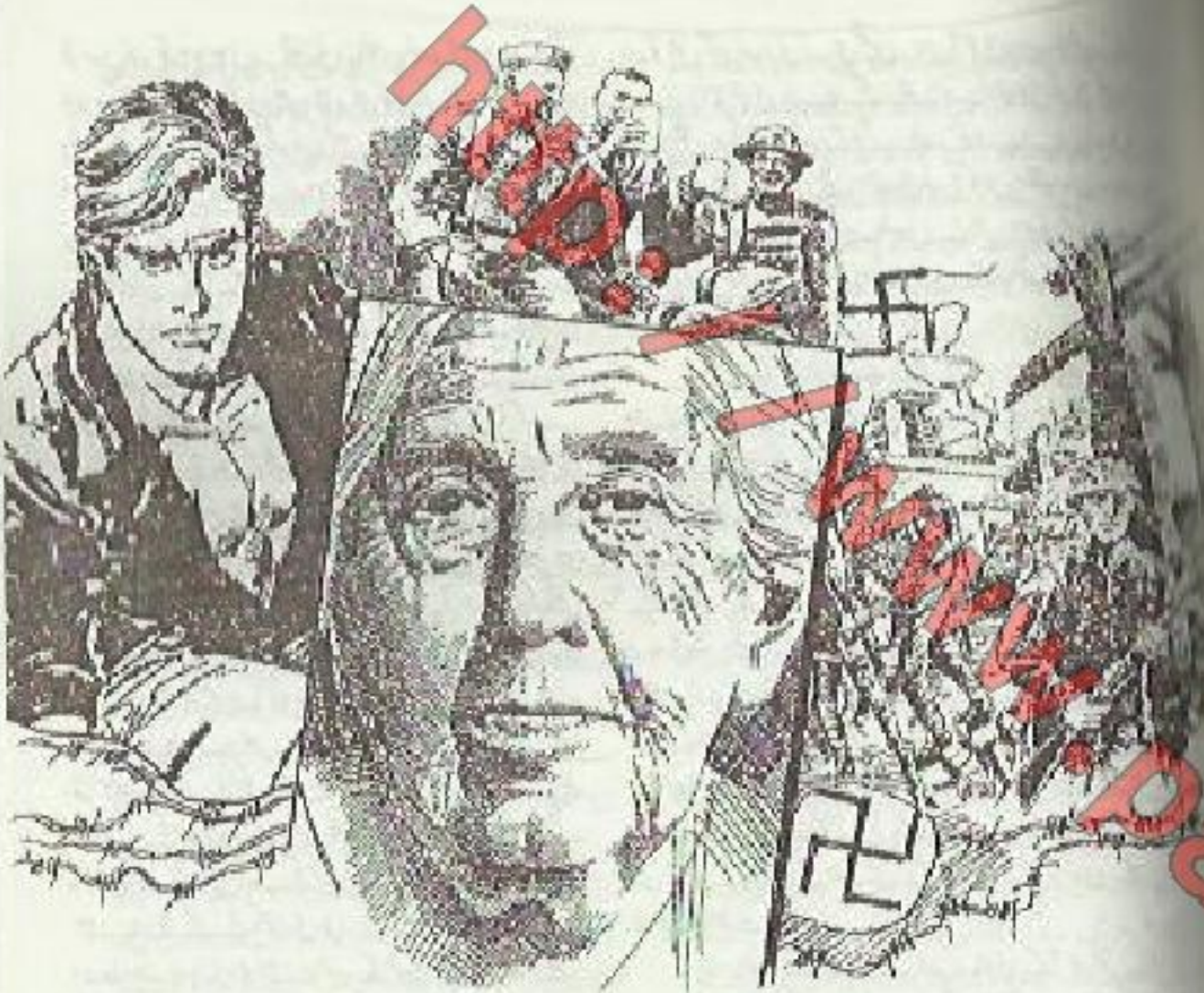
سامنے میں آ کر اس جگہ کو پا کر کر دیا تھا۔

جب پکلی اور اس عیوش کے دل میں الجھ سی پیدا ہوئی۔ اس نے سوچا صبح میں میرے وہ ٹھار کی دہائی آئے گا۔

وہ نہیں جانتا کہ ٹھار کی جگہ پا کر ہوئی ہے۔ اسے معلوم ہوتا

چاہے اس جگہ کو پھر سے پاک کرنا چاہیے۔

وہ کوڑھائی ہوئی سردی میں وہاں گیا تھا۔ پہلے سے اس



فاتح اور مفتوح

کاشفِ سیر

کوئی نہیں قوم جب احتجاج کے لیے جان جگہ انداز اختیار کرتی ہے تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی ظہورِ کار و مہم ہوتی ہے اور جب... جب کوئی یہ کیفیت معقول احاطہ کیے رہے ہو جنگی صورت حال کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے... ایسی ہی یہ چوٹی کا شکار وہ نئی نسل بھی ہو جو وطنِ قیمتی سے انہیں ایسے سایہ دار شجر بھی ميسر ہو جو نہ صرف دھوپ سے بچا رہے تھے بلکہ انہیں زندگی کے دھڑ سے بھی آگاہی دے رہے تھے۔

جرمن قوم کے احساسِ برتری اور ذوالِ کاتھ

میں دوڑتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی اور اس نے اپنی دواؤں سے کہا: "گرتی دوڑتے بعد میں میں پڑے ہو گی تو میں کونسل نے منظوری دے دی ہے بہت عرصہ آئے ہیں ابھی صرف پندرہ برس کی تھی اور اسے پرہیز آنے والے پانچ سالوں میں پرہیز اب دیکھ لیا تو جوتوڑ

وہ غار کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ہاں سامنے کے حادثے کرنے کی آواز باہر آ رہی ہے اور اس کے دل میں اترا رہی ہے۔ اس کا آپ قازی صلاح الدین عقیل آیا تھا۔ چکی اور چکی ہاں سامنے سے اسماعیل کا روحانی درس حاصل کیا تھا۔ وہ بھی اس غار کے دہانے پر آیا ہے۔ اب چھڑی کھینچتے ہوئے وہ آگیا ہے۔ قزاق کی آواز پہلے سے زیادہ واضح ہو گئی ہے۔ وہاں کی فضا غور و غنیمت سے تھک رہی ہے۔ سامنوں میں اتر رہی ہے۔ قزاق کے الفاظ اور اس کی آواز اب ایک ایک سی ہے خودی ظاہر کر رہی ہے۔

اس اسٹیج وٹھیں چٹان پر ہاں سامنے جھلک رہے ہیں۔ وہ ہیں اگلی اور کھینچ گئی

قزاق کی عمر گیز آواز ان کے وجود کا پتہ دے رہی ہے۔ ہاں... وہ چٹان پر بیٹھے قزاق کی معروف ہیں۔ وہ آگیا ہے چٹان پر گر کر رہا ہے۔ ہاں سامنے بھی رکھ لی گئی ہے۔ اگلے اور ہے ہیں۔

وہ ایک آیت پڑھ کر وہاں سے اٹھ گئے ہیں۔ چٹان سے اتر کر ایک کنارے پر آ گئے ہیں۔ پھر انہوں نے چٹان پر ہاتھ رکھ کر کہا: "اللہ... اللہ..."

اسم اعظم وہ ہے جس کے زبان پر آتے ہی بندہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز و لافلس ہو جائے۔ اللہ کہتے ہی سامنے صرف برباد ذرا لگا لگا کا جمال ہو۔ دنیا کا سرور و حسن و جمال بھو جائے۔ ہاں سامنے کے ایسے جذبہ ہو کر اسم اعظم کی قوت میں آگیا۔ اسم اعظم کی روحانی نسبت سے قدرت کی زمین اور چھڑی کی زمین لڑ گئی۔ وہ چٹان ایک طرف ذرا سی سرک کر گئی ہے۔ یہ بچے جالے کا راستہ کھل گیا ہے۔

وہ پھڑکی لپکتے ہوئے کھڑے ہوئے سامنے پر آگیا ہے۔ بچے جالے والے پتھر سے لپکتے کے ایک ایک پائوں پر تھر تھراتے ہوئے قدم رکھتا ہوا وہاں جا رہا ہے جہاں اس کا آپ گیا تھا۔

وہ غریب ہو گیا ہے۔ وہ پھر وہاں سے گئے ہوئے اپنی جگہ واپس آگئی ہے۔ جب قہر سم ہو جائے تو کتاب بند ہو جاتی ہے۔ مکان اپنے مکان سے غائب ہو جائے تو سارے روز اسے بند ہو جاتے ہیں۔

اور جب حیات تمام ہو جائے تو قبر کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ وہ خاتہ بھی بند ہو گیا ہے۔

(ختم شد)

لے کے گئے۔ پھر یہی آپا کر کے آنکھ نہ کھلی ہوگا اس قزاق کی وہاں کی قزاقی سے مطلع نہیں کر سکے گا۔ شب اس نے وہاں ایک ایڑی چھڑ پر نیم اور دو کمر دات گزادی۔ گرم پتروں میں اور میں بھی چھپنے کے باوجود سردی میں خطرناک وہاں تمام رات پر قیامی ہو رہی۔

ملاحزموں نے کہا تھا کہ وہ رات کو جاگتے رہیں گے اور صبح اس قزاق کو بھی دوسری چھڑ پر پڑنے کے لیے کہیں گے۔ لیکن اس نے سوچا تھا کہ اسوں نے غفلت کی اور ان کی آنکھیں کھلی ہو گئی ہوں گی؟

بہر حال ایسی غفلت کی سردی اور برہم مٹی تھی کہ جاگتے ہوئے اس پر برہم جم کر۔ وہ بیڑی ہو گیا۔ جب دوش کا تو ایک اچھٹاں میں تھا اور وہ بڑی گزادی اس سے کہہ رہے تھے۔ "خدا تم سے دوشی ہے۔ تو یہ کرو ورنہ پڑو۔"

اس دن کے بعد، گمراہی سے ہزار آیتوں میں اور دوشی کتا کتا پڑھنے لگا۔

اور اگلے دن گزرا رکھے ہیں۔ چل نکلا اسے جس نے آئے ہیں۔ وہ اس درخت کے سائے میں آکر اس بزرگ قزاق کو یاد کر رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ اللہ اس سے عاقل ہے۔

اور واقعی جب وہ چکار کر کے ایک مسخر میں لڑ پڑھنے گیا تو ایک بزرگ نے اسے منجھو رکھنے والی لاد لگائی وہی تھی۔

اس کے چل نکلا اسے لاہور لے آئے۔ وہاں اس کے تین بڑوں نے اسے بڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ یہی وقت پھر ایک بزرگ نے اسے ایک عصا عطا کیا تھا۔

اس کے بعد وہ نیک مانی اور خوشامی کی سڑکوں سے گزرا۔ اس نے بھی ایک وقت کی قدر لگائی تھی۔ نہیں ہونے والی تھی۔

انسان وہ ہے جو اپنے غریب میں رہے۔ اپنی پچھلی اوقات کو یاد رکھے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کسی کو اس کے غریب سے اس کی اوقات سے زیادہ مل جائے تو وہ اسے سنبھال نہیں پاتا۔ مگر اللہ مہرور ہو کر سب سے پہلے خدا کو بھول جاتا ہے۔

اسے یہ گمان ہو گیا تھا کہ جہاں آئی ہے تو پھر نہیں جائے گی اور یہ جہاں تھی اس کا کھیل کھیلنے کے لیے ہے۔ اسے گارنٹ کھیل میں آدمی سب سے پہلے تہذیب اور شرافت سے جاتا ہے۔

پھر اس اور زندگی ایک قسم کی لڑائی میں کے لیے کھڑا رہتا ہے۔ ایسے غل کے اندر سے اس پتھر میں گرتے رہا جہاں دو گرا ہوا ہے۔ وہ اپنی ایک ایک مٹی کو ایک ایک راق کو یاد کرتے ہوئے آخری منزل تک آگیا ہے۔

قوموں کو دیکھنا پڑتا ہے۔ قہر کی چالیں فیصلہ آہائی موت کی
خبر سو گئی اور بچے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جس نے
زخم نہ کھائے ہوں۔ کوئی گمراہ ایسا نہیں تھا جس کا کوئی نہ کوئی حصہ
سہارا نہ ہو گیا ہو۔ نصف سے زائد گھر تو مکمل طور پر جلے کا ویر
بن گئے تھے جو کہیں اس طے میں دفن ہونے سے بچ گئے وہ
کھلے آسمان تلے آگئے تھے۔ بچے والوں میں سے بہت سے
لوگ ہونی فرانس کی طرف بچے گئے تھے جو ابھی تک جرمنوں
کے قتلہ سے آزاد تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جرمن آگے بڑھتے گئے
اور جنوبی فرانس کے بعد پورے فرانس ان کے قبضے میں آگیا۔
فلج جانے والے گھبراہٹ اور لوٹ آئے کہ نظام علی کی
لیکن اپنے حرموں میں تو رہتا ہے۔ کیونکہ سائن سے باہر ان
کے لیے پناہ گاہ بھی نہیں تھی۔ فرانسیسی جرمینوں کے قتلہ میں
گئے تھے اور معمولی سے جرائم پر انہیں شلوک قرار دے کر قتل
بیچ رہا تھا اور بعض اوقات تو سزائے موت بھی سزا دی جاتی
تھی۔ ان جرائم میں رہائش پر مت کا نہ ہونا بھی شامل تھا۔ سائن
کا قبضہ اپنے ہرے ہرے باغات اور کھیتوں کے لیے مشہور
تھا لیکن جنگ نے اس علاقے کی ہریالی کو برباد کیا تھا۔ پہلے
جرمنوں نے حملہ کیا اور ان کی توہین کیوں اس حد تک بڑھ گئی
و ان برساتی دریاں جب جرمن یہاں کا جیل ہو گئے تو انہیں
مقتلہ بنانے کے لیے اتھاڑی لیاڑے صلے کرنے لگے ان کی
اندھا و حسد بھاری کا نشانہ سائن کے شہری زیادہ بنے تھے۔
کیونکہ جرمن عام طور پر اپنے مورچوں میں محفوظ ہوتے
تھے جبکہ سائن کے شہریوں کو ایسی کوئی پناہ گاہ میسر نہیں تھی۔
آخر کار جرمن فرانس سے لپکا ہونے لگے۔ ان کی
پسپائی کا آثار نارمنڈی سے ہوا تھا اور پیرس بھی ان کے ہاتھ
سے نکل گیا۔ جب اتحادی فوج فاتحہ نہ فٹن قادی کرتے ہوئے
شمالی فرانس تک پہنچ گئی تو جرمنوں نے فرانس سے جانے کی
بیادری شروع کر دی۔ انہوں نے علاقے میں موجود ہر چیز کو تباہ
کرنا شروع کر دیا۔ ریلوے لائن، سڑکیں، اہم عمارتیں، جنگی
کی تعمیرات اور پانی کے ذرائع سب تباہ کر دیے۔ حتیٰ کہ
رفتوں اور باغات کو بھی جلا دیا تاکہ پیش قدمی کرنی اتحادی
فوج کو بدلے کے لیے نکلنے میں سہارا نہ آئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ
قادی یا شہروں کو بھارتوں سے سزائے موت اپنے لگے۔ حتیٰ
کی زیادہ تھی کہ اگر کوئی راست کو گھر سے باہر نکل آ جاتا تو اسے
زباں دو یا جاتا تھا۔

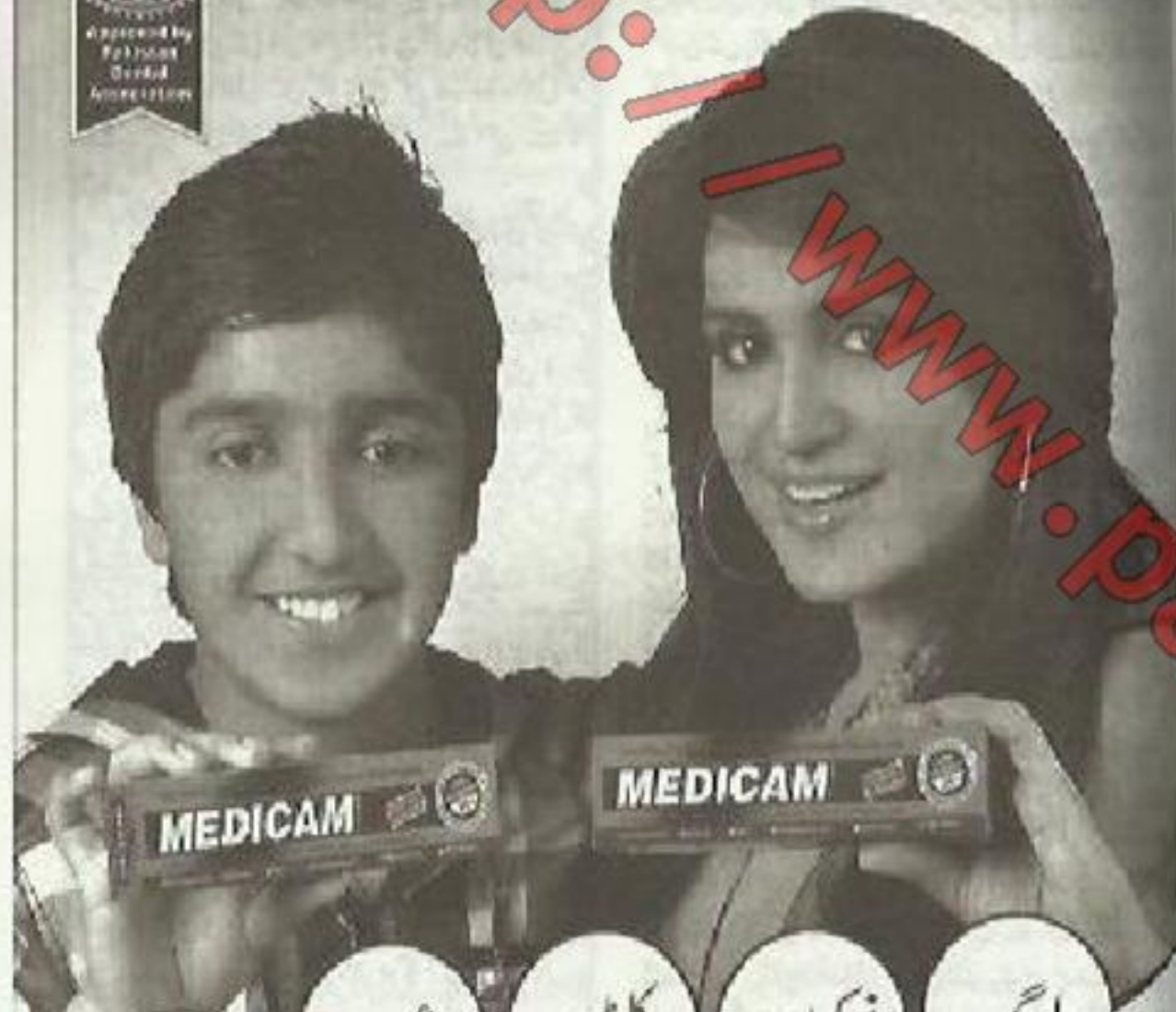
آخر فروری کے وسط میں جرمن افواج ہٹلر سے ہٹا
نکلیا۔ جانے سے پہلے انہوں نے مارٹر سے بھاری تیرے
ہے سے قہر کو بھی کھنڈر میں تبدیل کر دیا۔ اتحادی فوج
اور توہین بھی بھاری کر رہی تھیں۔ اس آخری دن سائن کے
سو سے زائد شہری مارے گئے تھے۔ جب اتحادی فوج قہر
میں داخل ہوئی تو سائن کے لوگ بچے تلے دیے اپنے پیادوں
کی لاشیں نکال رہے تھے۔ اتحادی فوج کو ان مظلوموں سے
کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ انہوں نے بس جسم کی خشک باری
کی وہ دن سائن میں لیا گیا اور جرمنوں کے قلعہ میں آگے
بڑھ گئے۔
سائن کے آزاد ہونے کی خبر سن کر، دور چلے جانے
والے پاسی واپس آنے لگے اور انہوں نے اپنے گھروں کا ملبہ
صاف کر کے ان کی سڑکوں سے غیر شروع کر دی۔ بڑا
ہوجانے والے کھیتوں اور باغوں کو پھر سے آباد کرنے کا آغاز
کیا۔ نہریں اور کنوئیں تعمیر کرنے لگے۔ راستے صاف
کئے۔ ایک سال بعد جب سولہ فروری کا دن آیا تو قہر سے
بربادی اور جنگ کے آثار غاصی حد تک مٹ چکے تھے۔ کھیت
نئے سرے سے آباد ہو رہے تھے اور جو لوگ مارے گئے تھے
ان کے گھروں کا ملبہ ہی خرچ پڑا تھا۔ سائن کی لائیں کولس
نے فیصلہ کیا کہ وہ سولہ فروری کو سائن کی آزادی کا دن منائے
گی اور اس کی یاد میں ایک پریڈ کا اہتمام کیا جائے گا جس
میں سائن کے وہ شہری حصہ میں گئے جنہوں نے جرمنوں کے
غلاف حراست کی تھی۔
چند سالوں بعد جب جنگ اور بربادی کے آثار توڑنا
مٹ چکے تھے تب بھی یہ پریڈ اسی جوش و خروش سے منعقد کی
جاتی رہی کیونکہ جن لوگوں نے جنگ کو دیکھا اور اس کے اثر
اپنے جسم زدوں پر برواشت کیے وہ لوگ موجود تھے اور جنگ
کی بھی تک واریں سڑکے دم تک ان کے ساتھ رہتی
تھیں۔ پچیس سال بعد اس سال کے پریڈ میں بھی اور جنگ کے
رخصت ہو چکے تھے جنہوں نے جنگ کی بھی اور جنگ کے
بعد پیدا ہونے والے نسل کو بتا رہی تھی لیکن اس نسل نے
اپنے بزرگوں سے اس سب سے متاثرہ نہیں بنے دیکھا اور سہا
تھا۔ اس لیے وہ اپنے بزرگوں کے دک میں شریک تھے۔ اس
وقت بھی پریڈ اسی جوش و خروش سے منائی جاتی رہی۔
پچیس سال بعد جب سائن کی جنگ زدہ نسل تقریباً ختم
ہو گئی اور تیسری نسل جو ان ہو چکی تھی۔ تب اس پریڈ کے
بہت سے سوال اٹھنے لگے۔ فوجیان پوچھ رہے تھے کہ جب
ایک ایک ہونے جا رہا ہے اس کی سرحدیں ختم ہو رہی ہیں تو
پھر اس قسم کی آزادی پریڈوں کا کیا بڑا بانی رہ جاتا ہے؟
اب انہیں ان فضولیات سے جان چھڑانی چاہیے۔ جرمن ان
کے دشمن تھے لیکن اب وہ ان کے دشمن نہیں ہیں۔ کیونکہ ان

سائن اور باغات کی پیداوار کے سب سے بڑے خریدار
کے سم وطن فرانس ہی نہیں بلکہ جرمن تھے۔ سرحد کے قریب
کھیتی باڑی کی وجہ سے وہ جرمن مصنوعات زیادہ استعمال کرتے
تھے۔ جرمنوں کے بزرگ جو جنگ کے بعد پیدا ہوئے تھے
و انہیں سولوں کا جواب نہیں دے پاتے تھے۔ دوسروں میں
و انہیں اپنے رہنما گان کا اضافہ ہوا تو یہ نین کولس میں بیٹھے
تھے۔ ان کی خوشنودی کی فکر ہوئی۔ اب پریڈ کرانے
کا مطالبہ اور پکڑ رہا تھا۔ اس لیے پریڈ منعقد کرنے یا نہ کرنے
کے بارے میں کولس میں دو رنگ ہوئی اور صرف دو دھڑوں کی
ملاقات سے یہ فیصلہ ہوا کہ اس سال بھی پریڈ ہوگی۔ دوسری
طرف کے لوگ چاہتے تھے کہ پریڈ جاری رکھی جائے لیکن
جرمنوں کی اکثریت اس کے خلاف تھی۔
پریڈ سے قہر میں صرف چند ایک گھرانے تھے جہاں
ایک زدہ نسل کا کوئی فرد بھی رہا تھا۔ ان میں سے ایک گھر
میں کا بھی تھا۔ اس کی وادی میں نے اپنی زندگی کے پانچ اہم
سال جنگ میں گزارے تھے جب جرمن سائن پر کاغذ
تھے تو صرف چند سال کی تھی اور جب جرمن رخصت
ہوئے تو ان میں بھی سال کی ہو چکی تھی لیکن اسے لگا تھا کہ اس
جنگ میں پانچ سال نہیں پانچ صدیاں دیکھی تھیں۔ وہ ان
پہلوؤں سے بھی جو اس ساری جنگ کے دوران قہر میں
ان تھیں۔ اور ایک بار بھی یہاں سے باہر نہیں گئے تھے۔
ان کی شو کی جنگ کے پانچ سال بعد ہوئی تھی۔ اس کا
تو پھر کس اس سے عمر میں چند سال بڑا تھا۔ ان کی بس ایک
ہی اولاد ہوئی تھی۔ ان کا بیٹا لوئی ان کی خوشیوں کا مرکز
تھا۔ کرسٹین کا شمار تھا اور جنگ کے دوران اس کی ایک بگ
اس کے سے کٹ گئی تھی اب وہ مصنوعی ٹانگ کے سہارے چلتا
کرتا اور اپنا کام کرتا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ اس کے دل
جی بے اولاد ہو لیکن لوئی کے بعد وہ امید سے نہیں ہوئی
تھی۔ انہوں نے پریڈوں کے لیے تعلیم جاری رکھنے کے ساتھ
ساتھ اب کام تھا بھی بلکہ شروع کر دیا تھا۔ اسکول اور پھر
کوئی سے آنے کے بعد وہ اس کے ساتھ زمین پر کام کرتا
تھا۔ بیس سال کے لوئی نے جب گریجویٹ بن گیا تو کرسٹین پڑ
گیا۔ اب تک وہ صحت کے نکلے ہوئے پر اپنے اچھے اچھے جسم کو
نگینا آیا تھا۔ لوئی نے فیصلہ کیا کہ وہ مزید تعلیم کے لیے شہر
جانے کے بجائے اب زمین پر کام کرے گا۔ اسے تجربہ تھا اور
پھر اس کی رہنمائی کے لیے کرسٹین موجود تھا۔
چند سال بعد لوئی نے شادی کر لی۔ اس کی بیوی والیا
ایک اچھی اور خوش اعلیٰ عورت ثابت ہوئی۔ وہ گھر بھی دیکھتی

اور لوئی کے ساتھ زمین پر کام بھی کرتی تھی۔ لوئی اور والیا کے
دو بچے تھے۔ پڑاوت چار سال کا تھا اور بیٹی اچھی پندرہ
سال کی تھی جس سال میں پیدا ہوئی تھی اسی سال کرسٹین دنیا
سے رخصت ہوا تھا۔ اس نے ایک بگ نہ ہونے کے باوجود
بڑی عمر میں زندگی گزار لی تھی۔ عروس کے لڑکی کے ہاں جو اس
کے اور ان کے درمیان بیٹی ہم آہنگ تھی۔ قہر میں ان کی
محبت کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ ان کو اپنے شریک سفر کے
پہچانے کا ذکر تو تھا لیکن اس نے خود کو اس دک میں ڈالے نہیں
دیا۔ دوسرے برس کی عمر میں بھی پوری طرح چاق و چوبند اور
صحت مند تھی۔
روپ لڑکا تھا اور گھر میں کم ہی نکلتا تھا لیکن بیٹی کی این
سے خوب لڑتی تھی۔ دونوں والدی پولی سے زیادہ دوست
تھیں۔ بیٹی کو این سے بات کرنا اچھا لگتا تھا۔ خاص طور پر
اس سے جنگ عظیم کے قہر سننا پسند تھا۔ این کے پاس اس
وقت کے بے شمار قہر تھے۔ عام دنوں میں وہ بیٹی کو چومنے
موتے قہر سناتی رہتی تھی لیکن جب سولہ فروری کا دن آتا تو وہ
بیٹی اور گھر والوں کو کوئی خاص قصہ ضرور سناتی تھی۔ بیٹی اس
رچ سے بھی پریڈ والے جہاد کا خاص طور پر انکار کر لی
تھی۔ اس کے مقابلے میں روپ کو ان قصوں سے کوئی دلچسپی
نہیں تھی اور پریڈ کے بارے میں وہ دوسرے لوگوں جیسے
لیالات رکھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب اسے بند کر دیا جائے۔
اس نے این سے کہا۔ "جنگ پرانی بات ہو چکی ہے ہم کب
تک اسے لے کر نہیں رہیں گے؟"
"میرے بچے جنگ کتنی دینی ہے اور جو قومیں اس
سے سبق سیکھتی ہیں وہ دوبارہ جنگ سے محفوظ رہتی ہیں۔"
"ہم جنگ سے بچ گئے ہیں اور اب ان کی طرف جا
رہے ہیں۔ پورا یورپ ایک لگ بٹنے والا ہے۔ جنگ کی
پناہ گاہ پریڈوں کی وجہ سے ان کا ماحولی غراب ہو رہا ہے۔"
روپ نے اپنے طور پر مدبرانہ بات کی تھی اور این کو ان جواب
نہر دیا تھا کہ ان کی بات سن کر سکرا رہی تھی۔
"میرے بچے، یورپ ایک ہونے کا دھوکا دے رہا
ہے۔ کیونکہ قوموں کی تعمیر نہایت مضبوط ہے۔ امن کے دور
میں یہ باتیں اتنی بھڑکی نہیں ہوتیں لیکن جب جنگ ہو تو قوموں
کے درمیان فرق کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔"
"گر بیٹی آپ کی باتیں میری کچھ میں نہیں آتی ہیں۔"
روپ نے ہزارہی سے کہا۔
"میرے بچے، مجھ کی کچھ باتیں یہ بات ابھی نہیں آئے
گی۔ اس وقت آنے کی جنب ہمیں قوم کی بنیاد پر کسی دوسری



میڈی کیم ڈینٹل کریم



- لوئگ
- نمکیات
- یو کلیٹس
- اسپیئرمنٹ
- سائلوبلیٹک



کیا آپ کے نوٹھ پیسٹ میں فلورائیڈ کے علاوہ
یہ پانچ اجزاء شامل ہیں؟
احتیاط علاج سے بہتر ہے۔

کوئی نہ کوئی سہارا تھا اور اس وجہ سے یہ لمبی دھڑکنے سے قوت
دیا گیا رہا تھا صرف کمران کرنے والے آدمی کے پاس ایک
پرانی لمبی سی راکٹ تھی اور اس کا نائب نگرار سے سنا تھا۔
دلوں تھیں اور ان کے بڑے ہال میں دیوار پر یہ مورچہ
گئے ہوئے تھے۔ پرچہ میں استعمال ہونے کے بعد انکس اور
آریز میں کر دیا جاتا تھا۔

سائن کے پاس پرچہ دیکھنے آئے تھے۔ ان کی تعداد
خاصی تھی لیکن ان کے دیکھ کر ان میں نوجوانوں کی تعداد
بہت کم تھی اور وہ تروڑے اور اور جیڑے ہوئے تھے۔ سب سے
نیا وہ دوسری نسل کے لوگ تھے۔ نوجوان نسل میں میں جھکی
چند لڑکیاں اور لڑکے بھی شامل تھے۔ وہ بھی خاموش تھے اور
جب پرچہ کا سٹیشن کے پاس سے گزر رہا تو کسی نے نہ تو تالییاں
بجا دیں اور نہ ہاتھ دلائے۔ صرف میگی پر جوش تھی۔ وہ اچھل
اچھل کر تالییاں بجا رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ بار بار ایسا سے کہہ
رہی تھی۔

”گرمی بہت مزہ آور ہے۔“
انہی دستہ سڑک سے گزر رہا تھا کہ اچانک گیدوں سے
نوجوانوں کا ایک گروہ کل کر سڑک پر آیا اور اس نے سڑک کو
بند کر دیا۔ دستہ رک گیا تھا۔ ایسا پہلے بھی نہیں ہوا تھا۔ دستہ
میں شامل افراد اور دیکھنے والے پریشان تھے۔ ان کی سڑکوں
نہیں آ رہا تھا کہ نوجوانوں نے پرچہ کو کیوں دنگ دیا
تھا؟ انہیں کوئل کا جیڑے میں قان پر بری آگے آیا۔ اس کے
نوجوانوں سے اس حالت کی وجہ پوچھی۔

”ہم چاہتے ہیں یہ ڈراما اس بند کیا جائے۔“
نوجوانوں کے سربراہ نے کہا۔ ”وہ سب ایک ہونے والا ہے
اس لیے اس قسم کی پرچہوں کی ضرورت ہوتی نہیں ہے۔“
”ٹھیک ہے لیکن اس کے لیے یہ طریقہ مناسب نہیں
ہے۔“ قان نے نرمی سے سوجھایا۔ ”تم اپنے معاملات اپنے
غضب فوجیوں کے آگے کوئل میں قون کر سکتے ہو اور وہاں
رائے شادی کے زمانے اس پرچہ کو جاری رکھنے یا بند کرنے کا
فیصلہ ہو سکتا ہے۔“

”میرے صرف احتجاج دیکھا کر آئے ہیں۔“
نوجوان لیڈر نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وہ جیسے
کوسا سے نکلے تھے اسی ترتیب سے واپس گیدوں میں چلے
گئے۔ یہ کہہ کر وہی پرچہ کا دوبارہ آغاز ہو گیا تھا۔
جوش و خروش ختم ہو چکا تھا۔ سناڑ بھانے والے بے دلی سے ہی
رہے تھے اور دستے کے قدم بے دلی سے اٹھ رہے
تھے۔ کیا بھانے اور پانچہ ہانے والے افراد بھی اب

قوم کے فرد سے واسطہ پڑے گا۔ ہم فراموشی میں پسند ہیں
اس لیے بہت جلد دوسروں کے دھوکے میں آجاتے
ہیں۔ نصف صدی پہلے بھی ہم نے دھوکا کھایا تھا۔“
”آپ کا مطلب ہے جرموں نے ہمیں دھوکا دیا
تھا؟“

”نہیں، ہمیں سب نے دھوکا دیا۔ دشمنوں نے بھی اور
دشمنوں نے بھی۔“
”ٹھیک ہے اس وقت ایسا ہوا تھا لیکن وہ وقت گزر چکا
ہے۔“

”میرے بچے، وقت بھی نہیں گزرتا بلکہ یہ ہمیشہ خود کو
دہراتا ہے۔“ وہ انگوٹوں کے درمیان وقت گزرتا ہے۔“
یہ ہاتھ دھوپ کی بجھ سے ہلاتے تھے۔ وہ جدید دور کا
نوجوان تھا جو ہم تو بہت رکھتا ہے لیکن اس کی آنکھیں دور تک
نہیں دیکھتیں۔ یورپ میں دیوار پر لڑنے لڑنے سے ایک ٹی لہر
پیدا ہوئی تھی جس میں متحدہ یورپ کی باتیں کی جا رہی
تھیں۔ خاص طور پر نوجوان اس دور سے میں بہت پر جوش
تھے۔ صدیوں پرانے دشمن اب انکس جھکی نسل کے دوسرے
مار گئے تھے۔ برقی اپنا جادو اور انداز جنگ حکیم کے بعد
ترک کر چکا تھا۔ لیکن وہی اور مشرقی یورپ کے ممالک پرانی
دشمنیاں اور جنگیں بھول کر ایک نئے یورپ کا حصہ بننے جا
رہے تھے۔ یہ سب یہ ظاہر بہت اچھا لگ رہا تھا لیکن بہت
سارے لوگ جانتے تھے کہ سب اچھا نہیں تھا۔

پرچہ والے دن ان پرچہ ہوتی اور شام کو باؤن ہال
میں ایک تقریب ہوتی تھی جس میں جنگ کے حوالے سے
تقریریں ہوتیں اور جن افراد نے براہ راست جنگ کی تھی وہ
اپنے تاثرات بیان کرتے تھے۔ ایٹن بھی کئی بار اس تقریب
میں اپنے تاثرات اور جنگ کے واقعات بیان کر چکی تھی۔
لیکن اس بار اس نے سحریت کر لی۔ وہ تقریب میں شامل کئی
لیکن واپس پرانے سے الگ کر دیا تھا۔

سائن میں ضروری کامین نہایت سرد ہوتا ہے۔ سہرا
جانے والا ہوتا ہے لیکن اس کی شدت میں مزید تیزی
ہے۔ برف ہاری یا بارش تو لازمی ہوتی ہے۔ مگر سائن کے پاس
اس موسم سے بھی مطلب اٹھاتے تھے۔ سولہ ضروری کی سچ بھی
لگی برف پاری جاری تھی۔ ہوا بند تھی اس لیے موسم نہایت سرد
نکلتا تھا۔ میگی نے اصرار کر کے ان کو بھی پرچہ دیکھنے پر مجبور
کر دیا تھا۔ ان نے بھاری اور کوٹ پہنا اور میگی کے ساتھ
ان کی مرکزی سڑک پر کلنگی جہاں جنگ کی جگہ
ساتھوں دستہ پرچہ کی تیاری کر رہا تھا۔ تقریب سب کے پاس

خاموش تھے۔ مٹی دیکھی تھی۔ اس نے این سے کہا۔

"مگر یہ ان لوگوں نے کیا کیا؟"

"یہ ماہان تھا۔" این نے آہستہ سے کہا۔ "یہ نہیں جانتے، مٹی اتنی آسانی سے قوموں کا چھٹا نہیں پھوڑتا۔"

مٹی نے نہیں دیکھا تھا لیکن این نے دیکھا تھا کہ احتجاجی نوجوانوں میں اس کا پوتا روپ بھی شامل تھا۔ بڑے نہایت غراب ماحول میں قہقہہ ہونے لگی اور وہ دایکس گھر آگئے۔ مٹی ابھی تک افسردہ تھی۔ اس نے این سے پھر پوچھا۔ "مگر یہ یہاں کیوں کر رہے ہیں؟"

مٹی ہنسی اور یہ پوچھ کر صرف ایک سیلا سمجھ رہی تھی جس میں سارے قصبے والے جمع ہوتے تھے اور غوثی کا ماحول ہوتا تھا۔ روپ بھی اسے صرف ایک قریب سمجھتا تھا۔ اسے اور اس جیسے نوجوانوں کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ سولہ فروری کا دن مائٹن کے ہاسیوں کے لیے کیا حیثیت رکھتا تھا۔ این کا خیال تھا کہ وہ یہ بات ان نوجوانوں کو سمجھا بھی نہیں سکتی دوسروں کو کیا وہ اپنے پوتے روپ کو بھی نہیں سمجھا سکتی تھی۔ شاید ہر نسل کو یہ باتیں خود سے سمجھنے ہوتی ہیں جیسے ایک زمانے میں این اور اس کی نسل نے سمجھی تھی۔ کوئی اور واڈا یا کوپہ پڑے اور تقریب سے کوئی خاص دشمنی نہیں تھی۔ اس لیے عام طور پر ناؤن ہال کی تقریب میں اس گھر سے کسی کو نہ بلایا جاتا تھا۔

جب شام کو این تیار ہو رہی تھی تو روپ نے ان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ "مگر یہ آپ ناؤن ہال جانے کی تیاری کر رہی ہیں؟"

"ہاں میرے بچے۔" این نے ابتداء وار پوچھا تو کرسی سے اسے شاہی کی ٹیلی ساگرہ پر دیا تھا۔

روپ اٹھ آیا "مگر یہ بھترہ واگا آپ ناؤن ہال نہ جا رہی۔"

این نے ہلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم لوگوں کا ارادہ تقریب میں بھی کوئی احتجاج رکھا رکھنے کا ہے؟"

روپ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ "تو آپ نے مجھے دیکھ لیا تھا؟"

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔"

"نہیں اس بار سے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" روپ نے میہم انداز میں جواب دیا۔ "میں بس اتنا کہہ سکتا ہوں آپ وہاں نہ جائیں۔"

"روپ پہلے میرا ناؤن ہال جانا شاید احتیاج ہو رہی ہو ہوتا لیکن اب میں ضرور جاؤں گی۔"

"مگر یہی پلیز..... کو آپ نے اچھی کی۔" مائٹن ہے

وہاں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ جائے۔"

"اور وہ قوم لوگوں کا اور واڈا توڑ پھوڑ کرنے کا ہے۔" این پڑی۔ "میرے بچے احتجاج کا یہ درست طریقہ نہیں ہے۔"

"مثلاً آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن بہت سارے نوجوان ایسا نہیں سمجھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ان کے احتجاج میں ہنگامے شامل نہیں ہوں گے کوئی ان کے مطالبے کی طرف توجہ نہیں دے گا۔"

این گہری سانس لے کر رہ گئی۔ اس نے سوچا کچھ بھی نہیں بولا ہے نوجوانوں کا رویہ بھی اچھا ہے پھر اس نے اپنے پوتے کی طرف دیکھا۔ "روپ میں ضرور جاکس کی۔ اگر تم اور تمہارے ساتھی وہاں ہنگامہ کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کریں۔" روپ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ "پلیز مگر یہ میری بات مان لیں۔"

"میں نے کہا میرے بچے، پہلے شاید میں مان م قی لیکن اب یہ ممکن نہیں ہے۔ تم اپنا مطالبہ پیش کرنا چاہتے ہو ضرور کرو لیکن میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں اور وہ میں ضرور بتاؤں گی۔" این نے کہا اس نے اپنا پرانا لیکن خوب صورت منک کوٹ پہن لیا تھا۔ سردی کے لحاظ سے یہ نہایت موزوں تھا۔ مٹی ہنسی اور اس کے ساتھ جارہی تھی۔ روپ کی باتوں کی وجہ سے این نے سوچا کہ وہ مٹی کو نہ بے جا سے ٹھیک پھر اس نے مٹی کو بے جا لے کا فیصلہ کیا۔ مٹی کا حلق نوجوانوں کی طرف تھا اور اس نسل کو واگا کر نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ وہ لوگ ناؤن ہال پہنچے تو وہاں ماحول میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ شاید لوگوں کو نوجوانوں کے ارادے کا پتا نہیں تھا اور یہ کوئی بہت اونگھی بات نہیں تھی سارے نوجوان اس سے متاثر نہ تھے۔ جیسے روپ اس کا پوتا تھا اپنی مٹی کی سے بیٹے اور پوتے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے بڑوں کو وہاں ہال جانے سے منع کیا ہو گا۔ نان بریری پر چلنا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر رہا تھا کہ کیا کیا جائے تقریب ملتوی کر دی جائے یا پولیس کو طلب کر کے ان ناؤن کے پاس آئی۔

"نان کے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"ہاں۔" نان نے احترام سے کہا۔

"آج میں نے اؤنس پر آنے سے انکار کیا تھا۔"

"ہاں تمہارا نہ ہشاش نہیں ہے۔"

"لیکن میں اب اس پر اچھا چلی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ نوجوان تقریب ملتوی کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے واڈا ہنگامے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔"

نان نے خود سے اسے دیکھا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"کیونکہ میرا پوتا بھی ان میں شامل ہے۔" این نے اٹال کہا۔

"خپ تم ناؤنس پر کیوں آنا چاہتی ہو؟"

"میں ان نوجوانوں کو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔"

"کیونکہ تمہاری بات سن کر ان کے ناؤن نے ہلٹ کر دیا۔"

"شاید سن لیں یا شاید نہ سلیں لیکن میں جانتی ہوں۔"

نان نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے تمہارا یہ بھی فائنل پر آنے والوں میں شامل کر لیتے ہیں۔"

"میں تمہاری فکر گزار ہوں۔" این نے کہا اور اپنی قسمت کی طرف بڑھ گئی۔ نان نے فیصلہ کیا کہ تقریب ضرور منعقد ہوگی اور اس نے کچھ چٹیں بھی بٹوائی تھیں۔ تقریب کا آغاز ہوا۔ لوگ اؤنس پر آ رہے تھے۔ سب سے آخر میں پوچی کوٹ کا انجینئرین تقریر کرتا تھا۔ انہی ناؤن اؤنس

پوچی کا حال کے بھی دروازے سے نوجوان اندر آئے تھے۔ یہ نوجوان جمع تھا کچھ ٹھیک نہیں روکنے کے لیے پوچس سامنے آئے۔ دروازے پر موجود تھی۔ نوجوانوں کی تعداد دو درجن

تھی۔ انہوں نے عزائم جارحانہ تھے۔ نان انہیں دیکھ کر گھبرا گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کسی ہنگامے کا آغاز کرتے

ایک تیزی سے اٹھ کر اؤنس کی طرف بڑھی اور اس نے نان سے ہانک لیتے ہوئے کہا۔

"میرے بچے! کیا تم لوگ میری کچھ باتیں سننا پسند کرو گے؟"

"اوم صرف ایک بات سننا پسند کریں گے کہ آج کے بعد پڑھ اور یہ تقریب نہیں ہوگی۔" نوجوان لپٹہ سے کڑے لہجہ میں اس کے ساتھ کہا۔

"اگر تم لوگ ایسا چاہتے ہو تو ایسا ہی ہوگا۔" این نے زور سے کہا۔ اس کے اشارے پر نان اؤنس سے چلا گیا تھا۔

این نے اسے پولیس مداخلت سے منع کیا تھا اس لیے وہ ناخوشی سے اپنی قسمت پر فیصلہ کیا۔ "لیکن میری بات سن لینے میں کیا حرج ہے؟" یہی زمانے میں، میں بھی اپنے ساتھیوں کے

برادری طرح اس ناؤن ہال میں داخل ہوئی تھی۔

روپ نے حیرت سے اسے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "اگر ہم سن میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"نہیں ہم صرف ایک شرط پر نہیں گئے کہ آئندہ پڑھ اور تقریب نہیں ہوگی۔" نوجوان لپٹہ اپنی بات پر ڈونگیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تم سے وعدہ کرتی ہوں اگر میری

کلاس فکیشن

جس شخص ایک لڑکے کا کلاس گھرانے سے ہے۔ وہ اس طرح کے گھرانے میں بھائی لڑکے کے جیسے اور آگے بڑھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ والدین کی تعلیم بھی اسی ہے اس لیے اس کا گھرانہ لڑکے کا کلاس گھرانہ ہے۔ میرے بچے کا حلق ضرور اؤنس سے ہے اور اس لیے کہ بچا نے صرف تین کلاسیں پڑھی ہیں اور اب ان کا اکاؤنٹ بنانا بھی ضروری کلاس میں ہے۔ ہمارے سارے خاندان کا حلق مٹی کی ٹیبلٹ سے ہے۔ مٹی کوئی ضرور کلاس ہے کوئی لڑکے کا کلاس ہے۔ صرف ایک ماحول کا گھرانہ لڑکے کا کلاس ہے کیونکہ وہ سب ہال اسکول میں پڑھتے ہیں۔ جب میری عمر پندرہ برس ہوئی تو میں نے اسکول چھوڑ دیا۔ لیکن اسکول میں کوئی کلاس اسٹائل نہ ہونے کی وجہ سے میں ابتدائی تعلیم صحیح طریقے سے حاصل نہ کر سکی۔ تاہم اسٹائل اس لیے دیکھی کہ جب میں بھائی کرتی تو وہ مجھے بہت سے سمجھاتی کہ پڑھنا چھوڑ کر پڑھنا چھوڑ دیتی ہے۔ اب بھلا کوئی بچہ لڑی سے بھی سمجھتا ہے۔ چنانچہ میں ایک دن کے کھانے کے بعد کھانا کھا کر بھائی کر سکی۔ اب کیا تھا یا وہ سے زیادہ 44 کا ڈیڑے پڑ جاتے۔ بچہ اڈوں سے کب سمجھتا ہے۔ چنانچہ میں ایک وادہ اسکول آ کر پھر پڑھنا چھوڑ کر لیتی۔ کھانے کے بعد اسٹائل نے میرے ہاتھ پر توجہ دینی چھوڑ دی اور میری ابتدائی تعلیم متاثر ہو کر رہ گئی۔

تیسری کلاس کے بعد گھرانوں نے مجھے باہر جا کر کھیلنے کی اجازت دے دی لیکن باہر کوئی تیز آمد و رفت نہ ہونے کی وجہ سے میرا علاقہ تہہ نہ رہا۔ وہاں طرح کی گرسلیں کی لڑکی کو گولی دے دیتی تو وہ میری شکایت کر کے مجھے گھر سے چھوڑتی بلکہ مارنے کے لیے لگتے ہیں میں اسے 34 گالیاں دے دیتی اور پھر شکایت کرتی اور مجھے پھر چھوڑتی اب بھلا کوئی مار سے بھی سمجھتا ہے۔ ساتویں کلاس سے میں نے ٹیوشن پر عرصہ شروع کر دیا لیکن اسٹائل کے بد زبان ہونے کی وجہ سے میں نے ٹیوشن چھوڑ دی اور اس طرح کلاسٹائی کچھ سمجھاتی اور میری کچھ میں شہادت میں کہہ دیتی کہ تمہیں سمجھانا ہی نہیں آتا، میں تم سے ٹیوشن نہیں پڑھوں گی۔ چنانچہ اسٹائل مجھے برا بھلا کہیں۔ اب بھلا بد زبان کون تھا جس نے اسٹائل ان حالات کے پیش نظر اپنی معاشرے کے سچ نہ ہونے کی وجہ سے میں نے ٹیوشن چھوڑنے اور آگے بڑھنے کا اعلان کر دیا اب اب میرا لڑکے کا کلاس گھرانہ ہے۔

(تحریر: راحت مولانا محمد عثمان فنی)

مسٹر۔ رضوان بکری کریم زلی، اورنگی ناؤن کریم زلی

خانہ خراب

مکمل مندرجات



اونچس اوزان اور آزاد فضا کا احساس قفس میں قید بندھنوں سے زیادہ
کسی کو نہیں ہر سکتا... اس کے باوجود وہ کڑی اپنی زبان کی سمٹ
درست کرتا ہے اور نہ ہی آزادی کی قدر... لیکن ہر شخص آزادی کا بغور
صندوق لگتا ہے... اس وحشی نے بھی جب خونیں کھیل وچانے کی
کوشش کی تو ملک صاحب نے اس کی آزادی کے تمام راستے معذور کر
دیے... ایسا لوگوں پر حال میں کر رہا ہے۔

صبح کا آغاز بڑا اہم تھا۔ خیر تھا لہذا وہ پورا دن افراتفری
اور بھاگ دوڑ میں گزار گیا۔ اس روز میں نے جیسے ہی قہقہے
میں قدم رکھا، پتا چلا کہ میری آمد سے پہلے ہی کوئی میرا منتظر
تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ نور پور سے تین افراد مجھ سے ملنے آئے
ہیں۔ میں نے انہیں فوراً اپنے پاس بلا لیا۔

ان دنوں میں جس آدمی ایک قہقہے کے قہقہے میں
تہنات تھا۔ نور پور جس آباد کے محل میں کوئی میں، سو اہل
کے واسطے پر رات تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور میرے
تھانے کی حدود میں آتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد حذکرہ
تینوں نور پور میرے کمرے میں موجود تھے۔ ان میں سے
ایک اچھوٹا مرد، ایک اچھوٹا عورت اور ایک نوجوان لڑکی
تھیں۔ ان تینوں کے چہروں پر گہری تشویش اور پریشانی پائی
جاتی تھی۔ انہیں دیکھ کر میں نے نور پور پر جو اندازہ قائم کیا
اس کے مطابق وہ ایک ایسا مختصر خانہ تھا جو اچانک کسی
اقتاد کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ میں نے سوالیہ نظر سے باری باری
انہیں دیکھ اور پوچھا۔

”کیا مسئلہ ہے بھی تم لوگوں کا جو صبح قہقہے کا رشتہ
کرا پڑا؟“

”قہقہے رات صاحب انڈیر اچانک غائب ہو گیا
ہے۔“ عورت نے گہرائی ہوئی آواز میں بتایا۔ ”کچھ پتا

نہیں چل رہا، وہ کہاں چلا گیا...“
”تذکرہ کون ہے؟“ میں نے کاغذ قلم سنبھال لیا۔
سوال کیا۔

”تذکرہ جٹ افریدہ کا خاوند ہے چنانچہ...“
”نہی ہی عمر کی عورت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔
”تم کون ہو...؟“ میں نے مرد کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”میرا نام یعقوب ہے چنانچہ...“ اس نے ٹھہرے
ہوئے لہجے میں تعارف کرایا۔ ”افریدہ اور تذکرہ جٹ میرے
گواڑی (پڑوسی) ہیں اور ان کی انگوٹھی میں لکھا ہے۔“
”ات کے اقسام پر اس نے نوجوان لڑکی کی طرف
اشارہ کر دیا۔ جس نے اشارات میں سر ہلایا اور فریدہ کی طرف
دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے سوال کیا۔

”افریدہ بی بی اقبال خاوندکب سے غائب ہے؟“
”جی رات سے...“ اس نے روٹنے لہجے میں
جواب دیا۔

”کیا وہ گھر کے اندر سے غائب ہوا ہے یا...؟“
”نعمتوں سرکار! میں آپ کو بتاتا ہوں۔“ میری بات
پوری ہونے سے پہلے ہی یعقوب بول اٹھا۔ میں نے روٹنے
لہجے میں اس کی سست سوت لیا۔

آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک بھری تھی۔

سرسراہٹ ہوئی آواز میں اس نے مجھ سے پوچھا۔ ”کیا نور پور میں کوئی سنگین واردات ہوئی ہے ملک صاحب، جو اسے وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کی ضرورت پیش آگئی؟“

”میں نے تم سے گرفتاریوں کی کوئی بات کی ہے؟“ میں نے کھڑکراس کی طرف دیکھا۔

”وہی۔۔۔ میں تو یہی سمجھا تھا۔“ وہ قدرے نرمصوت سے میرا انداز میں بولا۔ ”آپ نے کہا تھا، انہیں پکڑ کر لایا ہے۔۔۔ پکڑنے کا مطلب میں نے یہی لیا کہ انہیں گرفتار کر کے لایا ہے۔“

وہ چاروں شریک آدلی تھے۔ ”میں نے ظہیر سے ہونے لکھ میں کہ۔“ کسی شخص کی کشمکش کے حوالے سے ان سے پوچھ بچھ کرتا ہے۔ وہ جہیں نور پور کے کیتوں میں یہ آسانی مل جائیگا۔ اگر چہ انہوں ایک ساتھ دستیاب نہ ہو تو جو ملے اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ ان چاروں ڈیپکاروں کے اہم یہ تھے۔

”ملک صاحب! تم ہونے والے بندے کا نام کیا ہے؟“

”نذیر جت۔“ میں نے ظہیر سے ہونے لکھ میں بتایا۔ ”یہ بندہ بھی نور پور ہی کا وسیک ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تین افراد مجھ سے ملے آئے تھے نا ان میں ایک نذیر جت کی بیوی، دوسری اس کی بیٹی اور تیسرا مردان کا ہم سایہ ہے۔ یہ لوگ نذیر جت کی کشمکش کی رپورٹ درج کرانے ہی آئے تھے۔“

میں نے شہزاد کی بے یمن فطرت کی تشکیں کے لیے تفسیلات سے آگاہ کیا تو وہ ہر جوتی انداز میں بولا۔ ”جواب! آپ گورنر کریں۔ میں ابھی کیا اور ابھی آیا۔“

”ایک بات کو ابھی طرح ذہن میں رکھنا۔“ میں نے بھی انداز میں کہا۔ وہ سوائے فخر سے مجھے نہ سمجھتا تھا۔

میں نے بدستور ظہیر سے ہوئے انداز میں کہا۔ ”میں نے کہا ہوں، تمہارے اندر“ قہانے واری“ کے بہت زیادہ اہم ہیں۔ لیکن تم ان چاروں کو یا جوگی مل جائیگا۔ یہ سب سے پائس سے کر آؤ گے۔ ان نور پور کے کیتوں میں

کھڑے ہو کر تھیل شریک نہیں کرو پنا۔ میں یہاں نور پور کی جلد واپسی کا انتظار کروں گا۔“

”ٹھیک ہے ملک صاحب! وہ سنجیدہ دیکھ میں آپ کہیں گے تو میں ان سے کچھ بھی نہیں کروں گا۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

”میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔“ میں نے کلام سے نہیں تھیش سے منع کیا ہے۔

سونگھات کاپجار، انکا، اقبال...

جسکی یادگار اور سدا بہار داستانیں جو آج بھی قارئین کے دلوں میں زندہ ہیں

ہوش رہا، پر تجھ پر تجسس اور
سلسلی خیز کہانیوں کے خالق

انوار صدیقی

کے قلم سے

ایک نئی

سلسلہ

دلچسپ کہانی



شکون

بہت جلد ماہنامہ سسٹمز ڈائجسٹ میں پیش کی جا رہی ہے

ازل سے برسرِ کار، غیر و شرکی متضاد قوتوں کی آویزش کی داستان

عنایت نے بری طرح تڑپ کر رہا تھا۔ دلی تھی۔ شہرگ کھٹنے کے
بعد وہ اذیت ناک انداز میں دکان کے فرش پر پھلکا ہوا۔ یہ
راے تو کم کرنے میں مجھے ذرا دباؤ دینی محسوس نہیں ہوئی کہ راجا
عنایت کا قاتل جو کوئی بھی تھا وہ ظلم، پرہیز اور سفاکی کے
"نوشہ پرائز" سے نوازے جانے کا مستحق تھا۔ پتا نہیں، ایسا
خطرناک دشمن اس نے کیوں پال رکھا تھا۔

موقع کی کارروائی کا تقاضا نہاتے ہوئے میں نے
دکان کی کھل تلاشی لی اور یہ خانہ کشا قاسمی سوزمند ثابت
ہوئی۔ میں نے ابھی جس "تجوری" کا دروازہ کھلایا ہے؟
اس کے اندر سے ایک خاص الٹی من شے برآمد ہوئی تھی اور وہ
شے جس ایک خون آلود ستر اچھل ہوئی حالت میں، اس دروازے
کے اندر دکھا ہوا تھا۔ میرے لحاظ اندازے کے مطابق، اسی
سترے کی مدد سے راجا عنایت کی گردن کاٹی گئی تھی گویا۔
میں آنکھیں پڑا کر کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ملا وہ اثری مذکورہ دروازے میں پتھر چھوٹے ٹوٹ اور
کچے بھی دیکھے ہوئے طے جن کی کل مالیت ساڑھے آٹھ
روپے تھی۔

اس زمانے میں فنگر پش و غیرہ اٹھانے کا رواج نہیں
تھا لیکن خون آلود سترے کے لیے باربری ٹیسٹ سے یقیناً اس
بات کی تصدیق ہو جاتی کہ اس کے خطرناک تیز دھارہاں
مقتول عنایت ہی کا خون لگا ہوا تھا۔

میں نے ضروری کارروائی مکمل کرنے کے بعد کھلیں
جوشید سے پوچھا۔ "جب تم پہلے یہاں آئے تھے تو کیا اس
وقت بھی رہیے ہو؟" "ہاں تھا۔"

"جی۔۔۔ رہیے تو آئی ہی تھا۔" "ابھی ملا نہ لکے
میں بولا۔

"فرش پر ایک لاش پڑی تھی، گردن کاٹی ہوئی ہوش اور
اس لاش کے سر ہٹے گئے تھے۔" "وہ کتنی آہیں
انداز میں کہا۔" "تم نے اس کو کون کون کر دیتے۔"

"جی۔۔۔ وہ پریشانی اور افراتفری میں میرا اس طرح
دھیان نہیں آتا تھا۔" وہ غلامت آمیز لہجہ میں بولا۔ "مجھے
معاذ کربلہ، چاہ۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" میں نے ورگزر کرتے ہوئے
کہا۔ "اب تم خودی طود پر راجا عنایت کی لاش کو سرکاری
ہسپتال مانچانے کا بندوبست کرو، جب تک میں لوگوں سے
بچ چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے چاہ۔" اس نے قریب ہوا رہی سے

کے ساتھ یہ کہا پڑ رہا ہے کہ آج پوئیس ڈیپارٹمنٹ کا بڑا حصہ
سیاست دانوں کے ہاتھوں کھلوتا بن کر رہ گیا ہے۔ ام تو اپنے
رہانے میں بڑے بڑے چور و چریوں، جاگیرداروں اور آئی
جی صاحب سے دوستانہ مراسم رکھنے والے ظلم خاں کو بھی
قانون کے ساتھ مذاقی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔
میں اس دردناک موضوع پر زیادہ "ذہان درازی" نہیں
کروں گا۔ مجھے بڑے حبابے میں اپنے عزیزوں، اپنے دوستوں
پر تھیں اور نواسوں کو اس کے لیے مشکلات کھڑی کرنے کا
کوئی شوق نہیں۔ میں لحاظ الفاظ میں صرف اتنا کہوں گا کہ
یا تو میں نے پوئیس ڈیپارٹمنٹ میں ذمہ داری نہیں سنبھالی اور یا
پھر آج کل کسی عجیب و غریب ڈیپارٹمنٹ کو "پوئیس" کا نام
دے دیا گیا ہے۔

میں مقتول قاسمی کی دکان پر پہنچا تو میں دیکھ کر لوگ ادھر
ادھر بکھر گئے۔ میں کاسٹل جیشید کے ساتھ دکان کے اندر
داخل ہو گیا۔ وہ خاص مشاہدہ دکان تھی۔

انتہائی حصے میں داخلی مقام کے سامنے ایک دیوار کے
ساتھ طویل چولہا لگی تھی جو یقیناً اپنی پاری کے اختصار میں
پینے والے گاہکوں کے لیے تھی۔ سامنے دوسری دیوار پر ایک
بڑا سا آئینہ آویزاں تھا جس کے زریں حصے کے ساتھ دیواری
میں ایک پتلا سا ٹیبل بنا ہوا تھا۔ مذکورہ ٹیبل پر آلات حجامت
سجے ہوئے تھے۔ اسی ٹیبل کے نیچے ایک درازی بھی بنی تھی
آری تھی جو ٹیبل طود پر مقتول کی تجوری کی حیثیت سے استعمال
ہوتی ہوئی۔ اسی دراز کے اوپر ایک ٹرانزسٹر بھی لگا ہوا تھا جو
اس وقت آن تھا۔ ٹرانزسٹر (ریڈیو) پر اپنے وقت کا ایک مقبول
گانا بچ رہا تھا۔ میں نے ناپ گن کر دیکھ کر بولا۔

حذکرہ ہلاکت ساڑھے آٹھ گھنٹے کے سامنے مقتول کی
لکھنوی کرسی بھی جہاں وہ اپنے گاہکوں کو بٹھا کر ان کی حجامت
اور شیوہ وغیرہ بنا تھا۔ ایک پرانا سا توپا مذکورہ کرسی کے پشتے
پر رکھا ہوا تھا۔

دکان کے پچھلے حصے میں گرم حمام بنا ہوا تھا۔ یہ حصہ دو
پاتھر و مڑ پر مشتمل تھا۔ دوسروں کا موسم تھا جیسا کہ چند
لوگ غسل و طہر کی غرض سے ادھر کاروبار کرتے تھے۔ مقتول
راجا عنایت کی لاش اس کی کرسی کے قریب ہی دکان کے فرش
پر پڑی تھی۔ میں اکڑوں ٹیڈ کر دیش کا معائنہ کرنے لگا۔

شہرگ کے مقام سے اس کی گردن کو کسی تیز دھارہاں سے
کی مدد سے کاٹا گیا تھا۔ دکان کا فرش پتلی، پانی رشتی بھی ابھی
قاسمی خون آلود تھی۔ خون کے پاشیوں سے اندازہ ہوا تھا کہ

اثبات میں گردن پلائی پھر چوکنے ہوئے اشار میں بولا۔
 "آپ پوچھنا کہ آواز کبیر احمد سے کہیں جواب۔"
 "کبیر احمد۔۔۔۔۔ میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔"

"کون ہے؟"
 "کبیر احمد وہ بندہ ہے جناب جس نے سب سے پہلے راجا عنایت کی لاش کو دیکھا تھا۔" جمشید نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا پھر باز درمیں کھڑے لوگوں میں سے ایک دروازہ قاصد شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
 "وہ جو کہا تو لگا آدمی کھڑا ہے۔۔۔۔۔ وہی ہے کبیر احمد۔۔۔۔۔"

میں نے اثبات میں گردن پلائی اور تائیدی لہجے میں کہا۔ "فی الحال تم عنایت کی لاش کو کسی کچرے وغیرہ سے لٹک دو۔ کی ہوئی گردن کا منظر دیکھنے والوں کو خوف اور وحشت میں مبتلا کر رہا ہے۔"

"جی ملگ صاحب۔۔۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ مقتول کی لاش کی جانب بڑھ گیا۔

میں دکان سے باہر نکلا اور کبیر احمد نامی اس شخص کو اشارے سے اپنے پاس بلا دیا۔ وہ جلدی سے میرے قریب آگیا۔ میں نے جھوم سے تھوڑے فاصلے پر لے گیا اور پوچھا۔
 "کبیر احمد اتم کرتے کیا ہو؟"

"جی۔۔۔۔۔ میں پھیری کا کام کرتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"پھیری کا کام۔۔۔۔۔" میں نے تھیری نظر سے اسے دیکھا۔ "مطلب یہ کہ تم جھوم پھر کر مختلف سامان فروخت کرتے ہو؟"

"جی، تمہارے دار صاحب! اس نے اثبات میں گردن پلائی پھر بتایا۔ "جناب امیر سے پاس سارا نمودوں اور گر کیوں کے میک اپ کا سامان ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کے کڑھائی کرنے والے دھنیں، رنگی دھانگے، سوپیاں، کمرشلے، بکڑی کے فریم، تالے، پرائڈر اور ہاریاں بھی میں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔۔۔۔۔ وہ سامان لینے کے لیے متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں تمہیں آباد اور اس کے آلے دوالے کے گاؤں میں پھر لگا کر یہ چیزیں بیچتا ہوں۔"

"کبیر احمد۔۔۔۔۔" میں نے حیرت بھری نظر سے اسے دیکھا اور کہا۔ "یاد۔۔۔۔۔ تم تو چت پھرتا جانا۔۔۔۔۔" اس نے میرے جھمرے پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اور

ایک لنگ میری طرف دھنچ چلا گیا۔ میں نے پوچھا۔
 "کیا یہ کچ ہے کہ عنایت کی لاش کو سب سے پہلے تم نے دیکھا تھا؟"

"جی ہاں!" اس نے سر کو اٹھائی جھنک دی۔ "یہ بات بالکل درست ہے۔"

"تم اس طرف کیا لینے آئے تھے؟"
 "میں راجا عنایت کی دکان پر قیدی بنائے آیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے پوچھا۔

"میں جیسے ہی دکان کے اندر داخل ہوا، عنایت پر میری نظر پڑی۔۔۔۔۔" اس نے جواب دیا۔ "میرا مطلب ہے۔۔۔۔۔ اس کی لاش پر نظر پڑی۔۔۔۔۔"

"کیا یہ لاش دکان میں کسی جگہ پڑی دکھائی دی تھی جہاں اس وقت موجود ہے؟" میں نے سلسلہ سوالات کو آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اثبات میں گردن پلائی۔

میں نے اگلا سوال کیا۔ "اور دکان کے اندر یہ کون سا کونسا تھا؟"

"جی ہاں۔۔۔۔۔ دروازے پر گانے آرہے تھے۔۔۔۔۔ کوئی فریال آدمی تھی۔" اس نے بتایا۔ "یہ تھے کہ کبھی سویتا تھا پروگرام پشور ہوتا تھا۔"

"عنایت کی لاش کو دیکھنے کے بعد تم نے کیا کیا تھا؟"
 "میں نے لاش، لاش کا شور مچایا اور دکان سے باہر نکل آیا۔"

"وہ ایک چھوٹا سا لڑکا تھا۔۔۔۔۔" تھوڑی سی دیر میں وہاں دروازے پر سے دو گئے اور پھر۔۔۔۔۔ آپ کے تھامنے کا ایک سیڑھی چاروں پاس میں اوجھڑا لگا۔ میں نے سیڑھی کو صورت میں سے آگاہ کر دیا۔ اس نے میری بات توجہ سے سنی، لاش کا سر سری جان کر لیا اور مجھے یہ ہدایت کرتے ہوئے تھامے روانہ ہو گیا۔"

"وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔ "کون سی ہدایت؟"

"آپ کے سیڑھی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ادھر ادھر کھنڈہ جاؤں۔" اس نے جواب دیا۔ "انہی تھامنے دار صاحب۔۔۔۔۔ یعنی آپ یہاں آکر میرا ان میں سے کسی ایک سے میں ادھر ہی کھنڈہ لے کر رہا ہوں۔ شیو تو کیا اب آج کی تو رہا ہی نہیں تھی جناب۔"

"مجھے ان حالات میں بھی اپنی رہائی کی پڑی ہے۔"

"کبیر احمد!" میں نے اسے لائن پلائی۔ "ادھر تمہارے گاؤں کے ایک دروازے کی دروازہ کھول دے۔۔۔۔۔" اس نے لنگ میں دل اور خود غرض انسان ہوا۔

"وہ خرمندہ ہی صورت بناتے ہوئے بولا۔ "معاف کر رہی جناب۔۔۔۔۔ غلطی ہو گئی۔"

میں نے پوچھا۔ "جب تم عنایت کی دکان میں داخل ہوئے تو کیا اس پاس کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں؟"

"نہیں جناب۔۔۔۔۔" اس نے نفی میں گردن پلائی۔ "اس بازار میں سب سے پہلے صرف دو دکانیں کھلی تھیں۔ ایک تو راجا عنایت کی اور دوسری گڑھ خیر فروش کی۔" وہ مجھے پھر دیکھا پھر ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"وہ اس طرف، دروازے کے آخر میں چاہا گا، کی وہ وہ دکان کی دکان ہے۔ جب میں ادھر آیا تو راجا کے آس پاس والی دکانیں بند تھیں۔ یہ تو انہی تھوڑی دیر پہلے کھلی تھیں۔"

"تم نے ان دکانوں کو کھولنے کے لیے کون سا طریقہ استعمال کیا؟" میرا مطلب ہے وہ جب تم دکان میں داخل ہوئے تو اس وقت کوئی بندہ دکان میں سے نکلا ہو۔۔۔۔۔ دکان سے نکل کر کسی طرف بڑھ گیا ہو۔۔۔۔۔"

"جی نہیں جناب۔۔۔۔۔" وہ قلعی لہجہ میں بولا۔ "میں نے نہ تو اپنے کسی بندے کو جاتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ ہی عنایت کے قاتل کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔"

میں نے مزید دو چار سوالات کے بعد کبیر احمد پھیری والے کو فارغ کر دیا اور تائیدی لہجے میں کہا۔ "کبیر احمد آج تمہاری جھنک ہے۔ تم پھیری لگانے نہیں چاہو گے اور پھر ان گھر میں گزرو گے۔" میں نے تھوڑا توقف کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"کل جب تم کام دھند سے کے لیے شمس آباد سے نکلتے لوگوں اور تھامنے میں آکر حاضری لگو دینا اور جب وہاں لوگوں تو بھی اپنی صورت مجھے دکھانے کے بعد گھر کا رخ کرنا۔۔۔۔۔"

اس نے انجمن زدہ نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا۔ "تمہارے دار صاحب۔۔۔۔۔ آپ کی حوالے سے مجھے پر شک کر رہے ہیں؟"

"آں ہاں۔۔۔۔۔" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے کچے میں کہا۔ "شک نہیں اسے تم میری احتیاط سمجھو۔ بہر حال اس شخص میں تم ایک اہم گواہ کی حیثیت رکھتے ہو۔۔۔۔۔"

"کبیر احمد۔۔۔۔۔" اس کی انجمن زدہ نظر ہو گئی۔
 میں نے اس کا شانہ ٹھپ ٹھپاتے ہوئے سلی آواز میں پوچھا۔ "کبیر احمد اپریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ شخص دکان کی کامروائی ہے۔ اسے تو کوئی ضابطہ سمجھو۔"

وہ مطمئن ہو گیا۔
 میں نے وہاں موجود افراد میں سے بھی چند لوگوں سے مختلف سوالات کیے لیکن کوئی مفید بات معلوم نہ ہو سکی۔ مقتول کے پڑوسی دکان دار اشرف اور بھونے نے قاتل کے کالی دیر بعد اپنی دکانیں کھولیں تھیں۔ وہ بھی اس افسوسناک واقعے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے تاہم میں نے ان سے عنایت کے کسی ممکنہ دشمن کے بارے میں بھی سوالات کیے لیکن کوئی سراغ نہ مل سکا۔

اسی لمحے مجھے پتہ چلا کہ مقتول راجا عنایت کی ماں براتی بھولی رہاں نکلی گئی ہے۔ اس بد نصیب کا نام پشیراں بی بی تھا۔ پشیراں کی عمر لگ بھگ چھپن سال رہی ہوگی۔ سر کے بالوں میں سلیدی اور سیاہی کا تھکا سب یکساں تھا۔ وہ ایک دلی پٹی اور غامضی مستعد عورت نظر آتی تھی تاہم بیٹے کی موت کی خبر نے اسے گور کر رکھا دیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی لاش تک پہنچی اور اسے دیکھنے کا مطالبہ کر دیا۔

میں نے مقتول کے چہرے پر سے کپڑا ہٹا دیا تاہم گردن کے کٹے ہوئے حصے کو پوشیدہ ہی رہنے دیا۔ وہ خود کا اور دلہن و منظر ایک سگی ماں کو دکھاتا سرسمر لگم اور زیادتی والی بات بولی۔

وہ مردود بیٹے کے چہرے کو دیکھتے ہی سینہ کو پی کرتے ہوئے دھار لیں مار کر رونے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے یہ الفاظ جاری تھے۔

"یہ تو ایک دن ہوتا ہی تھا۔۔۔۔۔ میں نے عنایت کو کتنا سمجھایا تھا کہ یہ معاملہ بننے والا نہیں۔۔۔۔۔ وہ کلثوم سے جان چھڑائے لیکن وہ میری ایک نہیں مانتا۔۔۔۔۔ بڑا غلطی تھا۔ ایک بار اس کے ذہن میں جو بات چلے جاتی تھی پھر لکھنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ ہائے رہا میرا تو ایک ہی بیٹا تھا۔۔۔۔۔ اب میں کیا کروں۔۔۔۔۔ کہاں جاؤں۔۔۔۔۔"

پشیراں کی آواز بکلتے مجھے ہونٹے پر بکھو کر دیا۔ ان کی الفاظ نے تو گویا تاریکی میں ایک مرکزی بلب روشن کر دیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے قاتل کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ اس کی بات سے یہی تاثر ابھرتا تھا کہ وہ اس نوعیت کے اعدا ہٹاک اور شکنجے واقعے کی پہلے ہی سے توقع کر رہی تھی۔

میں نے اس کی "ناماتی حرکات" میں کسی قسم کا تردد والے کی کوشش نہیں کی اور پوری توجہ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ پر لگا دی۔ پانچ منٹ کے بعد کاشمیل جشید نے افکار وئی کو لاش کو سرکاری اسپتال پہنچانے کا اہتمام ہو گیا ہے۔

میں بشیراں بی بی کے پاس گیا پھر شائون سے تمام کر کے کھڑا کرتے ہوئے اس کے کان کے قریب ہود و انداز میں سرگوشی کی۔ "بشیراں بی بی! انہود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ مجھے پتا ہے وہ اپنے بیٹے کے قاتل کو اچھی طرح جانتی ہو۔" اطمینان رکھو کہ تمہارے ساتھ انصاف ہوگا۔ میں اس واقعے کے بارے میں کوئی چھپاؤ پر لگا کر ہی دم توڑوں گا۔"

میرے الفاظ میں ایسی تاثیر تھی کہ وہ امید بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگی پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تمہارے داد صاحب۔ آپ کچھ کہہ رہے ہیں۔" "سوال آئے سچا! میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو بتاتی۔" وہ افسردہ انداز میں بولی۔ "ابھی بتاتی ہوں۔"

"ابھی نہیں!" میں نے نقلی انداز میں اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔ "یہ ساری کچھ بی بی میں تمہارے گھر میں بچہ کراہیمنان سے سناؤں گا۔ یہاں اس قسم کی باتیں کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ میں تمہارے بیٹے کی لاش کو دفنانے کے لیے اسپتال بھجوا دوں۔ پھر تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلتا ہوں۔"

وہ خاموشی نظر سے یک تک مجھے دیکھتے ہوئے آنسو بہاتی چلی گئی۔

میں نے لوگوں کے تعاون سے دراجا عنایت کی شہرگ کی لاش کو ایک تانگے میں رکھوایا پھر کاشمیل جشید کو ضروری ہدایات دینے کے بعد لاش کے ساتھ سرکاری اسپتال کی طرف روانہ کر دیا۔ "اما شاء اللہ میرے شک ایڈگرم حمام" پر میں نے سرکاری تالاف ڈال دیا تھا۔

۵۴ ۵۵ ۵۶

مفلوں عنایت کا گھر جس آباد کے دوسرے کوارے میں واقع تھا جب ہی بشیراں بی بی کو جانے دوں تک پہنچنے میں تھوڑی دیر لگ گئی تھی۔ جب میں اس کے ساتھ گھر پہنچا تو وہ پھر بولنے لگی۔ "گھر کے اندر کوئی بھی نہیں ہے۔"

جب ہم ایک دوسرے کے درویدہ ہوئے تھے تو میں نے سوکار انداز میں کہا۔ "بشیراں بی بی! مجھے تمہارے بیٹے کی

اہم بات موت کا بڑا دکھ ہے۔ میں تمہارے فلم میں ہر ایک شریک ہوں۔ میں عنایت کو تو وہاں نہیں لاسکتا لیکن یہ میرے سے دیر ہے کہ اس کے قاتل کو جلد از جلد گرفتار کر کے عدالت سے غیرت ڈاک سزا دلواؤں گا۔"

دو گرم چادر کے پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "کاش اعنایت میری بات مان لیتا تو آج یہ دن نہ دیکھ پڑتا۔ وہ بھی چلا گیا اور میں بھی دنیا میں اکیلی رہ گئی۔"

"سو مل کر و بشیراں بی بی!" میں نے اپنا ہاتھ بھر سے لہجہ میں کہا۔ "اللہ کی قسم میں یہی تھی کہ تمہیں یہ صدمہ اٹھانے پڑے۔ آہستہ آہستہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو۔ دکھ و رنج تو انسان کی زندگی کا حصہ ہیں۔ انسان انہی سے بڑے بڑے زندگی گزار جاتا ہے۔"

"عنایت کو تو اس کی ضد لے ڈال دی ہے تمہارے داد صاحب۔" "وہ رو پائی ہوگی۔"

"بشیراں بی بی! تم نے وہاں دکان پر بھی عنایت کی بند کا ذکر کیا تھا۔" میں نے تمہارے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "تمہاری باتوں سے میں نے اندازہ قائم کیا ہے کہ تم اپنے بیٹے کے قاتل کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو۔ تم نے کسی کلثوم کا بھی نام لیا تھا۔" میں نے لمبی توقف کر کے

ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "کلثوم چاقو ہو کر عنایت کے قاتل کو تخت ترین سزا ملے گی۔" "کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کرو۔" "سارے سسکے کی جڑ لگی ہو کر کلثوم ہی کو ہے جناب۔" وہ فقرت آمیز انداز میں بولی۔ "اس بیٹی نے عنایت کو الہ کا گوشت کھا کر اپنی زندگی میں رہ لیا تھا۔ وہ کلثوم کے سامنے کسی کی نہیں مل سکتی تھی۔" "کوئی میرے تخت جگر کو۔"

"یہ کلثوم سے نہیں!" میں نے ہنسنے لگا۔ "ابھی تک یہ بیٹی ہی۔" اس نے ہر اس منہ پٹائے ہوئے جواب دینے کو مجھ سے عنایت کا ایک دو سالہ بچہ بھی ہے۔

"کلثوم اور وہ بچہ ہیں کیاں؟" میں نے حیرت سے انداز میں استفادہ کیا۔ "اس گھر میں تمہارے سوا تو مجھے اور کوئی نظر نہیں آ رہا۔"

اس نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ موضوع کی بھری سے بہت ترسیر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ نہیں کی۔ میں دیکھ کر آتی ہوں۔"

میں اس وقت بشیراں بی بی کے ساتھ اس کے گھر کی کھڑکی پر بیٹھا تھا۔ اس جھٹک کے علاوہ اس گھر میں مزید کوئی اور ایک لمبی برآمدہ بھی تھا۔ مکان کا گھر بھی اچھا تھا۔ اندازہ تھا جس میں ایک دیوار کے ساتھ امرود اور اداہ کے تخت تھے ہوئے تھے۔ دوسری دیوار کے ساتھ باورچی خانہ اور غسل خانہ وغیرہ بنا ہوا تھا اور کونے میں، مین جھٹک کے اندر کوئی دروازے کے سامنے شہوت کا ایک تھوڑا سا

تھوڑی سی دیر کے بعد بشیراں بی بی فوت ہوئی اور اس کے گھر میں کلثوم کے دونوں سے بچے تھے ساتھ اپنے بیٹے کی موت ہے۔ اور چھپ چھپ (چھپتیں) اس کے پاس

ایک پائیس آغیر دے رہے تھے۔ جس کا مادہ کوٹ کر میرے اندر رکھا ہوا تھا۔ بشیراں نے وہاں آنے کے بعد میرے اس سولے کا جواب دیا تھا جو میں نے اس کے پاس سے پہلے چھپا۔ وہ اپنی جگہ بالکل درست تھی لیکن یہ ہونے والی دھتک کے بعد میرا دماغ کسی اور چیز پر مرکوز ہو گیا تھا۔ اسی "مسمرا فیت" کی بنا پر میں اس سے پوچھا۔

"اور وائے پر کون تھا؟" "مفلے کی عورتیں ہیں جناب۔" اس نے بتایا۔ "عنایت کی موت پر افسوس کرنے آئی ہیں۔ میں نے انہیں دکان سے مین بٹھا دیا ہے اور کہا ہے کہ اس قاتلے داد صاحب کو جان دے کر ابھی آئی ہوں۔"

"لہجہ ہے۔" اس کے جواب سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے کہا۔ "اس جو تم مجھے عنایت کے قاتل کے بارے میں کچھ بتائے وہی نہیں۔ تم نے اوپر دکان پر کلثوم کے دکان سے بھی ایک ایسی بات کی تھی۔ تم نے کہا تھا یہ ایک دن ہوتا ہی تھا۔ اگر عنایت کلثوم سے جان چھڑا لیتا تو وہاں نہ دیکھنا پڑتا۔" میں نے لمبی توقف کر کے ایک گہری سانس لی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تم نے کلثوم کے لیے 'اس' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیا تم جانتی ہو کہ عنایت کی موت میں اس کی بیوی کلثوم کا ہاتھ ہے؟"

"یہ سب کچھ اسی قسم کی وجہ سے ہوا ہے جناب۔" وہ مضبوط لہجہ میں بولی۔ "مجھے ہر اچھا ہے کہ عنایت کی موت والے معاملے میں کلثوم کا بھائی ریاض موت ہے۔"

ریاض بڑی کینڈا اور فقرت آدمی ہے۔ وہ کئی مرتبہ عنایت کو خطرناک منہ کی دھمکیاں بھی دے چکا تھا۔" "خبردار! کلثوم کی دھمکیاں۔" میں نے الجھن زدہ نظر سے بشیراں بی بی کی کودیکھا اور پوچھا۔ "عنایت نے ایسا کیا کہ وہ چاہتا تھا کہ اس دھمکیوں دینے پر مجبور ہو گیا؟"

"لیکن اس میں غرابی والی کون سی بات ہے؟" میری حیرت دوچہ ہو گئی۔ "عنایت نے ریاض کی بہن کلثوم سے شادی کی اور اب ان کا ایک دو سال کا بچہ بھی ہے۔ اس میں خطرناک دھمکیوں کی کہاں گنجائش تھی؟ بشیراں بی بی۔" "وہ جی۔۔۔ دراصل بات یہ ہے کہ عنایت اور کلثوم نے پٹنہ کی شادی کی تھی۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "ریاض اور ان کے گھر والوں کو کلثوم کی یہ حرکت بہت بری لگی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ کلثوم، عنایت کے بیکار سے اس آگئی ہے۔"

"بیکار سے اس آکر انسان ہمیشہ ناکام کرتا ہے۔ وہ علم کی راہ اختیار کرتا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اگر واقعی کلثوم کو عنایت نے بیکار ہوتا تو پھر وہ اس کے ساتھ باقاعدہ شادی نہ کرتا اور نہ ہی وہ سیاں بچہ کی حیثیت سے رہتے ہوئے ارادہ پہنچا کرتے۔" "بیکار سے کے نتیجے میں تو وہ حرام کاری کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔" میں نے تھوڑی سی دیر تک کرکٹ لے والی نظر سے بشیراں بی بی کو دیکھا پھر اپنی بات تمیں کرتے ہوئے کہا۔

"عنایت، کلثوم کو بچا کر اپنے گھر لایا اور پھر اسے اپنی عزت بنا لیا۔ میری کچھ نہیں آ رہا کہ عنایت کے اس عمل پر ریاض کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔"

"میں نے بتا دیا ہے کہ جناب، وہ اسے دماغ کا آدمی ہے۔" وہ بیزارگی سے بولی۔ "بھگوانو اور تختہ پرور ہے۔ اس کے گھر والے بھی کچھ کم تو نہیں ہیں لیکن ریاض کچھ زیادہ ہی گھرا ہوا ہے۔ بچے لگنے لوگوں کے ساتھ اس کا اشنا بیٹھا ہے۔ جب اس نے مختلف طریقوں سے عنایت کو مارا اور کھانا شرمایا تو میں نے اسے سمجھا دیا تھا۔" "جیہا۔۔۔ یہ سارا کتنے اس بد بخت کلثوم کی وجہ سے ہے۔ تم غرابی کی جڑ کو اکھاڑ کر دور پیچنگ دور بھگوانو پر خود غم ہو جائے گا۔ میں تمہاری بہت اچھی جگہ شادی کر آئی کی۔ اس وقت تک تو مجھے کی پیدا نہیں بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کی پیدا کرنے کے دور دور تک

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ایک بھل سانس خارج کی پھر گویا بولی۔ "مگر عنایت نے میری ایک نہ سنی۔ وہ پر پار نہیں کرتا تھا۔۔۔ اہاں! میں نے جو کچھ کیا ہے اسے زندگی کی آخری سانس تک چھوڑ دیا تھا۔ میں کسی کی دھمکیوں یا بدخواہی سے نہیں ڈرتا۔۔۔ وہ اپنی ضد پر ڈارہا اور دوسری طرف ریاض کے قیود وقت کے ساتھ ساتھ خطرہ کہ سے خطرناک تر ہوتے گئے۔۔۔ اور اب نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔" قہار نے وار صاحب۔۔۔!

بات کے اختتام پر اس کی آواز بھرا گئی اور وہ ایک مرتبہ پھر اپنی چوڑ کے پلو سے آنکھوں میں اتر آئے والے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی۔ "بھیراں ایک ماں تھی۔۔۔ ایک ایسی ماں، چند کھٹے کھٹے جس کے بچے کو بڑی بے ودی سے قتل کر دیا گیا تھا۔۔۔ اس سب سے بڑھتے ہوئے آنسو بھرائی، کم تھے۔ میں اسے الگہ گرم سے قتل کر دیا تھا۔ میں اس کے بچوں کے لیے میرے دہن میں جو انہیں بھردی تھیں انہیں بھجواتا بہت ضروری تھا۔ اسی تاظر میں، میں نے اس سے پوچھا۔

حمی؟ "کولی۔۔۔! "وہ سوچتے ہوئے بولی۔ "تمیں سال پہلے جناب۔"

"بھیراں بی بی! "میں نے معقول لہجے میں سوال کیا۔ "تم نے بتایا ہے کہ کلثوم کچھ دنوں سے اپنے بچے کے ساتھ چل چلی ہوئی ہے۔ کیا عنایت بھی اپنی سسرال جا کر کرتا تھا؟"

"صرف کلثوم کو الے اور الے جانے کے لیے وہ تھوڑی دیر کے لیے چل چلی چلا جاتا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "اس کے سوا کچھ نہیں۔۔۔!"

"اور یہاں سے کلثوم سے ملنے کے لیے کولی آیا کرتا تھا۔"

"نہیں جی، کولی نہیں! "اس نے بتایا۔

"اس کا مطلب ہے وہ دنوں خانہ لائوں میں شدید نوعیت کا ذاتی تناؤ پایا جاتا تھا؟" میں نے ایک امکانی بات کی۔

"جناب! کچھ ایک سال سے یہ تناؤ کچھ کم ہوا ہے۔"

"تو ایک آخر دہائی سانس چھوڑتے ہوئے بولی۔ "وہ لوگ تو کھجور کے غرن کے پیا سے تھے۔۔۔"

"ایک سال سے۔۔۔" میں نے زیر لب دہرایا اور

پوچھا۔ "ایک سال پہلے ایسا کیا ہوا تھا بھیراں بی بی۔۔۔ خاص؟" "جی۔۔۔ ایک سال پہلے ملک ویم نے وہ دنوں میں صلح صفائی کرائی تھی۔" اس نے بتایا۔ "میں بھی جیتی ہوں، کلثوم کے گھر والوں نے صرف ملک ویم کی بات رکھنے کے لیے صلح کر لی تھی مگر ان کے دل صاف نہیں ہوئے تھے۔ وہ یہ قہر میں ڈھانپا۔۔۔"

"ملک ویم کون؟" میں نے اپنی معلومات کے لیے پوچھا۔ "ملک ویم چک پھرتی کا ایک بااثر زمیندار ہے جناب! "بھیراں بی بی وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "شاہی کے پہلے دو سال تو کلثوم ایک پارک میں کھیلنے لگی تھی۔ وہ ان میں اعزاز کی پیدائش ہوئی۔ انکی دست نہیں تھی کہ عنایت نے کلثوم کے جانے پر کوئی پابندی لگا رکھی ہو۔ وہ خود ہی نہیں جانتی تھی۔ کئی گھنٹے جب اس کے گھر والے عنایت کو پتہ نہیں کرتے اور اس کا بھائی عنایت کو جان سے مار دینا کی دھمکیاں دیتا رہتا ہے تو پھر وہ بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"یہ بات تو کلثوم کی اچھائی میں جاتی ہے بھیراں بی بی! "میں نے صاف کوئی کاملا ہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو وہ الفاظ ہیں جناب جو اس کے منہ میں تھے۔" یہ بات تو خدا ہی جانتا ہے قہار نے وار صاحب۔ "وہ ایک روائی ماس کی سوچی کی عکاس کرتے ہوئے بولی۔ "وہ ایک ہے کلثوم کو اور ہر گز وہ چل چلی گئی تو ریاض اسے بھی کوئی شدید نقصان پہنچا سکتا ہے۔ کلثوم کے ماں باپ اور چھوٹے بھائی چاہے تو بھیراں اس شاہی شہر میں شرکت کر لی تھی لیکن ریاض شامل نہیں ہوتا تھا۔" "وہ سانس بھرد کر کے کے لیے دی پھر اضافہ کرتے ہوئے بولی۔

"ریاض شاہی کے سوچنے پر گھر میں موجود نہیں رہتا۔ وہ اکثر روز قیام اور آتے ہی اس نے گھر والوں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ انہوں نے جیسے جیسے کلثوم کو وہ تو دیا ہے انکی سب دہائی میں قہر میں قہر میں دے گئے کی دہرہ جو بھی نتیجہ ملے گا، اس کے وہ خود اسے دہرہ ہوں گے۔ وہ عنایت اور کلثوم سے ایک جیسی نظرت کرتا ہے۔۔۔ دلیرہ و دلیرہ!"

"تو ریاض کی دہائی میں اور بھولی سے نظرت پور سے دو سال تک برقرار رہی۔" میں نے پوچھ کچھ کے مطلب کو سمجھنے کے لیے کہا۔ "جب ملک ویم نے وہ دنوں خانہ لائوں کے درمیان صلح کرائی تو پھر یہ معاملہ صاف ہو گیا۔ ریاض کی نظرت اگرچہ

تھیں لیکن اتنا ضرور ہو گیا کہ کلثوم اور عنایت کے ہاتھ پکڑے جاتے ہیں کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا تھا۔۔۔"

"بھیراں تو ایسا ہی گپ رہا تھا جناب! "وہ بھرا گئی بولی۔ "لیکن میں سمجھتی ہوں، ریاض کا قیاد دل اتنی آسانی سے صاف ہونے والا نہیں۔ وہ ملک ویم کی وجہ سے خانہ لائوں کرنے سے توبہ آگیا تھا لیکن اس کے من کا کہ اور انھیں اسے آرام و سکون سے بیٹھے نہیں دیتا تھا۔ اس نے دے سوچے کچھ منصوبے کے تحت قہر میں آج اپنے دل کی بھڑاس نکال لی ہے۔" اللہ غارت کرے اس شیطان کو۔ میری پور دعا ہے کہ وہ کتنے کی موت سے مرے۔"

"تو تمہیں پورا یقین ہے، عنایت کی موت میں ریاض کے سوا کسی اور کا ہاتھ نہیں؟" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "میرا دل کہتا ہے، عنایت کا قاتل وہی ہے! "وہ پورے یقین سے بولی۔

"قہار نے پاس اس دہرے کا کوئی ٹھوس ثبوت بھی دے سکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "سب سے بڑا ثبوت میرے دل کی آواز ہے قہار نے وار صاحب۔۔۔!"

اس مذکور موقع پر میں نے بھیراں بی بی کے دل کی آواز کو گواہانے کی کوشش نہیں کی اور کل بھرے لہجے میں کہا۔

"قہار نے گھر بوجھا۔ میں ریاض کو قہار نے بلا کر اس سے کڑی پوچھ کر دیا گا۔ اگر وہ عنایت کے قتل میں کسی بھی فرد ملوث پایا گیا تو سزا اسے نہیں چلے گا۔ قہار سے ساتھ اختلاف ہو گا بھیراں بی بی۔"

میری اس گفتگو نے اسے بڑی حد تک مطمئن کر دیا۔

قہار کی پشت سے وہ اپنی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے بولی۔ "اس کا انداز سوا ہے تھا۔" قہار نے وار صاحب! عنایت کی لاش اسپتال سے سب تک آجائے گی؟ "کل وہ پھر تک۔۔۔" میں نے مختصر انداز سے کے مطابق جواب دیا۔

"وہ لوگ لاش کی چیر چھو تو نہیں کریں گے۔۔۔!"

"لاش کو ہسپتال کے لیے اسپتال بھجوا جاتا ہے تو اس کے کچھ متعلق اس کی بھائی بھی ہوتی ہے۔ مختلف ٹیسٹ کر کے دیکھنے کی چیر چھو بہت ضروری ہوتی ہے۔ ان ٹیسٹ کے نتائج پر آدہ ہوتے ہیں وہ پوسٹ کو قاتل تک پہنچنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ میں نے اسی لیے عنایت کی لاش اور آواز کو سمر کو ری اسپتال بھجوا دیا ہے کہ جلد از جلد تمہارے بیٹے کے قاتل کو قاتل کی گرفت میں لاسکوں۔"

اس کی آنکھوں میں مجھے اطمینان چھلکا نظر آیا۔ ایک لمحے کو قہار سے اس نے پوچھا۔

"قہار نے وار صاحب! سرکاری اسپتال والے تو آپ کو ٹیسٹ وغیرہ کی رپورٹ کس دو پھر میں دیں گے۔ کیا آپ وہ رپورٹ ملنے کے بعد ریاض کو گرفت کر لیں گے؟"

"ریاض کی گرفتاری کے لیے مجھے کسی رپورٹ کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے اس کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں ابھی قہار نے جا رہا ہوں۔ قہار کو کہہ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے میری حواالت میں ہو گا۔"

"یہ آپ نے کی ہے اصل قہار نے واروں والی بات! "وہ بڑی گہری نظرت سے مجھ دیکھتے ہوئے بولی۔ "جب میرا دنیا زندہ نہیں رہا تو اس شیطان ریاض کو بھی قتل ہی میں سزا چاہیے۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں جتنی بھی جلدی ممکن ہو، ریاض کو چھائی پر لٹکا دینا چاہیے۔"

بھیراں بی بی کے دل میں ریاض کے لیے سوائے عنایت کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا، ریاض تنہا ہوا انسان ہے۔ مجھے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ اسی نے عنایت کو قتل کیا ہے۔ یقین منقول کی ماں نے اس پر اپنے مضبوط ملک کا انہماک کیا تھا، یہ الفاظ گہر ریاض کو اپنے بیٹے کا قاتل گردانتے ہوئے اس کے خلاف رچوتہ درجہ کرائی تھی لہذا ریاض کی گرفتاری لازم ٹھہرتی تھی۔

میں بھیراں بی بی کو تسلی دلا سوا دے کر اس کے گھر سے نکلی آیا۔

میں نے ایک اور ہنگامہ میرا منتظر تھا۔

میں نے یمن یا ذار کی طرف آنے سے پہلے کا تسلیل شہر اور کو موضع فور پور وادہ کیا تھا کہ وہ میرا حقیقہ مشاق احمد، ناظم کل اور ناظر ریاض کو ان چہ روز سینڈاروں کو قہار نے لے آئے جن سے میں گمشدہ ذریعہ جہت کے بارے میں پوچھ کچھ

اسیے۔ ۵۱۔ جوئی بھرے انداز میں بولا۔ اکیس اکیس شاہ

”جی۔۔۔۔۔ جی ہاں۔۔۔۔۔“ کا تسلیل کے اظہات میں

موضوعات و مسائل (پراگماتیک) طبقه ۱۵۲-۱۵۳-۱۵۴-۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳

$$\Rightarrow \lim_{n \rightarrow \infty} \frac{1}{n^2} \sum_{k=1}^n k^2 = \lim_{n \rightarrow \infty} \left(\frac{1}{n^2} \cdot \frac{n(n+1)(2n+1)}{6} \right) = \lim_{n \rightarrow \infty} \left(\frac{(n+1)(2n+1)}{6n} \right)$$

مگر وہ ہلائی۔
 "لوہا اسے میرے پاس بھیجو۔" میں نے اضطراب سے
 بچے میں کہا۔

عہدہ ملی کی عمر لگ بھگ پچاس سال ہی ہوگی۔ قد
نا سب سے کم مانگی۔ فرنگی اور چہرے پر انہی سی لڑائیوں۔ وہ
ایک معقول صورت شخص تھا۔ اس کا حلق بھی گھس آہا رہی سے
۔۔۔ میں نے تحقیقی نظر سے اس کا جائزہ لیا اور گہری تنقیدی
سوچ چھا۔

”ہاں صغیر! تم راہِ عنایت کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو.....؟“

”جناب امین صبح اسے پہلا پنکھا دیکھ کر چھوڑ کر گیا
 ”وہ حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ ”واہیں آیا ہوں تو جانتا
 ہے، کسی نے اسے لٹا کر دیا ہے۔ مجھے تو ہانکھیں ٹھیکنی نہیں
 تھامنے اور صاحب“

”یہ ایک حقیقت ہے اس لیے تمہیں یقین کر لینا۔“ میں نے تھمرے ہوئے انداز میں کہا پھر پوچھا۔
”علیٰ اعظمیؒ کو کون سی عمارت میں حج سلامت چھوڑ کر
چلے گئے تھے اور... اب کیا اس سے واپس آ رہے ہیں؟“
اس اعتبار سے بھی صلف میں میری دلچسپی بڑھ گئی تھی کہ
ایسا شخص تھا جس نے اپنی معمول سے آخری مرچ
زندہ حالت میں ایکھا تھا اور صلف نمود بھی اس حوالے
کوئی خاص بات بتائے آیا تھا گویا عزت مرز کیس
بچ رہا تھا۔

جناب! میں کڑھی معراج گیا ہوا تھا۔" اس نے
 رال کے جواب میں بتایا۔ "تھوڑی دیر پہلے ہی
 وہاں ہوں۔"

میں نے مصرانہ نامی دو چاندوں پر قبضہ نہیں کیا اور کے جنوب
کے چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ میں نے منظور

[illegible]

علایت سے طاقت کا تعین ہے۔ "وہ چند لحظات کے لیے
موقوف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے ہوا۔"

”میں گھر سے نکل کر سیدھا اسی کی دکان پر گیا تھا۔ مجھے اپنا قبضہ ہونا تھا۔ ماہی عنایت نے دس پندرہ منٹ میں میرا کام کر دیا اور میں بڑے اطمینان کے ساتھ گڑھی معربان روانہ ہو گیا۔ اب واپس آیا ہوں تو یہاں چلائے کر۔“

مکھوں میں دیکھا اور کہا: "خمس آبا کے قہم و ستیوں کو
اس بات کی خبر ہو چکی ہے کہ راجا عنایت کو کسی سفاک شخص
نے شرمگاہت کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے لیکن
میں سے کوئی بھی حیرت یا فسوس کرنے تھا نہ نہیں آیا
صرف تم آئے ہو۔"

میں نے بات نہ ٹھل چھوڑ کر اپنی سے اس کی جانب
نہایت کیا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم خاص طور پر
اس آئے ہو تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ تمہارے پاس
بعض بات کے حوالے سے کوئی اہم خبر ہے۔۔۔۔۔ میں
کمبخت ہوں" ۱۹۸۱ء

”جواب! آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔“
 ”یہ اندازہ جس گروان جتے ہوئے ہوا۔“ میرے سامنے
 ایک قلم تو ہے لیکن پتہ نہیں، قانون کی نظر میں اس کی
 اہمیت ہے بھی یا نہیں۔“

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اشعراری نے مجھے میں کہا: "نور
میں ہے۔۔۔۔۔ تم بتاؤ مجھے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ان کی
کس ذات سے ہو سکتی ہے۔ اور میں نے یہ بھی کر رہا
ہوں کہ ان کے چہرے آگے کی طرف ہیں۔"

میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اس شخص کی شکل
میرے دل میں اچھل چلا۔" تم کبھی کی بات کر

جسے میں خط ہوا گرا ہا غایت کی دکان سے نکلا تو وہ
 ہوا تھا۔ "صنوبر نے برا سا منہ بنا کر مجھے تفصیل سے
 اس کی شکل پر بڑی عجیب سی دھشت تھی اور اس کا
 منہ اچھکے سا جیسا تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال بے
 لکھوں میں سرخی۔۔۔۔۔ اس نے لٹائی توقف کر کے
 لی لی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

میں نے ہوتی تو شاید میں اسی شخص کے چارے میں جاتے
تھے راجا عزیز نے یہ کہی دکان پر کچھ دیر تک جانا تاہم پھر

وہ بعد کافی دیر تک میرے فرائض سے چپکا رہا۔ جب کوئی معراج نہ ہو کر گھر کے اندر آئے ساتھ مصروف ہوا تو مجھے اس کا خیال نہیں آیا لیکن ابھی غصہ آباد آنے کے بعد میں نے سنا کہ وہ اچھا عبادت کو صبح کسی نے قتل کر دیا ہے۔

نہیں اس معاملے کی تحقیق کر رہی ہے تو میرا دل چاہتا تھا کہ میں
اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس جاؤں۔ لیکن میں نہیں جا سکتی تھی۔
میں نے ایک ہی سوچ بار بار دہرائی ہے کہ یہ کب ہو گا۔

مقدور میں نے اب تک جو حکومتیں دیکھی ہیں ان کی افادیت اور اچھے سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔
یہ بڑے سستے خیرات کا کام ہے۔ میں نے سرسراہی ہوئی
آواز میں اس سے سوال کیا۔

ہے کہ تم اس بظاہر بندے سے نفس مارا قف شے۔ تم نے

جی، آپ کا اندازہ یا نقل درست ہے۔ وہ اثبات

معقول فیس میں

نوس

نور علی	ابو	نور علی	نور علی	نور علی
نور علی	نور علی	نور علی	نور علی	نور علی

۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲	۱۰۳	۱۰۴
۱۰۵	۱۰۶	۱۰۷	۱۰۸	۱۰۹
۱۱۰	۱۱۱	۱۱۲	۱۱۳	۱۱۴
۱۱۵	۱۱۶	۱۱۷	۱۱۸	۱۱۹
۱۲۰	۱۲۱	۱۲۲	۱۲۳	۱۲۴

ڈی انسٹی ٹیوٹ

”اس کا مطلب ہے کہ وہ دشمن آباد کار نہ بنے والا بھی نہیں“

تو؟ "پھر نہیں..." اس کے جواب کی لطیفیت پر قہار

میں نے ایک فوری خیال کے تحت لہایت ہی اہم سوال کیا: "اس محکوم آدمی نے لباس کس قسم کا پہنا ہوا تھا؟"

بجور سے رنگ کا کھدکا کر لیتے تھے بناب اس کے کہ ان پر "اصطلاح علی نے پراسرار اور اجنبی کے لباس کی تفصیلی شروع کی تو مجھے ایک جھٹکا سا لگا، ذہن میں بڑی سست سی فیلز سرسراہٹ ہونے لگی۔ میں نے تو چاہی اس کی آواز پر مرکوز کر

مکرتے کے اوپر اس نے گروہ اور فی سوتیر بھی لپکن رکھا تھا جس پر مال اور تیلی دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔

دری ختمی کہ نذر ہر ہفت اور راجا حمایت کا قلعہ ایک ہی قلعہ تھا۔ وہی جنگلی جس نے لہاس حاصل کرنے کے لیے پہلے نذر

جیت کو موت کے کھاتے اندر اچھڑ پڑے سے سن آئے

021-3451074

برائے داخلہ

Govt. of Pakistan

1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	11	12	13	14	15	16	17	18	19	20	21	22	23	24	25	26	27	28	29	30	31	32	33	34	35	36	37	38	39	40	41	42	43	44	45	46	47	48	49	50	51	52	53	54	55	56	57	58	59	60	61	62	63	64	65	66	67	68	69	70	71	72	73	74	75	76	77	78	79	80	81	82	83	84	85	86	87	88	89	90	91	92	93	94	95	96	97	98	99	100
---	---	---	---	---	---	---	---	---	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	----	-----

پلاٹ نمبر 3349 لکیر مسعود آباد کراچی 80

[illegible]

اس نے دوا عمارت کو بھی ٹھکانے لگا دیا تھا لیکن کیوں...؟
 نذر پر جنت کی برہنہ لاش کی دریافت سے تو یہ کہانی
 سمجھ میں آئی تھی کہ اسے لباس کے حصول کے لیے قتل کیا گیا
 تھا۔ حال کو لباس کی ضرورت دو صورتوں میں پیش آسکتی
 تھی۔ نمبر ایک، وہ بے لباس ہو۔ نمبر دو، اس نے کوئی ایسا
 لباس پہن رکھا ہو جس کی موجودگی میں وہ لوگوں کے سامنے
 نہ آتا چاہتا ہو۔ اگر یہ دوسری وجہ درست تھی تو پھر بڑے
 وثوق سے کہا جاسکتا تھا کہ اسے اس بات کا ارتقا کہ اگر وہ
 لباس تبدیل نہیں کرے گا تو کسی بہت بڑی مصیبت میں
 گرفتار ہو جائے گا۔ اسی سوچ بچار کے دوران میں میرے
 دماغ نے ایک شوشہ چھوڑا۔

”کیا وہ قتل سے بھاگ ہوا کوئی مفرد مجرم
 ہے...؟“
 یہ بڑا سنی خیر سوال تھا اور مفرد قتل کے بیان کا ایک
 حصہ اس سوال کی تصدیق بھی کرتا تھا۔ مفرد نے اس جہنگی کا
 جو مسلح اور مسلح ہائی تھی وہ کسی قیدی پر بڑی فٹ فٹ تھی
 اور یہ بھی سمجھ میں آتا تھا کہ وہ ایک تمام کی دکان میں کیوں
 داخل ہوا تھا...؟

تھابہ... اپنا طریقہ درست کرانے۔ وہ نذر جنت کا
 لباس پہن کر خاموشی حد تک محفوظ ہو گیا ہوگا۔ اگر وہ مر کے ہال
 اور ڈالو می وغیرہ بھی بیٹ کر لیتا تو پھر اس کی بچت کے
 امکان سے بڑے قری ہو جاتے۔ یہ سب اس بنیاد پر سوچا جا رہا
 تھا کہ وہ شخص قتل سے بھاگ ہوا کوئی قیدی ہوگا۔ صورت حال
 اس سے مختلف بھی ہو سکتی تھی۔ گھوم پھر کر میرا ذہن ایک بار پھر
 دوا عمارت کی طرف چلا گیا۔ اس جہنگی نے اسٹریٹ کی
 دوسرے شہرگ کات کر دوا عمارت کو کیوں قتل کیا؟

اس سوال پر سوچ کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک
 خوفناک سوالیہ جواب بھی ابھرا۔ ”کیا دوا عمارت نے
 اس جہنگی کو پہچان لیا تھا؟“
 یہ غاصات تو دوا عمارت کا سوال تھا۔

تھابہ... دیر کے بعد میں نے مفرد قتل کے تعاون کا
 ٹکڑہ ادا کر کے اسے قتل سے رخصت کر دیا اور ایک بار
 پھر ان دو کا ملحد واقعات کی بھی ہوئی تھیں تو سلجھا
 میں مصروف ہو گیا۔

نور پر میں نے دارالحدیث کا جائزہ لینے کے بعد میں
 نے گرد و خاک کا بھی کوئی سراغ نہ دیکھا لیکن میرے
 کوئی لباس پڑا کھائی نہیں دیا تھا۔ اس کا واضح مطلب نہیں تھا

کہ اس جہنگی یا مفرد شخص نے نذر جنت کا لباس پہننے کے بعد
 اپنا لباس قتل میں دبا لیا ہوگا اور نور پور سے جس آبادی کی طرف
 آئے ہوئے راستے میں کہیں اس لباس کو ٹھکانے لگا دیا ہوگا۔
 میں اسی سوچ بچار میں غرق تھا کہ پتا چلا، ایسا جس
 آیا ہے۔ میں نے فوراً اسے اپنے پاس بلا لیا۔ جیسا کہ میں
 نے آپ کو بتایا ہے، ایسا جس شخص غلط طور پر پولیس کے لیے
 نظریاتی کام بھی کیا کرتا تھا۔ وہ میرے کمرے میں آیا تو اس
 نے اپنے ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلہ بھی اٹھا رکھا تھا۔ جب
 وہ میرے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ چکا تو میں نے پوچھا۔
 ”جس صاحب! کہاں غائب ہو گئی...؟“

”جنا ب! آج ہی آیا ہوں شہر سے اور نور آپ کی
 خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔“ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے
 میں جواب دیا۔ ”سنا ہے، یہاں تو بڑی دارالتیں شہر دارتیں
 ہو گئی ہیں۔“

”تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اس
 موقع پر میں تمہیں بڑی شدت سے یاد کر رہا تھا۔ تمہیں تو اور
 تین دن پہلے نہیں آتا تھا۔“

”وہ جانا ب! ازبک کی طبیعت ٹھیک نہیں چلی رہی۔“ وہ
 تھیلہ لہجے میں وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”لیجئے، جس
 میں تھیں۔“ ”نہیلا کے ہنگامے ہوئے والا ہے نا۔“ میں نے بھی آج
 کل اسی کی خدمت میں لگا ہوا ہے اس لیے کام پر اس کی توجہ
 بہت کم ہے۔ آپ کا ریڈیو ٹھیک ہونے میں دیر لگ گئی لیکن
 میں آپ کا کام کر رہی ہوں اس لیے آپ کو بے جا بے جا
 بات نہ کرتے ہی اس نے کپڑے کے تھیلے میں
 سے میرا ریڈیو نکال کر میرے سامنے میرے کمرے پر رکھ دیا۔ میں
 نے پوچھا۔

”تمہارے بہنوئی رہیں نے اس کی ساری تیاریاں
 ٹھیک کر دی ہیں نا۔“

”جنا ب! وہ بڑے وثوق سے بولا۔ ”میں
 نے چلا کر دیکھا ہے۔ اب اس کی آواز بالکل صاف ہو گئی
 ہے اور وہ کمرے میں بھی ٹھیک کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ سوئی
 کی کوری بھی ڈھیلی تھی۔ وہ بھی رشتی نے ہی ڈال دی
 ہے۔ آپ چیک کر کے دیکھ لیں۔“

سوئی سے جس شخص کی مراد ریڈیو کے ڈائل پر حرکت
 کرنے والا وہ سرخ کائی تھا جو مختلف بندوں سے گزرتے
 ہوئے مختلف ریڈیو اسٹیشنز کی فریکوئنسی کی نمائندگی کرتا تھا۔
 اس انڈی کیفر کو عرف عام میں ”سوئی“ ہی کہا جاتا ہے۔

میں نے ریڈیو کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا پھر ایسا
 جس کی طرف دیکھتے ہوئے کبیر لہجے میں کہا۔ ”ابھی تو میرا
 دماغ ان دو کبیر کو قتل کرنے میں لگا ہوا ہے۔ فرصت ملے گی
 تو ریڈیو کو بھی چھ کر چیک کر لوں گا۔“

پھر ہمارے درمیان موجودہ حالات پر گفتگو ہونے
 لگی۔ ایسا جس شخص کو کبیر کی حیثیت سے بھی کام کر رہا تھا
 لہذا وہ اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی ظاہر کر رہا تھا۔
 میں نے مختصر الفاظ میں اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ
 کیا پھر کہا۔

”تم بھی اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔ اگر کہیں
 سے کوئی ذرا سا بھی اشارہ ملے تو فوراً مجھے بتانا۔ میں ان کبیر
 کو جلد از جلد قتل کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں کبیر ملک صاحب! وہ میری سنجیدگی سے
 ہو۔“ ”آپ کبیر کریں۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔“

ایسا جس شخص کے جانے کے بعد میں اسے اس آئی کی
 دکان کا اظہار کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایک اور شخص
 کی راہی کا بھی اظہار تھا۔ کانسٹیبل شہزادہ۔ جو چپک
 پوچھنے سے ریاض کو لے کر آنے والا تھا...!

مغرب کی آواز ان سے چند منٹ پہلے شہزاد چپک چوتھیں
 سے لوٹ آیا لیکن خاموشی تھا۔ ریاض کو وہ اپنے ساتھ نہیں
 لے سکا تھا۔ میرے انتظار پر اس نے بتایا۔

”ملک صاحب! ریاض تو چپک چوتھی میں موجود ہی
 نہیں۔“

”کہاں چلا گیا وہ؟“ میں نے پوچھا۔
 ”اس کے گھر والوں نے بتایا ہے کہ وہ ان پہلے وہ
 راؤ لپنڈی کی طرف گیا ہے۔“ شہزاد نے جواب دیا۔ ”وہ
 تین چار دوست ایک ساتھ مل کر گئے ہیں اور کوئی ایک قتل
 کے بعد واپس آئیں گے۔“

”وہ لوگ راؤ لپنڈی لینے کیا گئے ہیں؟“
 ”بتا چلا ہے کہ راؤ لپنڈی سے آگے پہاڑی علاقے
 میں کسی بڑے گھر کا مزہ ہے۔“ شہزاد نے وضاحت کرتے
 ہوئے کہا۔ ”ان بڑے گھر کا سالانہ عرس ہو رہا ہے۔ یہ تمام
 دوست اسی عرس میں شرکت کرنے گئے ہیں۔“

بشیر اس بی بی کا شک اپنی نگاہیں موجودہ صورت حال
 میں میرا قتلے دارانہ ذہن یہ کہہ رہا تھا کہ نفسیاتی معاملات کو
 آگے بڑھانے کے لیے مجھے ریاض کی ضرورت پیش نہیں

آئے گی۔ میں تو حالات بالکل ہی کسی دوسرے رخ پر
 ہمارے تھے لہذا میں نے ریاض کے بارے میں شہزاد سے
 مزید کوئی سوال نہ کیا اور پوچھا۔

”دوا عمارت کے قتل کی خبر نے چپک چوتھیں پر مخصوص
 مقتول کے سسرالیوں پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں؟“

”جنا ب! دوا عمارت کی موت کی خبر میں کرسٹل اس
 کی دبی کشم کو صدمہ پہنچا ہے۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔
 ”اس لیے وہ میرے ساتھ ہی قتل ہوا آئی ہے۔“

”کیا وہ ایک ہی آئی ہے یا گھر کا کوئی اور فرد بھی اس
 کے ساتھ ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”کشم کا چھوٹا بھائی عابد بھی وادے ساتھ آیا
 ہے۔“ کانسٹیبل نے جواب دیا۔ ”اور اس کا دو سالہ بچہ
 انجان بھی آیا ہے۔“

”کیا کشم انڈیا میں اپنے گھر چلے گئے تھیں؟“
 ”میں انہیں مقتول کی ماں بشیر اس بی بی کے حوالے
 کر کے ہی ادھر آیا ہوں ملک صاحب! وہ میری بات پوری
 ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا۔“

میں نے انہیں ان کی سانس لی اور شہزاد کے ساتھ بات
 چیت میں مصروف ہو گیا۔ تھابہ میرے بعد مغرب کی آواز ان
 ہونے لگی تو میں نماز کے لیے اپنی سیٹ سے اٹھ گیا۔

میں نماز سے فارغ ہو کر واپس اپنی کرسی پر بیٹھا ہی تھا
 کہ اسے اس آئی آصف اور کھوئی بابا لطیف شاد مشین نور پور
 سے واپس آ گئے۔ ان کے چپکے ہوئے چہروں سے مجھے یہ
 اندازہ لگانے میں ذرا دشواری محسوس نہ ہوئی کہ کھوج اور
 گھرے کے حوالے سے ان کے پاس اہم اطلاعات ہیں۔
 لطیف شاد کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی مگلی بھی نظر آ رہی تھی جو
 اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ منہاں رکھی تھی۔

”کوئی خاص خبر لا رہے ہیں آپ...؟“ وہ ابھ چکے تو
 میں نے ہاری ہاری ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”جنا ب! شاد کی نظر پر جنت کے قاتل کا کھرا اٹھانے
 میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“ آصف نے چرچوش انداز میں
 بتایا۔ ”اور یہ بھی بتا چل گیا ہے کہ نور پور کے کھجور سے لگنے
 کے بعد قاتل نے جس آداکار سے کہا تھا۔“

لطیف شاد نے اپنی اس پگلی کو میرے سامنے میرے
 رکھتے ہوئے بڑے غرور انداز میں کہا۔ ”ملک صاحب! اذرا
 اس کا تو معائنہ فرمائیں۔“
 میں بے ساختہ بولی اٹھا۔ ”اس پگلی میں قاتل کا وہ

لیاں ہوگا جس سے چھکارا حاصل کرنے کے لیے اس نے تھیر جھٹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا کہ اس کا پاس اسے لی جائے، بے بسی بات!

وہ دونوں منہ کھول کر اس طرح چوٹ کر بچے دیکھنے لگے جیسے میں تمہاری ارنکس بلکہ کوئی چاروگر ہوں۔ اس سے پہلے کہ ان کی حیرت و شوق اور وہ مجھ سے کوئی سوال کرتے، میں نے سستی خیر لکھ میں کہا۔ اور..... بھائی میں موجود ہوں اس کو دیکھ کر یہ واضح ہو چکا ہے کہ قاتل کوئی مفروضہ قیدی ہے کیونکہ اس لباس کا تعلق کسی چیل و پیر سے ہے۔

آپ کو یہ..... سب کچھ..... یہاں بیٹھے کیسے..... ہوتا ہے.....؟ اور وہ ایک ایک زبان ہو کر گرفت زدہ انداز میں مستطیر ہوئے۔

”کیا میں ملحد کہہ رہا ہوں؟“ میں نے انہی سے پوچھا۔

”جی نہیں جناب..... آپ تو ایک سوائیک فیصلہ فیک کہہ رہے ہیں۔“ آصف نے قہر خیز کچھ میں کہا۔ ”لیکن..... آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا؟“

جناب میں وہ میں نے انہیں مفروضہ سے ہونے والی گفتگو اور اپنے تجربے کے بارے میں تھکینے بنا دیا۔ آخر میں کھوئی ہوا لطیف شاہ نے کہا۔ ”میں کل سوچا اچھے سے پہلے راجا عنایت کی دکان پر کتنی جاؤں گا۔ میرا خیال ہے کہ میں اب فور پور اور شمس آباد کے درمیان سرکھانے کی ضرورت نہیں۔“

میں لطیف شاہ کی جو بڑے متعلق تھا لہذا کھوت کے پروگرام کو قائل کرنے کے بعد میں نے کھوئی کو رخصت کر دیا۔ بعد ازاں میں جتنی دیر تک بھی تھا نے میں بیٹھا رہا۔ بے اور اسے اس آئی کے درمیان ہی موضوع پر بات کرتی رہی۔

اس کیس کی تلف کرپا میرے ذہن میں جمع ہو چکی تھی۔ ابھی تک انہوں نے باقاعدہ زنجیر کی شکل اختیار نہیں کی تھی کیونکہ اس شرط کو پورا کرنے کے لیے ایک آدھ کی کمی تھی۔ میرا ایک حسین اور سنگین اتفاق کے تحت یہ بھی پوری ہوئی۔

کہتے ہیں اور..... ہانک درست کہتے ہیں کہ کائنات میں ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اس سے پہلے اور نہ ہی ایک لمحہ بعد۔ انسان چاہے.....

مگر ہونی اور ہونی کو دیکھ نہیں سکتا۔ یہی ہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا تھا۔

میں ہٹا کر رہا تھا کہ ایک مجھے یاد آ رہا تھا کہ اس کیس ہے۔ رات کو بڑے کد میں کھوس کے بیچ وہم میں کھویا رہا تھا لہذا اس طرف میرا دھیان نہیں دے سکا تھا۔ اب جو یہ یو کا خیال آیا تو میں نے اسے آن کر دیا۔

اس وقت خبریں آدمی تھیں۔ میں نے ناشتہ کو جلدی رکھتے ہوئے خبروں پر دھیان لگا دیا۔ انا سر ہٹا رہا تھا۔ ”مفروضہ قیدی ہاشم کا بھی تک سراخ نہیں ملے۔“

تنا سنا تھا کہ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں ہاتھ دھکے۔ ”ہاشم قیدی“ تھری“ سے خبر پر لگ گیا۔ ہاتھوں کے دھکے جانے سے اٹھا جہاں تھا، اٹھنا رجا رہا۔ انا سر تفصیل میں جا رہا تھا۔

میں بھی اسی وقت مفروضہ قیدی ہاشم کے بارے میں اطلاع کیا گیا تھا۔ وہ قتل کے محلے کے ایک شخص کے سر میں چلے مار کر فرار ہوا ہے۔ مغرب شخص کو بڑی مشکل سے کل ہوش آیا ہے اور اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ ہاشم پر ایک جنون سا سوار ہے۔ وہ سمجھیں کہ وہ ایک خطرناک قیدی ہے لہذا اس پاس کے علاقوں میں نیٹے والوں کو اس کی طرف سے غماز اور خبردار رہنا چاہیے۔ مفروضہ قیدی کا حلیہ کچھ اس طرح ہے۔

مزید تفصیل میں ڈاکٹر نے اس شخص کا نام بتایا تھا۔ سے وہ خطرناک قیدی ہاشم فرار ہوا تھا۔ انا آصف کو اس شخص کے گروڈز اس میں شمار ہوتا تھا بلکہ اس کے اس طرف نقل آنے کے امکانات دہن تھے اور..... میری مضبوط رائے تو یہ تھی کہ تھیر جھٹ اور میرا خیال اسے مفروضہ قیدی کے دست قدم کا شکار ہوئے۔ میں نے کچھ دیر سے مذکورہ مفروضہ قیدی کا جواب دیا تھا۔ وہ ہو ہو اس ہنگی پرفٹ بیٹھا تھا جس کو میرا خیال ہے کہ اسے عنایت کی دکان کے اندر دھکا دیا گیا تھا۔

اب اس سوال کا جواب بھی میرے ذہن میں مہموں میں تھا کہ اس جنگلی نے درج عنایت کو کیوں ٹھکانا دیا کہ اسے انا سر کے مطابق کسی صحیح گزشتہ روز بھی مفروضہ قیدی کے بارے میں تفصیلی خبر فطری کی تھی۔ یہ لگ بھگ وہی وقت تھا جب راجا عنایت جنگلی کی چامت یا قید و غیرہ بنا رہا ہوگا۔ میں نے مشغول رہا عنایت کی دکان میں رہنے کو آن دیا تھا۔ اس کا مطلب ہے وہ خبروں کے وقت بھی آن ہی تھا

جناب ریچ سے مفروضہ قیدی کا حلیہ نشر ہوا اور راجا عنایت نے اپنے آگے کرسی پر بیٹھے ہوئے اس جنگلی کو مفروضہ قیدی کی شکل میں پہچان لیا ہوگا اور رنگ سائز آکھنے کے سبب راجا عنایت کے چہرے کے اثرات، مفروضہ قیدی کو بے چہرے کس رو لگے ہوں گے۔ اس کے بعد اس وحشی اور جنولی شخص نے جس طرح ترمیم رد عمل کا مظاہرہ کیا ہوگا اس کو سمجھنے کے لیے کسی شخص کی عقل کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

راجا عنایت کی در دماک موت کی صورت میں! رات کو ہمارے درمیان جو پروگرام چلے ہوا تھا اس کے مطابق رات میں آئی کو آج صبح کھوئی لایا کے ساتھ راجا عنایت کی دکان سے کھڑے کا کام شروع کرنا تھا لیکن ریچ سے نظر ہونے والے خطرناک اعلان کے بعد میں نے بذات خود لطیف شاہ کے ساتھ کمرے کا گوری قیام کر لیا۔

میں نے جسے شہید کیا، ریچ کو آگ کرنے کے بعد میں نے اور اس کا بی اور تیار ہو کر قاتل کے قتل کیا۔ اسے ایک تھری آصف کو میں نے اپنے پروگرام کی تبدیلی سے آگاہ کیا اور کاسٹیل شہزاد کو اپنے ساتھ لے کر میں، پارا میں

میں نے راجا عنایت مرحوم کی دکان کی چاب دیا ہو گیا۔ قعدت کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت چھید ہوئی ہے۔ لہذا میں کسی قسم کی زبان طرازی کے بجائے صرف اتنا ہی کہوں گا کہ یہ اچھا ہی ہوا جو میرا ریچ کو میرے پاس درست حالت میں موجود نہیں تھا وہ کچھ بھی تھا ہی مجھے مفروضہ خطرناک قیدی سے آگاہی حاصل ہو چکی ہوئی۔ میں بھی ”حرکت“ میں آ جاؤ اور اس حوالے سے میں خود پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مجھے اس خطرناک مفروضہ قیدی ہاشم تک رسائی حاصل کرنے میں کامیابی ہو پائی یا نہیں۔

جب میں کاسٹیل شہزاد کے ہمراہ جانے وقوعہ پر پہنچا تو لطیف شاہ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو حیرت بھرے لہجہ میں اس نے پوچھا۔

”اے اس آئی صاحب نہیں آئے.....؟“ ”پر وگرام میں تھری تبدیلی آگئی ہے شاہ جی!“ میں نے جواب دیا۔

اس سوال کے جواب میں، میں نے مختصر اسے ریچ سے نظر ہونے والی سستی خبر کے بارے میں بتا دیا پھر کہا۔ ”شاہ جی! اس خطرناک مفروضہ قیدی تک پہنچنے میں میں آپ

کا ساتھ دوں گا۔“ ”یہ تو بہت اچھا ہوا سرکار کہ ہمارے لیے ایک راجا عنایت کی موت کو مفروضہ قیدی کی شکل میں پہچان لیا ہوگا اور رنگ سائز آکھنے کے سبب راجا عنایت کے چہرے کے اثرات، مفروضہ قیدی کو بے چہرے کس رو لگے ہوں گے۔ اس کے بعد اس وحشی اور جنولی شخص نے جس طرح ترمیم رد عمل کا مظاہرہ کیا ہوگا اس کو سمجھنے کے لیے کسی شخص کی عقل کی ضرورت نہیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے۔“

”میں تو جناب..... حسب پروگرام سوچا اچھے سے پہلے ہی یہاں پہنچ گیا تھا۔“ وہ ایک طرف بڑھتے ہوئے لگا۔ اور میں نے کچھ ابتدائی کام بھی کر لیے۔ میں کوئی سوال کیے بغیر خاموشی سے اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ مجھے ایک سمت لے جانے کے بعد میں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لگا۔

”وہ کھیں جناب..... مفروضہ قاتل کا کھرا..... قدموں کے نیکی نشانات میں لے کر پار کے کھیتوں میں بھی دیکھے تھے۔ اس کھڑے کو دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ وہ سفاک قاتل اس سمت میں آگے بڑھا ہے۔“

ہاتھ ختم کرتے ہی اس نے ایک چاب اشارہ کر دیا۔ شمس آباد کا یہ میں ہزار ایک کے راستے کی شکل میں اور حری کو ہار رہا تھا۔ اس کے راستے کو لوگ سڑک کا نام دیتے تھے۔ اس سڑک پر سائیکل، موٹر گاڑے، گھوڑے، قتل گاڑیوں..... ہر قسم کی سواریاں ملتی نظر آتی تھیں۔ یہ سڑک لاکھ کپار سے شمال سے ”چلتے ہوئے“ ریلوے لائن کو کراس کرتا تھا۔ اس کے بعد فور پور دکانوں کے پہلو سے گزار کر شمس آباد تک آتا تھا پھر شمس آباد کے قلب سے گزر کر جنوب کی جانب بڑھ جاتا تھا اور مفروضہ قاتل کا کھرا ہی سمت ہماری راہ تھا۔

ریچ کے اعلان کے مطابق وہ خطرناک مجرم جیل کے محلے کے ایک فرد کو سرسٹیل ٹیپ مارنے کے بعد جس مقام سے فرار ہوا تھا وہ شمس آباد کے مغرب میں ایک دیوے اسٹیشن کے نزدیک واقع تھا۔ آصف اسکان اسی ہات کا تھا کہ شمس آباد کو دھکی کرنے کے بعد دور ریلوے کی پٹری کے ساتھ ساتھ سڑک کے فور پور تک پہنچا ہوگا۔ اس کے بعد کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔

کھوئی ہوا لطیف شاہ دیا شہزاد نے من کا اپر تھا اور پھر اسے مفروضہ قاتل کا بڑا اناج کھرا بھی لایا تھا لہذا ہم بڑی چیز رفتاری کے ساتھ کامیابی کی منزل کی جانب رواں دواں ہو گئے۔ کھوئی اور کھرا وغیرہ اٹھانے کے سلسلے میں جن جن

مراسل سے گزونا پڑتا ہے، جس نوعیت کی تنگیوں و شواہد میں
سے سامنا ہوتا ہے ان کا تفصیلی ذکر میں پہلے بھی کی مرتبہ اپنی
کہانیوں میں کر چکا ہوں لہذا اس نمل کو ایک بار پھر بیان
کر کے میں آپ کے ذہن کو یو جمل نہیں کروں گا۔ مختصر، ہم
قتیوں افراد مغرورہ تل کا کھرا لٹے ہوئے جس آباد سے در
نکل جنوب میں ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں اینٹوں کا ایک
کھانا بنا ہوا تھا۔ ہمارے دو گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہی
ہماری منزل ہے!

ادھر میسر کا وقت تھا۔ بچے کے باہر دو بلی گاڑیاں اپنے اپنے نیلوں کے ساتھ تیار حالت میں کھڑی تھیں۔ چنر بھٹا مزدور ان بلی گاڑیوں پر ایٹھیں لا رہے تھے۔ انہی مزدوروں میں سے ایک مزدور نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کر رہی تھی۔

اس وقت ہم مذکورہ بھٹے سے چند تھمروں کی روٹی پر
 تھے۔ اسی کام میں مصروف لوگوں میں سے کسی کی ہم پر نگاہ
 نہیں پڑی تھی اور یہ ہمارے حق میں اچھا ہی ہوا تھا کیونکہ میں
 نے جس بہن مزدور کو اپنی نظر کا مرکز و محور بنا رکھا تھا اگر اسے خبر
 ہو جاتی کہ پولیس اسی کے سر پر ہتھی چکی ہے تو وہ یقیناً غم و
 ہونے کی کوشش کرتا اور..... اب میں اس مفلور و غافل ہاشم کو
 ایسا کوئی موقع دینے کے حق میں نہیں تھا۔ میں نے جس بہن
 مزدور کو اپنی نگاہ میں رکھا ہوا تھا اس نے کھدو کے بھورے
 کرتے پہ نیلی اور سرخ دھاریوں والا گرم اونی سوٹر پہن
 رکھا تھا.....!

میں نے فی الفور ایک ہنگامی پلان تیار کیا پھر کھوجی بابا سے کہا "شاہ بی! آپ سیدھے سارے اہل خانہ میں اس بندے کے پاس پہنچو اور میں کا اپنے ویسے وغیرہ پا چھنے کے بہانے اسے باتوں میں لگوں۔ ہمارا اس کی عقی بابا سے آگے نہیں ہے۔"

”لو کے ملک صاحب“ اس نے اثبات میں گردان کر دیا۔ ”میں آپ کے منصوبہ کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں“

تھے کہا "شہزاد! اس مفروضہ قابل کو کر لیا کر کے کوئی مشکل کام
نہیں۔ ہم ڈائریکٹ آگے بڑھ کر بھی اس پر قابو پا سکتے ہیں۔
ان اس صورت میں صرف ایک ہی خطرہ ہے۔ یہ سنا کہ
ان مذکورہ جٹ اور راجا جات کو سوٹ کے گھات بنائے گا۔
لہذا اسے بچاؤ کی خاطر یہ ایک آجود اور اس کے گھوڑے
نے اس کوئی تردد نہیں کرے گا اور تم دیکھ رہے ہو اس کے

اُس پاس اسی وقت میں چار افراد موجود تھے۔ میں
معدوموں کی جان کو بھروسے میں نہیں ڈال سکتا۔
”پھر آپ کے ذہن میں کیا ہے ملک صاحب؟“
سوالیہ نظر سے مجھ دیکھنے لگا۔

میں نے کھمبے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

میں سے دوسرا سخت کرتے ہوئے کہا "جسم یہ ایک وقت
مختلف سمتوں سے اس کی طرف بڑھیں گے لیکن تقویرا حاصل
کچھ کرتا کہ اگر اس کی ہم میں سے ایک پر نظر پڑے تو وہ
دوسری جانب بھاگے اور اسی طرح وہ دوسرے کی طرف نکلتا
جاتے۔ اصل مقصد اسے ان لوگوں سے دور دھکانا ہے جنہیں
تقصیر پہنچ سکتا ہے یا وہ ان کا کور لے کر یہاں سے فرار
کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔"

مک صاحب آپ کا منصوبہ تو زبردست ہے۔
شاندار میں ہوا۔ لیکن شاید "ہاں" تو اس سے کچھ

[illegible]

ما نکل ہو جائے گا جناب! کہ وہ تاجدار کی انداز میں
ہاتھ اٹھاتے ہوئے بلا ٹھکر برائے محمد عظیم سچے میں
نور ملک صاحب! اسم اللہ کی

دناک مغرور قاتل باشم میر سے تھانے کی عورت

فیوچر کے لیے پہلے میں نے اس کا بیان لے لیا تھا۔ اس کی
فٹ کے لیے ہمیں انکوشن "محنت" جنکس کرنا پڑی۔
ما میں وہاں تھے "کاروائے" انجمن مرے چکا تھا کہ
مگر کر دگی "کسی انکار کی شکل نہیں ہو سکتی
تے معمولی سے "دباؤ" نے اسے "نرا راستہ

ف کے مطابق، وہ ترمین شہر کی جیل کا قیدی تھا۔

ANTI DANDRUFF
SHAMPOO

فرمانی سے لگا رہے

مشرق وسطیٰ کی خاص بات ہے



ان کے دوست کا اہم عمل تھا۔ یہ ان کی زندگی اور
 ان کی ان کی خیریت کی غمبخت کا تصور تو غور و صورت
 ان کے طبع و عمل پر ہوا ہے۔ ان کے لئے ان کی
 ان کے ان کے دوست کے لئے ان کے دوست کے لئے
 ان کے دوست کے لئے ان کے دوست کے لئے
 ان کے دوست کے لئے ان کے دوست کے لئے
 ان کے دوست کے لئے ان کے دوست کے لئے
 ان کے دوست کے لئے ان کے دوست کے لئے

ہے۔
 کہیں کہیں پوچھا ہے؟ کہیں ہاں کو وہ قدرتی عظمت
 جس کی ہاں کو ضرورت ہوتی ہے۔ کہیں کہیں نہ ہاں اور
 ہر جہاں اجزاء کا ایک بھرپور اجتماع ہے۔

شیراز کے مسعل و شمل سے ہاں گئے چار
چار اور اور شمل اور جاتے ہیں۔ ہاں کے لئے اور کرنے
سے بھی ضاعت واقع ہے۔ اور ہر سے شمل اور شمل کا
شمل خاتمہ اور ہاں ہے۔

تو کراپ کی دھانسیہ **شیراز** شیعہ بالوں کی بھڑی
حاصل آمدنی کر رہی ہے۔



A Product Of
C.P.H.I.

1900-1901. 1902-1903. 1904-1905. 1906-1907. 1908-1909. 1910-1911. 1912-1913. 1914-1915. 1916-1917. 1918-1919. 1920-1921. 1922-1923. 1924-1925. 1926-1927. 1928-1929. 1930-1931. 1932-1933. 1934-1935. 1936-1937. 1938-1939. 1940-1941. 1942-1943. 1944-1945. 1946-1947. 1948-1949. 1950-1951. 1952-1953. 1954-1955. 1956-1957. 1958-1959. 1960-1961. 1962-1963. 1964-1965. 1966-1967. 1968-1969. 1970-1971. 1972-1973. 1974-1975. 1976-1977. 1978-1979. 1980-1981. 1982-1983. 1984-1985. 1986-1987. 1988-1989. 1990-1991. 1992-1993. 1994-1995. 1996-1997. 1998-1999. 2000-2001. 2002-2003. 2004-2005. 2006-2007. 2008-2009. 2010-2011. 2012-2013. 2014-2015. 2016-2017. 2018-2019. 2020-2021. 2022-2023. 2024-2025. 2026-2027. 2028-2029. 2030-2031. 2032-2033. 2034-2035. 2036-2037. 2038-2039. 2040-2041. 2042-2043. 2044-2045. 2046-2047. 2048-2049. 2050-2051. 2052-2053. 2054-2055. 2056-2057. 2058-2059. 2060-2061. 2062-2063. 2064-2065. 2066-2067. 2068-2069. 2070-2071. 2072-2073. 2074-2075. 2076-2077. 2078-2079. 2080-2081. 2082-2083. 2084-2085. 2086-2087. 2088-2089. 2090-2091. 2092-2093. 2094-2095. 2096-2097. 2098-2099. 2100-2101. 2102-2103. 2104-2105. 2106-2107. 2108-2109. 2110-2111. 2112-2113. 2114-2115. 2116-2117. 2118-2119. 2120-2121. 2122-2123. 2124-2125. 2126-2127. 2128-2129. 2130-2131. 2132-2133. 2134-2135. 2136-2137. 2138-2139. 2140-2141. 2142-2143. 2144-2145. 2146-2147. 2148-2149. 2150-2151. 2152-2153. 2154-2155. 2156-2157. 2158-2159. 2160-2161. 2162-2163. 2164-2165. 2166-2167. 2168-2169. 2170-2171. 2172-2173. 2174-2175. 2176-2177. 2178-2179. 2180-2181. 2182-2183. 2184-2185. 2186-2187. 2188-2189. 2190-2191. 2192-2193. 2194-2195. 2196-2197. 2198-2199. 2200-2201. 2202-2203. 2204-2205. 2206-2207. 2208-2209. 2210-2211. 2212-2213. 2214-2215. 2216-2217. 2218-2219. 2220-2221. 2222-2223. 2224-2225. 2226-2227. 2228-2229. 2230-2231. 2232-2233. 2234-2235. 2236-2237. 2238-2239. 2240-2241. 2242-2243. 2244-2245. 2246-2247. 2248-2249. 2250-2251. 2252-2253. 2254-2255. 2256-2257. 2258-2259. 2260-2261. 2262-2263. 2264-2265. 2266-2267. 2268-2269. 2270-2271. 2272-2273. 2274-2275. 2276-2277. 2278-2279. 2280-2281. 2282-2283. 2284-2285. 2286-2287. 2288-2289. 2290-2291. 2292-2293. 2294-2295. 2296-2297. 2298-2299. 2300-2301. 2302-2303. 2304-2305. 2306-2307. 2308-2309. 2310-2311. 2312-2313. 2314-2315. 2316-2317. 2318-2319. 2320-2321. 2322-2323. 2324-2325. 2326-2327. 2328-2329. 2330-2331. 2332-2333. 2334-2335. 2336-2337. 2338-2339. 2340-2341. 2342-2343. 2344-2345. 2346-2347. 2348-2349. 2350-2351. 2352-2353. 2354-2355. 2356-2357. 2358-2359. 2360-2361. 2362-2363. 2364-2365. 2366-2367. 2368-2369. 2370-2371. 2372-2373. 2374-2375. 2376-2377. 2378-2379. 2380-2381. 2382-2383. 2384-2385. 2386-2387. 2388-2389. 2390-2391. 2392-2393. 2394-2395. 2396-2397. 2398-2399. 2400-2401. 2402-2403. 2404-2405. 2406-2407. 2408-2409. 2410-2411. 2412-2413. 2414-2415. 2416-2417. 2418-2419. 2420-2421. 2422-2423. 2424-2425. 2426-2427. 2428-2429. 2430-2431. 2432-2433. 2434-2435. 2436-2437. 2438-2439. 2440-2441. 2442-2443. 2444-2445. 2446-2447. 2448-2449. 2450-2451. 2452-2453. 2454-2455. 2456-2457. 2458-2459. 2460-2461. 2462-2463. 2464-2465. 2466-2467. 2468-2469. 2470-2471. 2472-2473. 2474-2475. 2476-2477. 2478-2479. 2480-2481. 2482-2483. 2484-2485. 2486-2487. 2488-2489. 2490-2491. 2492-2493. 2494-2495. 2496-2497. 2498-2499. 2500-2501. 2502-2503. 2504-2505. 2506-2507. 2508-2509. 2510-2511. 2512-2513. 2514-2515. 2516-2517. 2518-2519. 2520-2521. 2522-2523. 2524-2525. 2526-2527. 2528-2529. 2530-2531. 2532-2533. 2534-2535. 2536-2537. 2538-2539. 2540-2541. 2542-2543. 2544-2545. 2546-2547. 2548-2549. 2550-2551. 2552-2553. 2554-2555. 2556-2557. 2558-2559. 2560-2561. 2562-2563. 2564-2565. 2566-2567. 2568-2569. 2570-2571. 2572-2573. 2574-2575. 2576-2577. 2578-2579. 2580-2581. 2582-2583. 2584-2585. 2586-2587. 2588-2589. 2590-2591. 2592-2593. 2594-2595. 2596-2597. 2598-2599. 2600-2601. 2602-2603. 2604-2605. 2606-2607. 2608-2609. 2610-2611. 2612-2613. 2614-2615. 2616-2617. 2618-2619. 2620-2621. 2622-2623. 2624-2625. 2626-2627. 2628-2629. 2630-2631. 2632-2633. 2634-2635. 2636-2637. 2638-2639. 2640-2641. 2642-2643. 26

اسٹیشن سے کچھ خاصے پر ریلوے کی پٹری کی مرمت کا کام نکال کر اس کے دس پرانے قیدیوں کو جیل کی گمرانی میں اس کام پر لگا دیا گیا۔ یہ تمام قیدی وہ تھے جو ایک طویل عرصے سے جیل میں بند تھے اور جیل حکام کی نظر میں ان سے فرار کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی لیکن جیل حکام کا اندازہ غلط ثابت ہو گیا۔

ہاشم شیخ کی مدد سے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ روزی (چھوٹے پتھر، گریول) بچھا رہا تھا کہ اس نے اپنے گمران کو خاصا غافل سمجھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایسی فطرتی کایز اٹھ اٹھیں۔ وہ اس وقت دوسرے قیدیوں سے تھوڑے فاصلے پر بھی تھا لہذا اس نے صحت کا مظاہرہ کرنے میں ڈرا و پرندہ لگا کی۔ اپنے گمران کی مخلصیت کا لاکھ افاتے ہوئے اس نے ہاتھوں میں سو جوڑے پتھر سے گمران کے سر پر وار کیا اور ایک سمت کو دوڑ لگا دی اور..... یہ سمت انار سے علاقے کی تھی۔

جیل کے مینے کو اپنے ایک ساتھی کو قتل آنے والے گھوڑے ناک واپس کی خبر تھوڑی تاخیر سے ہوئی تھی اور اس دوران میں ہاشم جیسے قور سے کافی دور نکل کر ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ واضح رہے کہ اس وقت میں آپ کے سامنے جو تفصیل بیان کر رہا ہوں اس میں سے بہت سی باتیں مجھے بعد میں اجمل حکام سے پتا چلی تھیں لیکن واقعات کی ترتیب کو درست رکھنے کے لیے میں نے ایک خاص انداز میں انہیں آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

مغرب کے وقت ہاشم چھپتے چھپاتے نور پور کے کھیتوں تک پہنچ گیا اور اس نے لوگوں کی نظر سے گریز کرنا شروع کر دیا۔ کھیتوں میں پناہ لے لی۔ کہیت میں کساد (گئے) کی قد آدم فصل کڑی تھی لہذا اسے وہ لٹھی میں قلعہ کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ وہ کڑی فصل کے پھول سے محفوظ تو ہو گیا تھا لیکن درودہ کو اسے جیل کے کھوسوں لباس کا خیال آ رہا تھا۔ اس لباس سے نور پور پہنچا رہا بہت ضروری تھا۔ مگر جب اس نے محسوس کیا کہ کہیت کے نزدیک سے کوئی گزر رہا ہے تو وہ فوراً کٹیشن میں آگیا۔ ہاشم چاہتا تھا کہ وہ قریب آئے والے بندے کو اپنا جیل کر کے اس کا لباس حاصل کر لے گا لیکن مزید جھٹ کی بدقسمتی کہ گردن پر پڑے والے ہاشم کا ہاتھ، خاصا بھاری ثابت ہوا اور وہ "اکاٹیشن" ہونے کے بجائے "انالڈ" ہو گیا۔

ہاشم نے مزید جھٹ کو بے لباس کر کے اس کے چارے اپنے جسم پر پہنائے اور جیل کے لباس کی ایک چوٹی بیانیہ وہ کافی دیر تک وہیں کھیتوں میں بیٹھا رہا۔ جب چاروں

طرف تاریکی اور خاموشی کی عکسراتی ہوئی تو وہ کاد کے کھیت سے نکل کر سڑک سے تھوڑا فاصلہ رکھتے ہوئے شمس آباد کی جانب بڑھنے لگا۔ راستے ہی میں اس نے جیل کے پکڑوں والی پوٹی بھی ایک طرف پیٹک دی تھی۔ وہ رکھتے چلتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔

جب وہ کسی آباد قصبے کے قریب پہنچا تو اس کے ذہن میں اپنے جیسے کو "ستوارے" کا بھی خیال آیا اور یہی "جہانی" اسے راجا عنایت کی دکان پر لے گیا۔ اس کے بعد جو انیسویں تاک واقعہ پیش آیا اس کا بیان بڑی تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

ایسا نہیں تھا کہ جیل حکام نے مقامی پولیس کی مدد سے مقررہ قیدی کو تلاش کرنے کی کوشش نہ کی ہو لیکن اس کی تلاش کی سمت، بالکل مخالف رہی تھی۔ وہ مقام چھاپا سے ہاشم فرار ہوا تھا، ریلوے اسٹیشن کے مغرب میں واقع تھا جبکہ علاقہ اسٹیشن سے مشرق میں واقع تھا۔ لہذا تلاش کرنے والے یہ سوچا بھی نہیں سکتے تھے کہ مقررہ قیدی نے اجہرا کا رخ کیا ہوگا۔ ان کے انداز سے کے مطابق وہ جاسے قور سے مغرب کی سمت ہی فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن ہاشم کی دلی خوش قسمتی کہ وہ لوگوں کی نظر سے گریز سے علاقے کی طرف نکل آیا تھا اور..... اس کی مستقل بدقسمتی کہ.....

میر سے علاقے میں آنے کے بعد وہ مجھ سے نظر نہیں چھاپا تھا۔ میں نے محض ڈیڑھ دن کی مسلسل دوڑ دھوپ کے بعد اسے گرفتار کر لیا۔

انسان کا وہ رخ بڑا عجیب و غریب کا تھا جسے میں بعض اوقات بڑے ہنگامی فیصلے بھی کر لیتا تھا۔ جیسے پانچ گھنٹے پہنچا رہتے ہیں یا پھر فرشتے لائے ہوئے ہیں۔ ہاشم کے ساتھ معاملہ کافی ہوا تھا۔ اگر وہ جیل کے مینے نے ایک آدمی کو قتل کر کے فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو شاید دو چار سال کے بعد وہ یہ کر دیتا۔ لیکن اب اسے مزید جھٹ اور راجا عنایت کے ساتھ مل کر اس کے لیے ایسا فٹ کرتا کہ جانی وادی خراب ہو آجی۔

ہاشم جیسے طاقتور نا اعلیٰ، غائب خراب کے لیے جتنی بھی جھٹ سزا تجویز کی جاتی، وہ کم تھی اگرچہ اس سزا کے نتیجے میں مزید جھٹ اور راجا عنایت زندہ نہیں ہو سکتے تھے تاہم کسی بھی خطرناک مجرم کو قرار واقعی سزا دلوانے کا مقصد اسے دوسروں کے لیے ایک طریق سے نمونہ سمجھت بنا دیتا ہے تاکہ کوئی اس جتنی "بہت" کا مظاہرہ نہ کر سکے!

(تحریر: شہنام بٹ)

میں نے زندگی میں بے شمار سفر کیے ہیں اور ہر بار ایک نئے تجربے سے دوچار ہوا ہوں لیکن یہ سفر اپنی نوعیت کا انتہائی اہم اور منفرد تھا۔ اس کی ایک خاص بات تو یہ تھی کہ اس میں میرے کسی انداز سے یا نیت کو دخل نہ تھا بلکہ مجھے ذہنی طور پر اس پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی منزل کا بھی پتا نہیں تھا۔ اب آپ سمجھ لیں گے ہوں گے کہ مجھے افوا کر کے کن نامعلوم مقام پر لے جایا جا رہا تھا اور ان کے مقاصد سے

ایک دشمن کی مکاری اور ایک نادان کی بیماری کا فلسفہ

محبت اور مصدوبی میں انسان کبھی بہت زیادہ عقل بندی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ عقلی کا اظہار کر بیٹھتا ہے اور اسے احساس تک نہیں پہنچتا کہ وہ کیسی غلطی کا مرتکب ہو گیا ہے۔ بالآخر اسے اس غلطی کا احساس ہو گیا تب تک۔ بہت دیر بعد.....

ہجرت

تحریر: ریاض



سچی سچی دلچسپی



2011ء
جلد 1
صفحہ 168

حکمران ...
جرم کے پڑخار دستوں پر چلنے والے مجرموں اور قانون کے دکھالوں کے باہن خونی گمراہ کی سسٹی فیز و لپسپ رولز ...
لکھا ...
زندگی اور موت کے درمیان جاری سسٹی فیز مقابلے کا احوال حیات اور بات کے لیے پڑخاروں کی روز ...
گوداب ...
چلے تو کھٹ ہی جائے گا سفر ... پے در پے رونما ہونے والے حادثات کی یادگار داستان

مرد و زنی کے رشتے

سچی ہے لذت ... کاشف زبیر کا ...
اور آپ کے پسندیدہ کرداروں کی بہار ...
بحری تراق ... **منتظرا مام** ...
لو کے انداز بیان میں ناقابل فراموش حقیقت نگاری

جرم کتابیں

ہر جرم کے پیچھے کوئی مذکورہ واقعہ مضمر ہوتا ہے ... اٹھی
تغییرات سے جہم لینے والی اور ناقابل لہر اموش کہانیاں

چینی لکھ چینی

آپ کے تھمرے ... مشورے ... مجھتیں ...
طاہر ... اور نئی نئی دلچسپ باتیں ... کے کلمے

میری کچھ میں نہیں آیا کہ اس طرح کی باتوں سے اس کا
... میں یہاں اس کے دم و دم پر تھا لہذا مجبوراً
... اور جو ہمالیہ میں اس کے دم و دم پر تھا لہذا مجبوراً
... میں یہاں اس کے دم و دم پر تھا لہذا مجبوراً

اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔
... وقاروں کو جب اپنے کسی کے لیے چاہتا تھا
... اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔
... وقاروں کو جب اپنے کسی کے لیے چاہتا تھا

میں نے دل میں سوچا کہ یہ بھی لوگوں کو بے خوف
... اب یہ بھی بتا دو کہ ان کا پاس کون
... میں نے دل میں سوچا کہ یہ بھی لوگوں کو بے خوف

مجھے اس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ یہ کچھ زیادہ حیرت نہیں
... ہوتا تھا کہ یہ لوگ اپنے دکھ پر بلا سہے سمجھے ہاتھ نہیں
... اس لیے میں نے طعنا کہا۔ "بہت خوب، کافی تحقیق
... کی ہے تم لوگوں نے مجھ پر۔"

قیس مکان کی طرف بڑھ گئی۔ اما نیر سے تیزی سے گاڑی
... جانب موڑی، جہاں منظر کے بہتے ہوئے دوستوں
... اور ان کے چہرے کا منظر دیکھ کر اس مکان
... کی شان و شوکت میں اضافہ کر دیا تھا۔ اما نیر نے گاڑی کے
... اور اس میں لگا ہوا مین دم یا اور گیت کھل گیا۔ اور داخل
... ہونے کے بعد وہ مراد میں رہا کہ یہ گیت وہاں ہندو گیتا۔

میں نے ان دونوں کو فوراً سے دیکھا جو قہقہے پستوں اور
... قیس میں تھے میں نے ان دونوں کا ہر کچھ اپنے ان سے
... اور ان کے چہرے پر انداز میں بولا۔ "کیا واقعی؟"

میں نے ان دونوں کو فوراً سے دیکھا جو قہقہے پستوں اور
... قیس میں تھے میں نے ان دونوں کا ہر کچھ اپنے ان سے
... اور ان کے چہرے پر انداز میں بولا۔ "کیا واقعی؟"

میں نے ان دونوں کو فوراً سے دیکھا جو قہقہے پستوں اور
... قیس میں تھے میں نے ان دونوں کا ہر کچھ اپنے ان سے
... اور ان کے چہرے پر انداز میں بولا۔ "کیا واقعی؟"

... جس میں نے یہی بات کہی اور اس کی توجہ سے پیچھے
... اس کے پیچھے اس نے اس کے پیچھے اس کے پیچھے

... اس کے پیچھے اس نے اس کے پیچھے اس کے پیچھے
... اس کے پیچھے اس نے اس کے پیچھے اس کے پیچھے

... اس کے پیچھے اس نے اس کے پیچھے اس کے پیچھے
... اس کے پیچھے اس نے اس کے پیچھے اس کے پیچھے

ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

"اگر میں انکار کروں تو؟" میں نے اپنی آنکھیں کھلتے ہوئے کہا۔ "تو کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم یہاں سے جانے کے لیے آزاد ہو گے اور میں تمہیں یقین دلائی ہوں کہ ابھی کا سفر سب کا کام رہے گا لیکن آج کی یہ خوش گوار شام گزر جانے کے بعد آگے والے دن اور دنوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تمہارے لیے کس حد تک بخیر اور آرام دہ ہوں گے۔"

"کیا میں اسے دھکی سکتا ہوں؟"

"بالکل نہیں۔" اس نے ایک بار پھر اپنے سلیبہ دونوں کی لٹائش کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر اسٹوکی کی زندگی پر تحقیق کرنا بے حد خطرناک کام ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ان کے وفادار دوستوں اور حامیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر ان میں سے کسی سرگرمی دوست یا حامی نے تمہیں اس سے مسٹر اسٹوکی کو نقصان پہنچا سکتا ہے تو۔۔۔ میرا خیال ہے کہ تم وہاں کوئی ہوا اور پامانی کچھ نہ کہے ہو کہ انکی صورت میں کچھ ہو سکتا ہے۔"

میں نے ایک بار پھر نظر پھر کر اس خوب صورت مکان کا جائزہ لیا اور ایک نظر اس بالکل نئی پرکھی ڈالی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے بہت سے آبی پرندے بچاؤ کے لیے پروردگار ہو گئے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی بیچ میری سماعت سے گزرائی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں کو سنبھلے ہوئے کہا۔ "جانتا ہوں کہ میرا کام یہ ہوگا لیکن میں نے اس منصوبے پر بڑی محنت کی ہے اس لیے انکی آسانی سے ذکر کر میں اپنے ارادے سے باز آ جاؤں گا۔ اپنی پیش کش پر؟"

میرا دل کے چرے سے سے دھک مٹتا رہتا تھا۔ وہ ایک بڑا ہی دلکش آدمی تھا۔ اس کے سب سے بڑے ترش خمی۔ وہ مجھے ہم نے بھی کاروبار میں دھکیلا یا پالیسی کا سہارا نہیں دیا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر شخص اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ غراور کوئی سہالی یا اریب ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا تمہارے لیے بھی ہمارے پاس ایک پیشکش ہے۔ اگر تم مسٹر اسٹوکی کے بارے میں تحقیق کرنے کا ارادہ ترک کر دو تو ہم تمہیں جس بڑا ڈالر دے سکتے ہیں۔"

میں نے پہلو ہلایا اور کہا۔ "ایک ایسے شخص کے لیے جو مسٹر اسٹوکی کی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ جانتا ہو، یہ پیشکش بہت کم ہے۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ ایک گھٹنے پر رکھے اور بولی۔ "گزشتہ سال ایک جان فشانی ایک کا اوسط سوا سو روپے تھا۔ ڈالر تھا۔ ہم جس میں سے دینی رقم کی پیشکش کر رہے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک معقول پیشکش ہے۔"

"بھینٹا" میں نے کہا۔ "لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ کام ہیں۔ انہیں تم انہیں آزاد کر دے اور۔"

"تم جانتی ہو کہ یہی کتاب کی اشاعت کے بعد کاپی کی صورت میں مصنف کے دل چھر جاتے ہیں۔ کتاب کی فروخت اور اس کی پڑائی کو دیکھتے ہوئے دوسری کتاب کا ایذا دہی بہت بڑھ جاتا ہے۔ عزت اور شہرت کا تو ذکر ہی کیا۔ اس کے علاوہ بھی اور بے شمار فائدہ ہیں جو کتاب کی کامیابی کی صورت میں مصنف کے حصے میں آتے ہیں اور سب معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی میں پیسے کے علاوہ بھی بہت سی باتوں کی اہمیت ہے۔"

"تم کچھ بھی کہو لیکن یہ تمام راستے ہابیوں کی طرف ہی جاتے ہیں لہذا میں بھی اس فراہمی سے معاملے کو دیکھتا ہوں۔ چلو تم شوق زیادہ کرنا اس پیشکش میں کتنا اضافہ کیا جائے؟"

"فی الحال یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ رقم کتنی ہونی چاہیے۔ اس کے لیے مجھے کام کرنا ہوگا۔ جن پہلوؤں اور باتوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان کی تعداد اندازاً دو گنا ہوگا۔ اس کی کوئی حتمی بات کی جاسکتی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "انکی صورت میں میرے پاس مزید کچھ کہنے کے لیے نہیں ہے۔"

"ایک منٹ" میں نے اسے روکا۔ "اس کے لیے کچھ باتیں کہیں سکتے ہیں۔"

اس نے اپنی اور بولی۔ "مسٹر ولینڈ اہم کچھ کہنا چاہ رہے تھے؟"

"ہاں۔" میں نے کندھے سے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اس سے اس ایک جوانی پیشکش ہے۔"

"پیشکش ہے۔ تم قیمت بتاؤ۔ میرا وقت کیوں ضائع کر رہا ہوں؟"

"کیونکہ اس پیشکش میں بیسوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔"

"پھر اس کا تعلق کس بات سے ہے؟" وہ حیران ہوئے۔

میں نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا اور پھر سے پھر پھر مسکراہٹ لائے ہوئے اسے اس پیشکش کا تعلق تم سے ہے۔"

وہ لمحہ بھر کے لیے ساکت رہے۔ میں لگا جیسے وہ اپنا توڑ پھوٹ کر کسی کی پیشکش کر رہی ہو۔ اس نے اپنے آپ پر جلد ہی قابو پا لیا اور بولی۔ "مجھے معلوم ہے، میں تمہارا سہارا نہیں سمجھ سکتی۔ میں اس معاملے میں کہاں سے شامل ہوں؟"

اس پیشکش کا تعلق تم سے ہے۔ میں مہمانی کیجیو کہ اہم گزشتہ سات سال سے مسٹر ولینڈ اسٹوکی کے ساتھ کام کر رہی ہو۔ اس سے پہلے تم براؤن پر بونٹی اور سفلوک اور اسکول میں بھی داخلہ لے چکی تھیں۔ البتہ براؤن پر بونٹی میں آنے سے پہلے تمہارا پرکارا کچھ مفکوک ہے جس کا تعلق بلیا ہے۔ پھر یوں اور پھر لائسنس مساج تھراپی دیکھو۔"

میں نے جان بوجھ کر اپنی بات احموری چھوڑ دی۔

پھر سے کہے ہوئے ہر جملے کے ساتھ اس کے چہرے کی سرکی برقی جاری تھی اور میں ملک رہا تھا جیسے اس کے جسم کا سارا خون سب سے چیرے پر آ گیا ہو۔ میں نے ایک بار پھر بہترین انداز میں مسکرائے کی کوشش کی اور بولا۔ "نو انٹی تمہارا پرکارا انتہائی شکر ہے کہ اس پر مجھ سے تحقیق کی جاسکتی ہے۔"

"بہت ہو چکا۔" وہ کاکٹ کھانے والے انداز میں بولی۔ "میں اس سے بڑا دھکیلا ہوا ہوں۔"

"کیا تم میری جوانی پیشکش کے بارے میں مزید سنا چاہتے ہو؟"

میں نے اسے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے کہے ہوئے والے کے لیے معافی چاہتی ہوں لیکن تمہاری ذات کو موضوع گفتگو نہیں بنانا۔ یہ ایک بڑا پس منظر ہے اور جو کچھ میں نے کہا اس کا مقصد یہی تھا کہ وہاں پارٹیاں چھوڑیں کہ تمہیں کہہ دے کہ تمہارے قریب کتنی کم ہیں۔ اسے تم نہیں کہہ سکتی ہو۔"

سیاسی پارٹیاں

آپ ذرا تھوڑا سا غصہ میں چھائیے کیا کیا نام سامنے آتے ہیں۔ بری بلنگ پارٹی، جناح عوامی لیگ، عوامی لیگ، آزاد پاکستان پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی، عوامی مسلم لیگ، مسلم پارٹی، نظام اسلام پارٹی اور نہ جانے کیا کیا پارٹیاں تھیں۔

اب انہیں اصولی چراغ درخ زما لے کر یہ پارٹیاں اس طرح لوٹیں کہ کوئی ان کا نام لیا تو شک نہ رہا حالانکہ ان میں سے بعض ہر سرا قدر بھی رہیں۔ مگر دیکھیے، نئے ناموں کے نشان کیسے کیسے۔ وہ جو غائب تھے کہا ہے۔

سرکی فیمیر میں مضمر ہے ایک صورت فزائی کی چٹانچ پارٹیاں بنی گئی ہیں اور نوٹ کی گئی رولیں۔ پھر ان میں سے نئی نئی پارٹیاں جنم لیتی رولیں۔ ہر شکل کے دور میں کیا کیا پارٹیاں وجود میں آئیں، کیسے کیسے جاری پیدا ہوئے، لیکن وقت کا دھارا سب کو بہا کر لے جاتا ہے۔ اب وہی لوگ جمہوریت کے گمن گام رہے ہیں۔ جمہوریت کی خوبیاں گوارہ ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مارتھن لاوالے بھی جمہوریت کے لوگوں کو بیان کر رہے ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ ہماری قوم کا حال نظر پیش سے گزرا چکا آ رہا ہے۔ لاکھ روٹیں ہمارے ملو چاہے جتنا خمیرہ گاؤں گاؤں ہمارے غمیرین کھلاؤں کتنا ہی شہرت ادا دیا اس کی پاداشت پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کھایا یا کچھ کھیں، گھاس توڑا ہوا آگے۔ چلیے حساب سال ہو گیا۔

معاف کیجیے بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پارٹیاں بولی ہی نہیں بنی تھیں ہیں۔ ایک ایک پارٹی سے کئی کئی ہیں۔ اب مسلم لیگ ہی کو دیکھ لیجیے۔ کئی ایکس بن گئیں۔

انتقام، سرخ، سلید، سیاہ، سفید، سفید

اس نے اپنے جسم کو سمیٹ لیا اور سنبھلے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے جو کہنا ہے جلدی ہو۔"

میں نے ہائی سے بھرا آدھا گلاس خالی کیا اور اسے لڑے میں رکھتے ہوئے بولا۔ "میری بات غور سے سنو میں کچھ دیکھ رہا ہوں اب بھی اس کتاب پر کام کرنا چاہتا ہوں۔ مسٹر آکس کی گزارشت زندگی کافی دلچسپ ہے۔ اس طرح کے لوگوں کی کہانیاں عام طور پر جوری، فیوڈلک اور لاس انجلس وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں لیکن یہ انگلیش سے بھی ایسی کوئی کہانی سننے نہیں آئی اور یہی اس کتاب کی ہائی لائٹ ہوگی۔ اس میں کچھ مختلف اور کچھ غیر معمولی مواد شامل ہوگا جو پیشرو کی نگاہیں کاسب بن سکتا ہے۔"

"اس معاملے میں میرا کیا رول ہوگا؟"

"تم میرے ساتھ کام کرو۔ شریک مصنف بن جاؤ گا۔ تمام قلمی معاون کے طور پر میرا ساتھ دو۔ تم اس کی زندگی کے بڑے سے نظریہ گوشوں اور کہانیوں سے واقف ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے تعاون کی بدولت یہ کتاب ریٹیلر کا درجہ حاصل کرے گی۔ اس پر لکھیں، لکھیں اور اہم دیکھتے ہی دیکھتے مالدار لوگوں کی صف میں شامل ہو جائیں گے۔"

میں اس کے چہرے کا بخوبی جائزہ لے رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ اس پیشکش پر کیا رد عمل ظاہر کرتی ہے۔ اچانک ہی اس نے ایک بھرپور تہنید کی اور بولی۔ "تمہیں ہمارا اندازہ ہے کیا کہہ رہے ہو؟"

"یقیناً! میں نے یہ اندازہ لگایا تھا۔" وہ نے میں تم سے بھی یہ بات نہیں کہتی۔"

اس نے ایک بار پھر اپنا سر ہلایا اور وہ بارہ تہنید لگاتے ہوئے بولی۔ "تم، تم ایک گلیا مصنف اور چھوٹی کہانیاں لکھنے والے صوفی ہو، تم نہیں جانتے کہ دفاداری کی ہوتی ہے؟ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ جس شخص نے ہماری مدد کی وہ اس کی خدمت کیسے کی جاتی ہے۔ تم میرے یا میری زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

مگر نے میز پر دیکھا ہوا خالی گلاس گھما کر بولا۔ "چلو تم خود ہی سوچو کہ کیا ہے؟"

اس نے کرسی پر پیچھے ہٹے بیٹھ جانا اور بولی۔ "تم نے میری زندگی کے بارے میں کچھ کیا اس میں کوئی حیرت کی شے نہیں ہے اور میں اس پر غور بھی نہیں کرتی۔ تمہیں جانتے کر میں نے کتنے مشکل حالات میں رہنا پڑا ہے۔ اب میں نے اس سے کچھ نہیں دیکھی۔ اس جیسے جیسے میری زندگی بڑھتی رہتی رہتی لیکن وہ کڑا اور بہت مشکل سے

اور ہاتھ۔ مجبوراً مجھے گھر سے باہر آنا پڑا۔ میں سڑکوں پر آ کر گولی کرنے لگی مگر اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جاتی۔ مگر ایک آگلی نے مجھے سہارا دیا اور مجھے مزید تھکا ہونے سے بچا لپکا۔ میں نے ہر ایک لاکھ لاکھ میں داخلہ لے لیا اور قانون کی فائل حاصل کرنے کے بعد اس کے لیے کام کرنے لگی۔ اس کے احسانوں کی قیمت چکانے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ یقیناً وہ بارے میں کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ میرا واحد کھٹ ہے۔"

"تم تو اس کی یوں غریبیں کر رہی ہو جیسے وہ کوئی بڑا بڑا ملک نہیں بلکہ کسی سلطنت کا بادشاہ ہو۔"

"تم اس کی شخصیت کے مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کر رہے ہو مسٹر ولینڈ۔" وہ چپکے ہوئے بولی۔ "وہ عام انسانوں سے بہت مختلف ہے جو اپنے ظالمان اور دوستوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اور اپنے دشمن کے تحفظ کے لیے معاشرے پر ہاتھ نہیں کرتا۔"

"میں مسٹر آکس کی بہت سے کارناموں سے واقف ہوں۔" میں نے اس کی بات کا سٹے ہوئے کہا۔ "پچھلے دنوں ایک اخبار میں اس کی ایک کہانی بھی شائع ہوئی تھی۔ وہ ایک غریب معمولی سا مکان دار تھا اور ایک متوسط ملازمت میں تھا۔ پھر اسے اسٹور چلا رہا تھا۔ ایک دن مسٹر آکس کی والدہ اس کے پاس آئے اور اس سے ایک ایسی کتابی تعلیم کے لیے رقم مانگی۔ والدہ کا مطالبہ کیا جس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اس نے انکار کر دیا۔ یہ مطالبہ سننے سے انکار کر دیا اور دوسرے دن ہی اسے جلا گیا۔ وہ لوگ نے ہر سے ان لوگوں کے ساتھ گروہی طور پر کیے جانے والے ہمارے لہذا مجھے اپنے معاشرے کی بات کا کوئی اور نقطہ مت دنا۔ آج کل اس طرح کے زمین پر جگہ جگہ پائے جاتے ہیں جو مختلف طریقوں سے لوٹ مار کرتے ہیں اس کا جائزہ دولت کا ایک معمولی حصہ ہے اور ان لوگوں پر خرچ کر کے معاشرے میں بے روزگاری کو کم کرنے کے لیے۔ اور اگر اس میں جا کر وہ کوئی بھی حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔"

میری اس بات کی تکرر پکاراں سڑکوں پر گونجی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں سمجھتی ہوں کہ ہمارے معاشرے میں کچھ بات ہو گئی۔ اور وہ اور پہلے سمجھنے کا کچھ ٹھیک چھوڑ دینے کے اور اس کا ان گزر جانے کے بعد ہمیں ہر قسم کی درستہ حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہونا ہوگا مسٹر ولینڈ۔"

میں بھی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تمہارا دھمکی دینے کا انداز بہت اچھا ہے مگر کچھ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم بھی اس کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیار ہو۔"

ایک بار پھر مجھے اس کے چہرے پر انہیں کے تیار نظر

اور انہوں نے اس پریشان ہوتے ہوئے بولی۔ "تم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ تمہیں کچھ ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں اپنی بات کی وضاحت کر رہا ہوں۔" میں نے اپنے دونوں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بہت ساری باتیں ہیں۔"

میں نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ "تمہارا کیا ہے؟ تم اور تمہارے دونوں دوست کب تک اس طرح کی باتیں کر رہے ہو گے؟"

"کیا دراز؟" وہ چپکے ہوئے بولی۔

"یہی کہ مسٹر آکس کی سرچش ہے۔"

اس نے حیرت اور غصہ سے منہ دیکھا اور غراتے ہوئے بولی۔ "انہیں معلوم ہے کہ تمہیں کے بارے میں بات ہے؟"

میں دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں کے درمیان سے اپنے منہ کو ڈھکیا۔ "یقیناً میں کوئی بھی لفظ نہیں کہتا۔" وہ بولی۔ "میں اپنی بات جاری رکھوں؟"

وہ تھوڑے بہت کے عالم میں کھڑی رہا جیسے فیصلہ نہ کر سکا ہو۔ اس نے دونوں آدمیوں کو دیکھا کہ مجھے ہر جگہ کھڑے یا کھڑے ہوئے۔ اس نے میری ہمدردی کی بات سن لے۔ مجھے یہ دیکھ کر کئی ہونٹوں کو اس نے میری بات سننے کو ترجیح دی اور اپنی جگہ چپکے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے تم کہتے رہو۔"

میں نے بولنا شروع کیا۔ "کوئی اب میرا تعلق دیکھی ہے؟ میں نے نہیں ہے لیکن وہاں کام کرنے کے دوران میں میرا روبرو میری انکسپشن سے رابطہ ہا کر رہا تھا۔ اس کتاب کے دوران مجھے ہر بار یہی عموماً سننے میں آتی تھی کہ مسٹر آکس کالی عرصے سے تھوڑے سے بار بار انہیں کی بھی عام جگہ پر نہیں دیکھا گیا۔ وہ گھومنا میں گھومنا بہاد اور رستہ سونامی وغیرہ میں جاتے تھے وہاں بھی تھوڑے سے آئے۔ مسٹر آکس کی قریبی دوستوں اور جاننے والوں کو بھی تھوڑے سے کالی عرصے سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی اور یہی اس کے بارے میں کچھ سنا کرتا تھا۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "وہ بڑے سے ہو چکے ہیں اور ان کی حیرت بھی عجیب نہیں رہتی۔ اس لیے یہ وہ وقت گھر پر ہی گزارتے ہیں۔"

میں نے اپنا سر کرسی کی پشت سے لٹایا اور بولا۔ "یہ تم کہہ رہی ہو لیکن میں بھی اپنی تحقیق کے سلسلے میں کچھ عرصے سے یہاں مقیم ہوں اور میرے سامنے کتنی باتیں ہیں کہ کہ جب میں کی معاشرے کی تحقیق کرتا ہوں تو چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی

تہا بہ هدف

ایک نوجوان، مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس پہنچا۔ اس نے ان سے کہا۔

"جناب! میں اپنا بچا زاد بھائی سے محبت کرتا ہوں اور اس سے کالج کا خرچہ کاروں میں کمر مشکل یہ ہے کہ میرے بچا مال و دار آدمی ہیں اور میں غریب ہوں۔ آپ مجھے تحفہ لکھ کر دے دیجئے۔"

مولانا نے جواب دیا۔ "میں ان میں تعویذ وغیرہ نہیں لکھتا۔" نوجوان نے ماں، اصرار کرتا رہا۔ مولانا بھی کس طرح نہیں مانے۔ آخر نوجوان باپ کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ وہاں کونسا تھا۔ نوجوان کو میں نے پاؤں لگا کر بولا۔

"مولوی صاحب! میں بیوی امید لے کر آیا تھا۔ آپ نے میری امید توڑ دی، میں اب زحمت و کد کر گیا کروں گا۔" مولانا گھبرا کر بیٹھے۔

"ارے۔ غصہ۔ غصہ۔ بھائی آؤ، میں تعویذ لکھ رہا ہوں۔" انہوں نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر نوجوان کو دیا۔ "ہا، سیدھے اپنے بچا کے پاس پہنچاؤ۔"

نوجوان نے مولانا کا کاغذ اپنے بچا کو دے دیا۔ اس کے بچا کاغذ پر سے ہی راس ہو گئے، کہنے لگے۔ "میں انم کہاں تھے؟ میں تمہاری تلاش تھی۔" تصویر دیکھ کر انہوں نے کاشی کو بلا کر بیٹی کا کالج کتبے سے پڑھا دیا۔

چند دن بعد نوجوان کو خیال آیا کہ مولانا نے ہوا حیرت بہت تعریف دیا تھا۔ دیکھنا چاہیے کہ اس میں کیا لکھا تھا۔ اس نے تعویذ حاشی کیا اور اسے کھول کر پڑھا لکھا۔

بے اللہ شکر کچھ چاہا نہیں اور یہ شخص انا نہیں تو اس کا مولانا یہ تیرا تمام اب تو ہالے اور تیرا کام مرسلہ الطہر حسین... کراچی

میری لہجہ رانی ہے۔ میں نے اس علاقے کے تمام پتوں اور انگریزوں سے معلومات حاصل کر لی ہیں۔ ان کے پاس اس کام کا کوئی مریض نہیں آیا۔ میں اس مکان کی بھی گہرائی گزرتا رہا ہوں اور میں نے صرف نہیں اور تمہارے دونوں آدمیوں کو آتے جاتے دیکھا ہے۔ ان میں سے ایک ہر جمعرات کو وہاں بھڑکا سوا لینے باڈر جاتا ہے۔ میں نے اسکو میں اس کے چپے تھار میں تھڑے ہو کر یہ لگی دیکھا ہے کہ وہ کیا خریداری کرتا ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ تین یا چار آدمیوں کے لیے کھانے کا سامان ہوتا ہے۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بہت بری طرح بھیج رکھا تھا۔ وہ شہید بننے اور تانہ کی کیفیت میں تھی۔ مجھے غور سے دیکھنے پڑی۔ اس کے علاوہ بھی کچھ کہنے کے لیے ہاتھ رہ گیا ہے۔

"بھیناڑ میں نے منگواتے ہوئے کہا۔" یہاں آنے کے بعد میں نے وہاں ٹوٹ کی ہیں۔ مجھے تمہیں کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آیا۔ مسٹر اسٹولی کے دوسرے ملازم کہاں ہیں۔ ان کے بھائی، بھتیجے، بھائی، ایک یا دو آدمی کو دیکھنے اور اس کی خدمت گزاروں کے لیے سڑکی کی موجودگی بھی ضروری ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں تمہیں کے علاوہ کوئی اور لوگ موجود ہوں گے۔"

"اور دوسری بات کیا ہے؟" وہ زہرا اور مجھے میں بولی۔

"مجھے اس سے پہلے بھی کئی بڑے لوگوں کے گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے اور یہ میرا مشاہدہ ہے کہ گھر میں ایک یا دو آدمی کی موجودگی سے فضا میں اٹھنے والی جاتی ہے اور ہر فرد یا گھسوس ملازمین انتہائی مستعد نظر آتے ہیں لیکن یہاں مجھے ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔ تمہارے دونوں ساتھی اولوڑ اور ہیٹ جب مجھے لے کر یہاں آئے تو ان کے پیروں پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جس سے اندازہ لگایا جاسکا کہ وہ گھر میں مسٹر اسٹولی کی موجودگی کو محسوس کر رہے ہوں۔ اسی طرح تم بھی اسے اطمینان سے یہاں بیٹھی ہو جیسے تمہیں کو جواب دہ نہیں ہو۔ جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر اسٹولی کی گھر میں تو کیا اس شخص کا کوئی دیا نہیں ہی موجود نہیں ہیں۔"

"وہ چانک ہی کھڑی ہوئی اور متحیر ہوئے بولی۔

"میں نے تمہاری بہت بگوس کی لی۔ اب کوئی بات نہیں ہوئی۔"

سیلائی جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ میں نے کہا۔

بہت مجھے زبردستی یہاں سے لے جائے گا۔ میں نے اس کی گہرائی گزرتی رہی اور یہ میری خاصوشی کی اور اگر تمہارے لیے قریب یا آگاہی ہو جائے گا۔"

اس نے ایک بار پھر قہر آلود لہجے میں مجھے دیکھ کر بولی۔

"تمہارے خیال میں مجھے کیا سوچنا چاہیے؟"

اس کی خدمات حاصل کر رہی ہیں۔ اس کے پاس تمہاری طرح جھلی زگری نہیں بلکہ وہ بے حد قابل دلیل ہے۔ اس کا لباس پیچیدہ ہے اور قانون نافذ کرنے والے آدمیوں سے اس کے گہرے رویہ ہیں۔ ہم دونوں کے درمیان روزانہ قانون پر گفتگو ہوتی ہے اور میں اسے اس کے سامنے ہونے والی قیاسی بات سے آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ وہ میری حرکت کے بارے میں پوری طرح علم رکھتا ہے۔ اس لیے اگر ایک دن بھی اس سے بات نہ ہوئی تو پوچھیں تمہارے دروازے پر کھنک جائے گی۔"

یوں لگا جیسے وہ اپنی آواز اور لہجے پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے دیکھی آواز میں کہا۔ "میں ہر کام بہت احتیاط سے کرتے ہیں۔ انہیں ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے جس سے ظاہر ہو کہ تم یہاں آئے تھے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے مسٹر کپریٹا۔" میں نے جواب دیا۔

انداز میں کہا۔ "اب تک یہ شمار ثبوت سمجھو گے ہیں۔ میں نے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ جہاں جیوں گے وہاں ان لوگوں کے نشانات ثبت کر دوں۔ اس کے علاوہ اس کے گھاس، گریوں اور بیڑ کے علاوہ جس کا میں مجھے لایا تھا وہاں بھی ایسے بے شمار نشانات ثبت کر دوں گا۔ اس کے علاوہ میرے بالوں کے درمیان بھی ایسا بے شمار ثبوت ثبت کر دوں گا۔ تمہیں ہے جو میں نے احتیاط سے یہ سب کرنا ہے۔ لیکن یہ کہ تم ان تمام جگہوں کی اپنی طرح صفائی کرو اور تاہم ایک آدھ نشان بچا کر رکھنا چاہیے۔ لہذا تم سوچ سکتی ہو کہ میرے قاتل کو ملے کی صورت میں کیا ہوگا۔ کوئی بھی ایک ٹوٹ پھوٹ یا زخمی ہونے کا کہ میں سفری بار یہاں آیا تھا۔ تم کہہ سکتی ہو کہ پولیس اور میڈیا میری گمشدگی کا نوٹس نہیں لیں گے اور اس سلسلے میں یہ مکان اور یہاں کے کچھ نظر انداز کر دیا جائیگا۔ مجھے یقین ہے کہ جب میری حاضری شروع ہونے کے بعد یہ خبر بھی راز نہ رہ سکے گی کہ تمہارا پاس میرا ہے پھر تمہارے پاس اس پر داپوش کیا جائے گا۔"

میں نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر جم دیں۔ یہ بات بڑے ہی ہلکے تھے۔ اتنا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ

میں نے بچائے ہوئے جان میں بری طرح پھنس چکی ہے اور کہ انداز میں مجھے قصاص پہنچانے کے بارے میں نہیں سوچے گا۔ پھر وہ اچانک ہی کڑی پریشانی اور دونوں ہاتھوں سے ہر وہ چھپاتے ہوئے بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ تم کس لیے اور حراہر ہانک جھانک کرتے پھر رہے ہو؟"

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا اگلا مقصد کیا ہوگا لیکن میرے خیال سے صورت حال جیسا ہی حوصلہ افزائی لہذا ہو رہا تھا اس لیے اس کی خاطر بولا۔ "یہ میری نظرت سے ہے کہ اس کا مقصد کیا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سب چیزوں کو اکٹھا کرنا تمہارے لیے خاصا مشکل ہو گیا ہوگا۔"

سیلائی نے اپنا منہ اٹھا کر بولی۔ "تمہیں کچھ اندازہ نہیں ہے کہ ہم کس مشکل سے گزر رہے ہیں۔ سچ سے شام تک لاتعداد لوگوں، ان سے ملنے کے خواہش مند لوگوں کی آمد و رفت اور دیگر کی معاملات ہیں جن سے ہمیں نمٹنا پڑ رہا ہے۔"

"یہ بات تو مجھے بھی آتی ہے کہ حالات میں کوئی کمی نہ کسی طرح ان رتی ہوئی لیکن میں ان کو لڑکا کیا ہوتا ہے؟"

"وہی تو میں ہی بات کر رہی ہوں لیکن ضرورت پڑنے پر لوگوں کی مدد لینا پڑتی ہے وہ مسٹر اسٹولی کی آواز اور لہجہ کی بہت اچھی مثال کر رہا ہے۔"

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟"

"تم تو جانتے ہو کہ اس طرح کے لوگوں کے کئی دشمن ہوتے ہیں۔ ان کے حریف اس اظہار میں ہیں کہ کب مسٹر اسٹولی کا سورج غروب ہو اور وہ ان کی جگہ سنبھال لیں۔ اگر وہ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے قابل نہیں رہتے تو کامیاب ہوتے ہیں یا یہاں سے چلے جاتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی ہمہ تنیوں کو گھر سے غائب ہونا پڑے گا کیونکہ اگلی جانتے ہیں کہ مسٹر اسٹولی سے جو کیا قصق ہے اس کے بعد ہم گھر کے رقبے کے اور نگہات کے۔ لہذا جب چند نئے قس مسٹر اسٹولی اچانک اپنے پیڑرو میں انتقال کر گئے تو ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ ان کی موت کی خبر کو چھپایا جائے اور لوگوں کو یہی تاثر دیا جائے کہ وہ اب بھی اپنا کام دہرا چلا رہے ہیں۔ ہم نے خاصوشی سے ان کی آخری رسومات ادا کیں اور پہاڑی کے دوسری جانب انہیں دفن کر دیا۔"

"لیکن تمہیں معلوم ہوا چاہیے کہ زیادہ دیر تک یہ ذرا نہیں چل سکتا۔"

"میں سسٹل کی ٹھیں پکڑا ہے حال کی گھر ہے۔ ان کے پاس ہر جو بھی تو کسے وصول ہوتی ہیں۔ وہ ہم قیوں آج میں سب سے جانتے ہیں۔ یہ سب اب تک بڑی کامیابی سے جس رہا تھا لیکن گیارہ آئے سے سب کچھ گزر گیا۔ کیا تم کسی اور شخص سے کتاب نہیں لکھ سکتے تھے؟"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور آگے کی طرف ہٹتے ہوئے بولا۔ "میری پیشکش اب بھی برقرار ہے۔"

"کیا تم بائبل ہو گئے ہو۔ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی کتاب سمجھ گئے؟"

اچھی دوران کھڑکی کے باہر سے کسی سرخالی کے چلانے کی آواز آئی۔ میں نے کہا۔ "یہ آواز میں رہی ہو؟"

"ہاں۔ سرخالی کی آواز ہے۔"

"تم جانتی ہو کہ یہ آواز پرندے سا جیسا ہے اس سے اسی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ یہاں سے غراں تک کا عرصہ وہ جمیل میں گزارتے ہیں اور اس کے بعد ہجرت کر کے سمندر کا رخ کرتے ہیں تاکہ سردیوں کا موسم وہاں گزار سکیں۔"

ایک اور پرندے کی آواز فضا میں ابھری۔

"مسٹر کپریٹا۔ اب تم قیوں کو بھی یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ تم میرے ساتھ اس کتاب پر کام کر رہی ہو۔ انکشافات میں کروں گا۔ تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ یہاں میں میری خاصوشی جان بچان ہے۔ ہم دونوں کو وہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں جس کی ہمیں خواہش ہے۔ میں اس کتاب سے شہرت اور دولت حاصل کروں گا تو تمہیں اور تمہارے دوستوں کو ایک نئی تھوڑی زندگی مل جائے گی۔ یہ تمہیں کے لیے ایک اچھی دینی ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی سا گروہ یہاں آئے اور تمہیں قراہونے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے بھی اپنی نظریں اس پر جمادیں۔ اس کی آنکھوں میں کئی آنسو تھے اور چند لمحے مجھے دیکھتی رہی پھر آگاہیں صاف کر کے کھڑکی کے پار جمیل کی طرف دیکھنے لگی جہاں آبی پرندوں کا سہرا تھا اور جو وہاں سسٹل قیام نہیں کرتے تھے۔ وہ جان کی گئی کہ ان پرندوں کی طرح اسے بھی یہاں سے جانا ہوگا۔ میں اس کی کیفیت کا بخیر چاہتا تھا۔ پھر میں نے اپنا لگا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"مسٹر کپریٹا۔"

اس نے غور سے مجھے دیکھا اور منگواتے ہوئے بولی۔

"تم مجھے سیلائی کہہ کر بلا سکتے ہو۔"

مہلک شہر و ستر



محمد اقبال کو دلی کراچی
میری آنکھوں کو سزا مست دیا
پھر کوئی خواب دکھا مست دیا
عمران پوس تھوئی... سہا بن باسلام آباد
میری وحشت طلاق تھوئی ہے
کہہ دینے سے اذیت کم ہوئی ہے
ہلکی آہنی ہے اپنے آنسوؤں پر
کہ یہ برسات بے موسم آئی ہے
دروہب احمد ملک... گلستان جو ہر کراچی
ترقی کر نہیں سکتا وہ دنیا میں بھی لوگرا
جو اپنے چار نکلوں کو متاع دہ جہاں کجے

غلیل الرحمن... کھا ہاں
بلکہ شور ہے ہر کلام کا آساں ہوا
آؤں کو بھی میسر نہیں انساں ہوا
محمد عبداللہ دانش... حافظہ والہ
دونوں جہاں دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا
پس آہنی یہ شرم کہ تھمرا دیا کریں
تھک تھک کے ہر مقام پہ دوچار رو گئے
بیرا بتا نہ پائیں تو تھمرا دیا کریں
حسنین عباس بلوچ... ڈسٹرکٹ ٹیل سرگودھا
ایٹی سوچوں کے غزانے نہیں چھپتے مجھ سے
کوئی آئے اور مجھے خود سے چرا لے جائے
دانا محمد احمد... ڈسٹرکٹ ٹیل سرگودھا
جن رہا ہوں بچوں سے راستے کے کانٹوں کو
قرض آدمیت ہے فرض آدمیت کیا
محمد اسماعیل اہگر... چڑکھیب
میر وہ موسم نہیں جو پہلے رہا ہے
بیرا ساپہ بن کر چلتے رہیں گے
میں صبح بن کر روشنی تو رہوں گا
میں موسم بن کر چھلکتے رہیں گے

عمران حیدر بلوچ... ڈسٹرکٹ ٹیل سرگودھا
ہم نے تو اس شعل میں بارہ کیے ہیں آؤں بہت
تم کچھ اس کی بات کرو جس سے تم کو یاد بہت
ڈاکٹر وہیم خالد... شہزاد
اتنا تھمرا رنگ کہاں تھا رات کے میں نے
بہ کس نے درود کے شکنجے میں اپنے بچا ہل چکوں اور
بیٹے کے دھن میں آکر مجھ سے والوں کو لے لیں
تو نے کس تھمرا سلی میں کس کا صورت لڑا دیا
ڈیشن افکار خلوص... ڈسٹرکٹ ٹیل سرگودھا
کسی رات پلٹے آئی ہے مجھ میں
گر سب سے بڑھتے جا رہے ہیں
حالی محمد اقبال زریگر... نئی منڈی سکھیں
میں میرے ساتھ آئی تو کسی دہانے میں
مجھ کے شہر کے ماحول سے بیت کر رہیوں
مجھ کو خدا ہے سہی وفا کی رہے یا نہ رہے
مجھ سے ہرے کی تھوڑی تو الٹ کر رہیوں
ڈاکٹر نصیب... صندوقہ ڈیوٹی ٹھکانہ
رات اور پڑاؤ کی پھر بھی جاگے ورنہ
آپ سوتے رہ جائیں اور مات ہو جائے

نیر سلطانہ... راولپنڈی

دوب گھر گھر میں اتکا تو کیا ہوا
جو ہجرت جگر پر ہے وہ دست دیا ہوا
طاہرہ یحیٰ... سرگودھا
دلی کی ٹھوکروں سے ایک ہی سبق سیکھا ہے
تمام مشقوں کا حل اک تھوڑا خدا میں چھپا ہے
محمد یارون تھوئی... اسلام آباد
پھر ہی نکلیں گے تجھے ہر مست سے ہر
یہ مہوٹ کی دنیا ہے یہاں ہی نہ کہا کر
رمضان پاشا... گلشن اقبال کراچی
راہی تھیں پڑھنے کا شوق تھا وہی کتنے پڑھنے کا شوق ہے
ترا نام لکھنا کتاب میں... پڑھنا کتاب میں
عون... اوکاڑہ
ہم پر جفا کے شرم کا گھر نہیں
کے گھر ہے ورنہ نہ مراد امتحان نہیں
سید الدین اشفاق... فتح پور
دنیا ہے سرو سامان میری
کہاں ہے زندگی آسان میری
کیسا خراب آیا ہے اچانک
آؤں ہے کچھ آئی حیران میری
ریحانہ شہزاد... لاہور
میں پھر پلٹ کے چیری تھمرا نہ کر سکیوں
کچھ اس طرح سے مجھ کو ہدایت بھی دے سکیں
تیسرے ماس ہائر... اوکاڑہ
دل کی بات پڑھ لو آنکھوں سے
میری آنکھیں کتاب جیسی ہیں
محمد یارون تھوئی... نامعلوم مقام
نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈیڈا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
دیا بخش... حسن آباد
جن کے چہرے ہوں چاند کی صورت
ان کے دل میں بھی رات بگوتے ہیں
محمد شفاق سیال... شہر کوٹلی
خوشبو نہیں نہ جائے یہ اصرار ہے بہت
اور یہ بھی آرزو کہ لڑا رات کو بونے

احمد خان نویدی... پاکستان انسٹیٹیوٹ کراچی

میں اپنی ذات کے گھر میں جھانک لیتا ہوں
کہہ تجھ لوں سے گھرا اک جہاں ہے یہ بھی
محمد نورت اللہ نیازی... خانپور
میں نے کھانا کے سائے میں پکنا جانے پھر
تجھے دیکھوں تو کچھ راتیں سہانی یاد آتی ہیں
مرزا طاہر الدین بیگ... میر پور خاص
تاریکی ان کے لب کی کیا کہے
پگھڑی اک گلاب کی سی ہے
میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے
نذیر احمد بڑی... دھرم پور
کچھ تو اورات کی سرحد میں اترنے کی سزا
مگر سورج کو سمجھ میں ڈبوئے جائے
راجا احسان کھن کھانی... رتی بی ساریوال
یہ حیات مختصر ہی کائناتی دشوار ہے
کیا کروں گا لے کے عمر جاوداں تیرے بغیر؟
وزیر محمد خان... بھل پڑاؤ
دل کے شکستہ ساز سے ٹپے اٹل پڑے
پوچھا کسی نے حال تو آنسو نکل پڑے
محمد پوس چوہدری... سلطان پور
بدل سکو تو بدل دو یہ ہاتھوں ورنہ
یہ ہاتھ سناپہ سرومن کو ترے گما
دہا ایمان... حافظ آباد
یہ مرطہ بھی محبت میں خوشگوار رہا
رکھتا تم سے تمہاری ہی آرزو کرنا
محمد زبیر بان سلطان... کراچی
محب تلاش کر ہیں مٹی کے پتے ساتی
بے وفائی کرو تو روئے ہیں وہ کرو تو رلاتے ہیں
راجو جیل... کراچی
اب تو اس رات سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دوا لے سے جھانکے کوئی
پوشہ... سوہدرہ
کاپ اٹھتی ہوں میں یہ سورج کے تھمائی میں
میرے چہرے پہ قرا نام نہ پڑھ لے کوئی

۞ الیہا الفضل..... رو پڑی

وہ چاند بن کے سرے ساتھ ساتھ چلتا رہا
میں اس کے ہر حرکتوں میں کب ایک کی ہوتی
۞ مولا بخش..... میرا ہر سا کرو

جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپائے رکھتا تھا
یہی ہے دھوپ تو ہے سائیں چھوڑ گیا
۞ جنید احمد ملک..... گھنٹن جو ہر کراچی
لب خاموش، چشم خشک کیا سمجھائیں گے تجھ کو
جو بارش دل میں ہوتی ہے جود پادل میں بہتا ہے

۞ محمد کمال انور..... اورنگی ماؤن، کراچی
مگر ہر خالق ہری کے ہر سو دیکھتے ہیں ہم
اوارے شوق کی دنیا کہاں سے ہے کہاں تک ہے
۞ عزیز احمد..... عظیم پورہ کراچی

میں جہاں عمر بھر رہا آباد
رکے اس شہر کو خدا آباد

۞ عدنان صدیقی..... ملتان
کہیں بھی مل نہ سکی اس شگفتہ نو کی مثال
بنور دیکھ لی ہر بارگ کی گلی ہم نے

۞ درخشان احمد..... لاہور
سنا جو قصہ تم تو اداس وہ بھی تھے
میں دل گرفتہ تھا، تصویر اس وہ بھی تھے

۞ عمر اشفاق..... فیصل آباد
اس شخص کے چہرے کی اجاسی کو تو دیکھو
لگتا ہے کہ مدت سے وہ رویا ہی نہیں ہے

۞ ایثار منہاس..... گلشن اقبال
اپنی سلی میں ہوا کرتی ہے ماں کی خوشبو
دیکھتا خوب سمجھ سوچ کے ہجرت کرنا

۞ شامل خان..... کراچی
اے کاغذ اب کوئی مل جائے ہم تو ہاں اپنا
کہ درد ہم سے تو ہوگا نہیں ہاں اپنا

۞ احمد یار خان..... سرگودھا

رنگ اڑ جاتا ہے تحریر تو رہ جاتی ہے
خوب کے بعد کی تعبیر تو رہ جاتی ہے
۞ فرحان احمد..... کراچی

شہر کراچی یاد ہے تجھ کو تیرے شب بیداروں میں
کوئی رسا چھٹائی بھی تھا پار ہمارا پاروں میں
۞ احمد علی..... گوجرانوالہ

کچھ خاموشی پر پار تو سائے میں کھڑے ہیں
اس دور کے انسان سے یہ بچے بڑے ہیں
۞ مہوش..... لاہور

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ہر تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
۞ سمندر خان..... پشاور

یارب زمانہ مجھ کو مٹا ہے کس لیے
لوہج جہاں پہ حرف مکر نہیں ہوں میں
۞ عبدالعزیز..... میر کراچی

کوئی امید برکتیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے غنیمتیں رات بھر نہیں آتی
۞ امیر علی..... کھوکھر آباد

کھلی ہوئی ہیں مری زیر خاک بھی ہنسی
کسی کا آہ یہاں تک ہے انتظار مجھے
۞ شہلا درویش..... سیالکوٹ

آئینہ سے ہوئی تیری آنکھ گرک جائے گی
دیکھنا پھر تجھ کو تیری ہی آنکھ ہائے گی
۞ ظہیر عباس..... لاہور

کبھی جاوہر نام خست ہے، کبھی کسی گردش بخت ہے
شد و تاج ہے، شد و تخت ہے، شد و شاہ ہے، شد و پادشہ ہے
۞ فیصل صادق..... لاہور

بعد اس کے یہی مجھ پہ ٹھہرا
میں ہوں میں زندگی اس کی

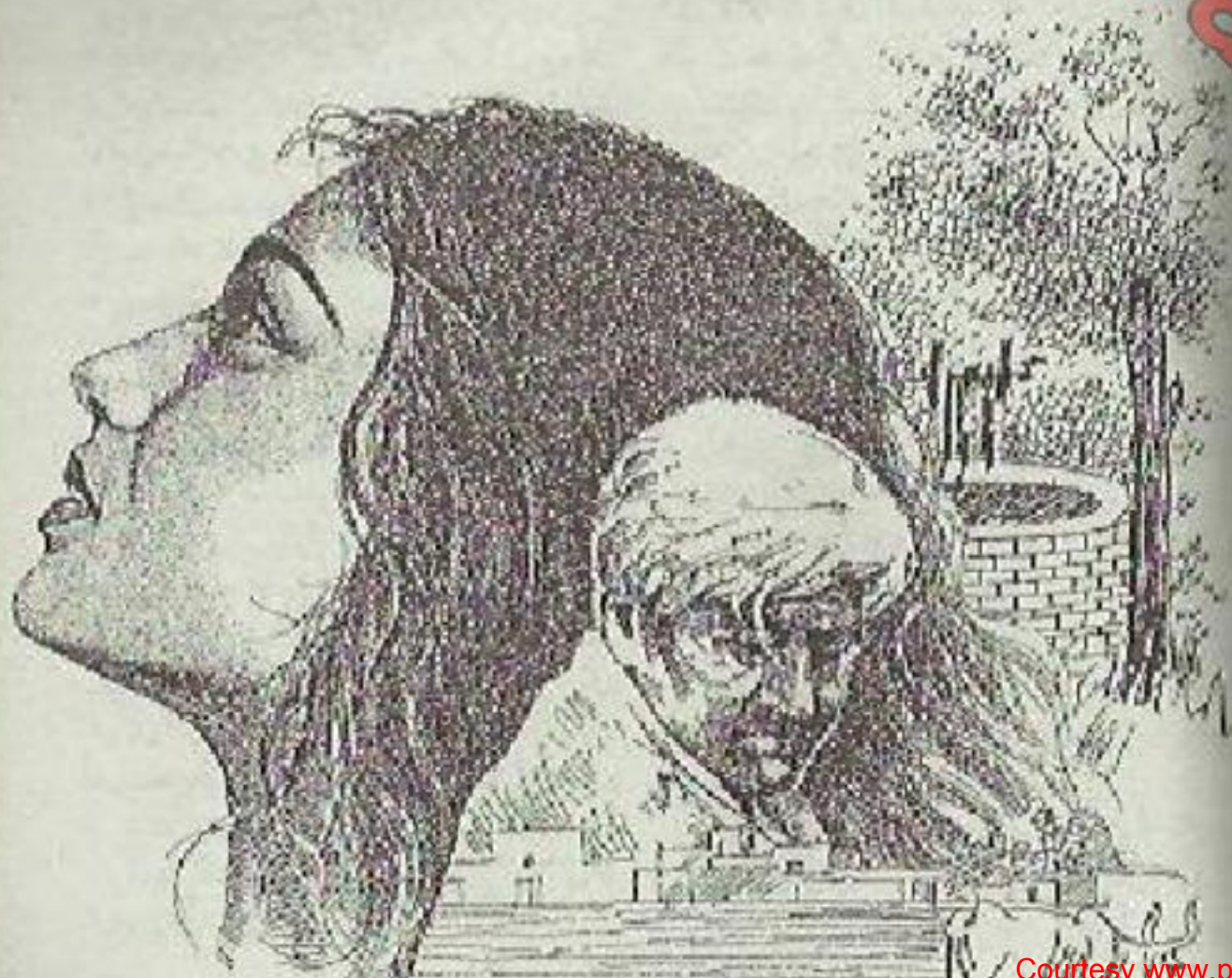
وجود زن

عمران درویش

ہر دور میں وقت ثابت کرنا آیا ہے کہ محبت سے بڑے بڑے سرکشوں کی
مرو کشی مٹاؤ الی... انا پرستوں کے حصار کو دیکھو دیا... وہ وہیں ایک
ایسا ہی صندی ٹنڈی تھا، دل میں جب محبت کی کونول پہونتی تو ایک
انجانے خوف نے اسے اپنے حصار میں قید کر لیا۔

۞ وجود زن سے مستار..... ایک خوب صورت شاہکار

گلاؤں کا یہ کنواں شاعری استعمال میں آتا تھا۔ کلام
لاہور نے اس میں ازل و ازل سے پالی سے اپنی پیاس
بھونکی۔ اس کے لیے آج کا دن انتہائی گرم تھا۔ اس کا گلا
دوڑکے کر کاٹا ہو رہا تھا۔ جیسا بھی تو اس نے باقی ماندہ پالی
اپنے سر پر اٹھ لیا۔ دلوں سے لگتا ہوا پالی اس کے سیاہ
بالوں کو لکھوتے ہوئے چہرے کو بھی خوب تر کر گیا۔ "آہ
ایک ٹنڈی پڑ گئی ہے۔" اس نے خود کلامی کے انداز
میں کہا۔ "مگر... اس کے پار جود میرے اندر کی آگ ابھی



محفل شعرو و سخن

کتاب
نوائے
شعرا
اکتبر
2011

تک نہیں بھیجی۔ وہ خواہ سے ہاتھ کرتے ہوئے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر قتل کر رہا تھا۔

اچانک اس نے چکوں پر آنے والے قلعوں کو صاف کیا۔ قتل کو کئیوں کے کندھے پر رکھتے ہوئے اس نے شطاف پانی میں آکر پار اپنا عکس دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں عجیب سا تاثر تھا۔ ایک ایک اس کے اندر کا آدمی چونک اٹھا اور وہ پانی کو پیسے دیکھنے لگا جیسے کچھ ٹول رہا ہو۔ چند لمحوں بعد اس کی آنکھوں میں چمک بھرائی۔

اسے لگا جیسے گھر سے پانی سے ایک دشمن چہرے نے اس کی جانب نگاہ کی ہو اور یہ نگاہ گویا اسے اپنے قلعے میں کرنا چاہتی تھی۔ کدم اس نے ٹھرت سے اس چہرے کی جانب دیکھا جو انتہائی معصوم، اس پر کھلی مسکراہٹ اور آنکھیں نہایت شرمیلی تھیں۔ وہ اس کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ اس کی شیریں آواز دھیرے دھیرے اس سے کچھ کہہ رہی تھی، جیسے اسے پریشان کر رہی ہو۔ اس نے غصے سے اپنی مٹھیاں بچھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

”شیطان۔“ وہ جھٹایا۔ ”جادو گرئی! جادو گرئی!“ اس نے بے اختیار ایک پتھر اٹھا کر اس کی جانب پھینکا۔ اس کا نشانہ اس کی شرمیلی آنکھیں تھیں۔ پتھر کتوں کے پانی میں ہچک سے اتر کر خاموشی سے تھیں بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ معصوم چہرہ بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ غلام قادر دھیرے سے کھڑا ہوا اور اپنی لگی کمر پر کس کر مٹھیاں کو رتی سے باندھنے لگا اور پھر سے لمب چالنے میں مصروف ہو گیا۔ وہ ایک چہرہ نہ صرف اس کے دل و دماغ پر بلکہ اس کے طبیعت پر بھی قابض تھا۔ ”لعنت ہو اس پر! لعنت ہو اس پر!“ اسے ایک تک وہ دیکھنے لگا اور گرم موسم کے ڈوبتے سورج کی جانب دیکھتے ہوئے غامی زمین پر نظرت سے تھوکر دیا۔

وہ جیتنا آگ کے پاس نہیں ہوئی۔ وہ جانتا تھا اس کے سیاہ لمبے بال اس کے شانویا پر بکھرے ہوں گے جنہوں کو وہ مرنے کے بعد کھولے رکھتی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پُر سردی مسکراہٹ چمکی ہوئی تھی دیکھ کر اس کا دل قہقہے سے بھر پڑا تھا۔ شاید وہ بھی کھا اٹھتا ہوئے انکڑ من کی مٹھیاں اس کی حالت پر ہنسی برتنی ہوگی۔ وہ اس کے مارے کام کو بھی کر رہی تھی۔ جیسے وہ اس کے لیے ہی تھا۔ وہ نہ کھوے کیوں وہ اندر ہی اندر تنگ رہا تھا۔ وہ خود کو اس کا آقا سمجھتا تھا اور اسے یہ حق حاصل تھا کہ وہ زبردستی اس کی کوکھ سے اپنا خمر حاصل کرے۔

”جادو گرئی!“ اس نے تھوکتے ہوئے ایک بار پھر کہا۔ اس دوران تل پتھر پڑا کھڑا گیا۔ اس نے اپنی نظرت کو ترک کرنے کی کوشش کر کے ہونے اسے اپنے ذہن سے جھٹکنے کی بھی سعی کی لیکن وہ اس کے خیالات میں پارہاٹھل بجاتی رہی۔ شاید اب وہ اسے ممکن نہیں لینے دے گی۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا اس کے خیالات نرم پڑتے جا رہے تھے۔ اس کا گداز سراپا کھڑا رہا، اس کی چٹکیں کھینچنے کے پردوں کے مانند پل پل پڑانے لگی تھیں، جب وہ سوچ کر اسے کوئی ختم دیتا تھا۔ قزم عمر اسے گرفت میں رکھتا اس کا مقصد حیات تھا۔ لیکن اسے اب احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اب تک اس کے گرفت میں نہ آئی تھی اسے اپنے مقصد میں ایک بعد بھی کامیابی نہ ملی ہو۔ کیا اسے وہ تمام ٹھکانے حاصل نہ ہو سکی تھی جو ایک مرد اپنی موت پر حاصل کرتا ہے؟ ایک نیا لنگھ اسے بے چین کرنے لگا تھا۔

وہ یاد کرنے لگا جب پہلی بار وہ اس کے گھر میں دھن بن کر آئی تھی۔ اس کی رگوں میں تیزی سے دو ڈٹا گرم خون دھیرے دھیرے پھر سے پڑ سکون ہونے لگا۔ اس نے دل کھول کر اپنی سلی خواہشات کی تکمیل کی تھی۔ چند ہفتوں تک وہ اس کے لیے فقط ایک جسم ہی تو تھی۔ محض ایک جسم جو غوغا و صوت اور گداز تھا۔ چند لمبے بعد جب اس نے اسے اپنی مٹی سے جتے گھر میں ایک جیتے جانے والی حیثیت سے دیکھا وہ کبھی دوسروں سے اس میں کرات کرتی تھی۔ اس کی اور اس میں اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک اتر آئی تھی۔ اس کے دماغ میں شگ اپنی جگہ بننے لگا۔ اس کے خیال میں وہ فقط اس کی باندھی تھی اس کی جاگیر تھی اور ملک اس کی پابند تھی۔

اسے احساس ہوا کہ جب اس سے بات کرنی ہے تو اس کا چہرہ بانٹل ہو جاتا ہے۔ وہ جب اس کے پیچھے سے بات کرتی ہے تو کھلتی شیریں اور گداز ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بڑے بھائی سے بات کرتے ہوئے اور اس کے طبیعت کی جانب دیکھتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں ایک عجیب احساس دکھائی دیتا ہے۔ اس نے صحت مند خلی کی جانب غصے سے دیکھا۔ چہ جادو گرئی اس... چہ پائے سے شیریں لہجے میں بات کرتی ہے۔

اس کے خیال میں جیسے یہ سب اس قتل کا قصور تھا۔ وہ اس قتل کو نظرت سے گھومنے لگا اس شیطانی کی روح جو اس قتل میں طلوع کر چکی تھی اور یہ سب اسی کا نتیجہ تھا۔ اب ان

ان واقعات کو یاد کرنے کے اسے انتہائی شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔ اس نے بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اس پر تم تھا اٹھائے گا۔ پھر وہ ایک شریف انسان تھا۔ تمام گاؤں کے لوگ اس کے گھوڑے گواہ تھے۔ گاؤں میں شادی کرانے کا فریضہ تمام رہنے والی آسمان نے ہی اس کے سانس سر کو اس کے گمراہ تھے۔ اس کی کئی قرینگیوں کی تھیں اسے اب بھی یاد ہے۔ آسمان نے اپنی قرینگیوں کو اس کے چپاس دے دیا۔

”تم ایک خوش قسمت انسان ہو غلام قادر۔“ اس نے اپنی بوڑھی اور کمزور آواز میں اظہار کیا۔ ”لہذا یہ خوش قسمت انسان۔“ شیریں نے صرف یہ بھی خوشی کی طرح مٹھی سے لگے لڑکھائی کی طرح نرم اور تھوڑے اشاروں پر مانچنے والی فری تھی۔ اس کے لیے وہ محبت میں بکھین گزرا ہے اور اب وہ ایک محبت کے روپ میں ہے ہونے آسم کی طرح بھاری گود میں اٹھ گیا۔ ”اس کی ذوقی اشارے کرتی تھیں اس کی آنکھوں کو ترغیب دیتے ہوئے گویا ہوئیں۔“ اس کا منہ پھلکا پھلکا تھا۔ اس سے اسے اس کی کمر باندھ دینا پڑا۔

آج کا دن انتہائی گرم تھا۔ اس کے آس پاس کی زمین بھر اور سوکھی تھی۔ اس کا پیٹنا بیٹا جا رہا تھا اور اس کی قمیض کو گھوڑا تھا۔ آج وہ طبیعت میں اکیلا ہی تھا۔ اس کا بڑا بھائی گل گل اس میں تھا کو کوثر پر لے شہر گیا تھا جو بھولی لوگوں کے لڑکھائی کی زبردستی کو بڑھاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کا چچا اگلا دوسرا بھائی تھا۔

”اس وقت وہ گھر میں اکیلی ہوئی۔“ اس کے دل میں نرم و گرم ہندیوں نے سراپا دیا۔ اس نے جلدی سے تل کو ہاتھ لگا۔ وہ چاہتا تھا چند گھر باقی جائے۔ لیکن آج اس کا دن اچھا نہ تھا۔ طبیعت کی دیکھ بھال میں کافی دقت سرور ہو گیا تھا۔ اس نے غصے سے سوچا۔ ”یہ بیوہ شوق میرے دماغ میں اس جادو گرئی نے بھرا ہے۔“ ایک بار پھر اسے اپنی بیوی پر بے پناہ غصہ آئے لگا۔ ”لعنت ہو اس پر! لعنت ہو اس پر اور اس بوڑھی چھوٹی آسمان بھی۔“ اس کی کپٹیاں غصے کی شدت سے گھٹنے لگیں۔ ”وہی بوڑھی آسمان ہی سے کچھ سے کہا تھا کہ یہ سمجھ کے ڈونگے سے بھرنی ہوئی ہے۔ چھوٹی! اس نے ایک بار پھر پتے سورج کی جانب دیکھا۔ وہ اس کے چہرے پر اسے خندنی لڑکھائی سے کدم جاری محسوس ہوئی تھی۔ اس نے اسے اپنی ہانڈیوں میں بھر

بہوشی کے کہا میں نے اندازہ کیا ہے کہ جب اس نے تم پچھلے انوار والی شادی کر لی ہوئی پچھلی کو ذکر کرتے ہو تو پتے سورج و صحت کو اس کی مٹی چھو صحت اور لیاؤں پتے سورج ہو! لکھنؤ ۱۸۔ میں اپنے پڑوس کو اتنی ہی صحت اور لکھنؤ پتے سورج جس پر سیکر خیال میں وہ اللہ کریم تھا۔“



کیا۔ اس کا جسم ہلکے نرم اور گداز تھا لیکن اس کا دل ہے سوال اسے لاییت پہنچا رہا تھا۔ اس کا دل اس کے جسم کے جینا گداز کہاں تھا؟ اس حادثے سے پہلے۔ بچھلی رات ہی اس نے یہ سوال اپنی بیوی سے بھی کیا تھا۔ اگرچہ اس کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ سب اچانک ہی اس کے دماغ میں سما گیا تھا۔ اس نے ایک نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھ کر دو کھڑکی کے پاس کھڑی ستاروں کو تنگ رہی تھی۔ جبکہ وہ خود کھڑکی کے ہاتھوں مغلوب تھا اور چاہتا تھا کہ یہ خواہش چند ہی مدغم پڑ سکتی ہے۔ وہ ایک اور بھوک سے آگاہ ہو رہا تھا۔ گھبرائی، زبردہ تکلیف و بھوک، تھے وہ جیسے سے جاننا نہ تھا گھر سے چھوٹنے پر یہ خواہش بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ لیکن جاننا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ لیکن اس کے اندر جیسے کسی نے اسے آگاہ کیا ہے اس سے بھی بڑھ کر کوئی شے ہے جسے وہ شہوت کے ذم سے جانتا ہے۔ اس کی آواز بھی اس سے بات کرتے ہوئے گداز ہو۔ انکس اس طرح جب وہ اس کے بڑے بھائی سے بات کرتی ہے اس کے کچھ ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تلی سے بھی۔ لعنت ہو اس جانور پر۔ اس جانور کے لیے اس کی نظرت پھر سے جاگ اٹھی اور اس نے انتہائی بے رحمی سے اس بے زبان کی آنکھوں پر ضرب لگائی۔ ایسا کرنے سے اسے سکون کا احساس ہوا تھا۔

کے دل کو چیتے کی بجی آرزو تھی۔

وہ بھڑکی سے اسے کہہ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ جبرائیل
نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اس پر یہ بات بھی آشکارہ ہوئی
کہ آج تم کو یاد ہو چکی اور انہوں نے ایک دوسرے کی
آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں
کوئی سوال تھا اور جبرائیل تھا کہ کیا یہ پسندیدگی کا اظہار تھا یا
نا پسندیدگی کا؟ وہ کچھ سمجھ نہ سکا۔ اس کی بیوی نے جب اس
کی آنکھوں میں اظہار دیکھی تو اس کی آنکھوں میں جبرائیل کے
ساتھ ساتھ وہ روشنی بھی امدادی ہوئی کی شخصیت کا خاصہ تھی۔
بیکل ہار اس نے اسے ایک انسان کے روپ میں دیکھا تھا۔
اس سے قبل وہ فقط ایک جانور کی طرح برتاؤ کرتا تھا۔
"میں۔۔۔" اس نے فقط اتنا ہی کہا تھا کہ اللہ وسایا

زور سے اس کا دواڑہ کھٹکھٹانے لگا۔
وہ زور سے چلا۔ "بیکل بھڑکتا توڑ کر بھی گیا
ہے۔ وہ بڑوں کے گھر میں اوجھل رہا ہے۔" غلام
قادر اسے چھوڑ کر جبرائیل سے باہر بھاگا وہ چاہتا تھا کہ یہ بیکل
انتہائی سرکش ہے اور انتہائی نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔
چند منٹ قبل ہی اس نے اپنے بڑے بیوں کو اس کے سبب
نقصان کے ازالے کے طور پر دواڑا لگائی تھی۔

وہ اس کی تلاش میں بیکل کھڑا ہوا اور اس کی بیوی بھی
اس کے پیچھے چلی آئی۔ وہ اس بات سے آگاہ تھا کہ اس کا
کچھ فاصلے پر تھی۔ اس کے دل میں پھر سے غرت کے
جذبات سر اٹھانے لگے۔ "جاؤ گری۔" وہ سوچنے لگا۔
"میں اسے بتاؤں گا کہ بیکل کون ہے اور اس پر کس
کا حکم چلتا ہے۔"

یہ بیکل جواب اس کی بیوی کا حکم ماننے لگا تھا۔ شادی
سے پہلے اس کا گھر دوست اور اس کے اشاروں پر چلنے والا
تھی لیکن اب وہ اسے قلمی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

غلام قادر نے ایک بار بیکل کی کمر کو سرزد کر رکھ
دیا۔ وہ بیکل کے لیے اب شدید غرت کے جذبات رکھتا تھا۔
"بے دانا جانور۔" اس نے زہان اور بیکل جانور پر اسے
فساد آنے لگا تھا۔ "تم نے اپنی جان اس جاؤ گری کے
والے کر دی ہے۔" اس نے چپکے سوج کی جانب اشارہ
کی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تیرنے لگی۔
"وہ اب میری جان کے دوپے ہے۔" اس نے چپکے

سے کہا۔
"اور مجھے الجھنا چاہی ہے جس طرح اس نے

دوسروں کا شکار کیا۔ جاؤ گری، جاؤ گری، جاؤ گری۔" وہ
بڑبڑانے لگا۔ کھیت میں کام کرتے کرتے لپیٹا اس کے
چوڑے سے ہوتے ہوئے چوڑے جسم کو بھگولنے لگا۔

وہ بھڑکتے ہوئے پر اس نے اپنے بیکل کو گھر کی جانب
واپس لے گیا۔ وہ گھر کے قریب پہنچا اور اپنی بیوی کے لیے
دو بچے کو دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ جان
تھا کہ اس دو بچوں میں دونوں کی موجودگی کے باوجود اس کی
خوابشوں کی تکمیل ممکن نہ تھی۔ چاہے اس پر علم کے وقت کے
بچے اس کا بچہ اللہ وسایا بنا ہوا تھا اور اس کے ساتھ اس کا
بڑا بیوی بھی بیکل رہا تھا۔

غلام قادر اس قدر غصے میں تھا کہ اپنے بھائی کے سلام
کا جواب دے بنا ہی کرے میں دھکی ہو گیا۔ یہاں تک کہ
بیکل کو باہر جھانکی بھولی گیا۔ اس کی بیوی نے اس کی جانب
متوجہ کر دیکھا۔ وہ بیکل کی قیامت کو بھانپ چکی تھی۔ وہ اس
حقیقت پر انتہائی تڑپا بیکل محسوس کر رہا تھا کہ اس کی بیوی نے
وہ کر دیکھا جو وہ نہ کر سکا تھا۔ اسے غلام قادر کے سامنے
شرسار بھی ہونا پڑا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک زوردار
لمبے دھیرے سے دیکھا جو اس بات کا بھڑکتا تھا کہ بیکل
اور وہی دونوں اس کی رہا یا اور وہ ان کا آقا ہے۔

"کہا تھا ہے۔" اس نے اپنی مخصوص شیریں اور
میں کہا۔ بیکل کو زور زور سے جھٹک دینا شاید اس کی غرت
کا قاصد تھی۔
"کیا تم خالے کا شربت پینا پسند کرتے ہو؟" بیکل نے بھائی
پر بھگت کر دیا۔

اس نے سوال کا جواب دینا سے پہلے ہی بھائی اور اس
کے قریب سے گزرنے والے قریب کے بچے کے ہنسنے سے
اپنے ہاتھ صاف کرنے لگا۔ "میں جانتا ہوں کہ اسے اپنے سر
میں گھونٹیں اور ہاتھ اور اب اسے اس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں
لے چکا تھا۔

اپنے ہاتھ صاف کرنے کے بعد اس نے دل کی دلی
میں ایک بار بھڑکتے ہوئے کہا۔ اس جاؤ گری نے بیکل
اس کے بیکل جگہ بڑے بھائی اور بھتیجے کو بھی اپنے جوار سے
لپٹنے میں کر لیا ہے۔ اس کا بڑا بھائی جو اسے ایک دھپ کی
گرج عزیمت تھا۔ اسے بھی اپنے گھر میں چکر لایا۔ اسی لیے اس
کا بھائی اسے بیکل کو اتنی پیار دے رہا ہے کہ بیکل اپنے
کے بھائی کے ڈانٹنے لگا تھا۔ اور بیکل اس نے اپنی
بیوی کو قیام کوکوں کے سامنے طے دیکھ دیا تھا۔ اس کے

بھائی نے اس سے نہایت دکھ اور برائی سے کہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم غلام قادر کہ تمہیں کیا ہو گیا
ہے۔" بھائی نے بھائی میں تمہاری شادی خوشیوں کے کئی پیام
اس کے لیے بھیجے۔ مورت کے اس اور اس کی شادی میں رہنے کا
نہیں اور میں! اللہ وسایا کی اس کی ولادت کے بعد تم
رواں سے اپنی بھائی کے گھر کو بھلا تا رہا۔ تمہاری شادی سے
کچھ بے پناہ امید ہونے لگی تھی کہ اس گھر میں خوشیوں کے
سبب بیکل کے اور بھائی میرے بیٹے کی شادی سے بے گھر مانا
کمل ہو جائے گا لیکن۔۔۔" اس نے ایک گہری سانس لی
اور اپنے بھائی کی پریشانی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کے بھائی نے مجھے بھی اس گھر میں تمہاری ولادت
کے قدم آئے تمہارا مزاج۔۔۔" بھائی نے ہنس دیا۔ "تم بد مزاج اور
بے رحم ہوتے ہو۔" بھائی نے ہنس دیا۔ "یہ کہ تمہارا دوست ہے
زبان جانور کے ساتھ ساتھ ہے بلکہ تمہاری بیوی کے ساتھ
بھی۔"

اس نے اپنے بھائی کو کوئی جواب دینا مناسب نہ
سمجھا۔ اس کے خیال میں اس کا لاکھو ہی کیا تھا۔ کیونکہ اس
کے خیال میں اس کا بھائی بھی اس کے جاؤ کے زیر اثر تھا۔

اور اس کا بھتیجا۔۔۔ وہ اب اسے بھی قلمی غرت دیکھنے
لگا تھا۔ یہ گھبراہٹ جو سردا گئی تھی وہ پھر ہے۔ اب کچھ
یا نہیں اس کی حرکتوں سے جھٹکتا تھا۔ وہ ہنس رہی تھا کہ چاند کو
دیکھتے ہو کر اور بھائی گھر کے کچن میں چھوٹوں کی آجاری کر کے
وقت ضائع کر رہا تھا۔ غلام قادر نے غرت سے دنا ایک
جواب بھینکا اور موتی کے پھولوں کو دیکھنے لگا، پھر اس نے
ایک منہ بوند جھٹکے سے انہیں اکھاڑ پھینکا۔

"پھول اور ہنسری۔" اس نے غور دکھائی کی۔
"نکھیں چھوٹا چیزیں ہیں جو عورتوں کے دل کو بھاتی
ہیں۔" بھائی نے اپنے ہاتھوں کو صاف کر لے لگا۔

اچانک اسے یاد آیا کہ وہ بیکل کو باہر جھانکا بھول
گیا تھا۔ "اؤ خدا! یہ بد معاش جانور تو بھڑکتا گیا ہوگا۔" بھائی
نے۔۔۔ گھر میں شرمندگی کا سبب بن ہوگا۔" یہ سوچ کر اس نے
لونا ایک جانب پھینکا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کی بیوی نے
خوف و غظروں سے اس کی جانب دیکھا اور اس کے پیچھے بیکل
پڑی۔

بیکل روکت کے سامنے میں آرام کر رہا تھا۔ ساتھ ہی
چارا بھی کھا رہا تھا۔ غلام قادر کو دیکھتے ہی اس نے ایک
جھٹکت لگائی اور قلمی صفت میں بھگتے لگا۔ یہ دیکھ کر بھائی

سائنس کی دنیا

اس لیے بتائیے کہ قدرتی سائنس کو کتنے حصوں
میں تقسیم کیا جاتا ہے؟

ج: دو علم نباتات اور علم حیوانات
س: کیا آپ دنیا کی اس واحد زمین جیسے کا نام
جانتے ہیں جو بڑی، بڑی، درود گہ کی ہوتی ہے؟
ج: گلوبلین

کس لیے بتائیے کہ بارش کے ایک قطرے کا واسطہ
دارن کتنا ہوتا ہے؟

ج: 0.2 گرام
س: ان شعاؤں کا نام بتائیں جسے لوگوں کو فرار
الذہیرے میں تصاویر بنانے کے لیے استعمال میں
لائے جاتے ہیں؟

ج: انفراریڈ ریز
س: اس مرکب کا نام بتائیں جس کی مقدار سوئی
تھیں میں سب سے زیادہ ہوتی ہے؟
ج: "کلیٹن"

کس لیے بتائیے کہ پارہ کتنے درجہ فارن ہائٹ پر
جم جاتا ہے؟
ج: صفر درجہ فارن ہائٹ سے بھی 38 درجے
پہلے پر۔

کس لیے بتائیے کہ انٹریس کسے کہتے ہیں؟
ج: ہائیڈروجن اور کاربن سولو آکسائیڈ کے
آئیز کے۔

کس لیے بتائیے کہ روشنی کتنے رنگوں کا مرکب
ہے؟
ج: سات۔

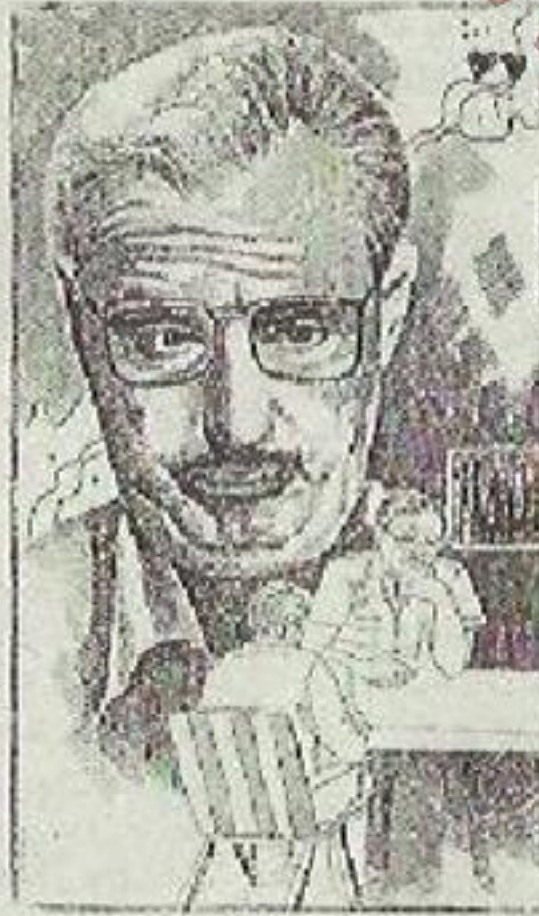
کس لیے بتائیے کہ روشنی کس شکل میں سفر کرتی
ہے؟
ج: لہروں کی صورت میں۔
س: اس لیے بتائیے کہ قدیم ترین سائنس کا علم کسے کہا
جاتا ہے؟
ج: علم طبقت۔

علمی تعاون: اورس بھٹی، بھٹی بھٹی بھٹی بھٹی

بھریپور انتقام

ستم ایجا اورنگ اکثر انتقام کے لئے اور انوکھے طریقوں پر غور کرتے رہتے ہیں۔ وہ بھی کسی سے الگ انتقام لینا چاہتا تھا۔ مگر ایسا کب ہوتا ہے جیسا انسان سزا دیتا ہے۔ اور جب سب کچھ الٹ ہو جائے تو اسے لذت کا تصور کتنا ہے۔

عالم تینوں میں گوسل ایک جوسے کی بے چارہ زندگی کا حال



لوگوں کے مسائل حل کرنے میں مدد دینے سے کوئی ہوتی تھی اور اسے اپنا مکمل ہونا بھی پسند تھا۔ وہ اپنے بیٹے میں کامیاب شمار ہوتا تھا اور اس کی مشاورت کی مانگ تھی۔ ایک روز سچ بیرس کو خبر پائی توئی جب جیرالڈ نے پھر پھر وہ صحت کے وقت سے اس کے دفتر میں نین اور چٹ لون کاٹ کر کر دیا۔ بیرس اس وقت ایک ایمر میٹنگ میں شریک تھا۔ بیرس کی سیکرٹری جو کہ جیرالڈ اور بیرس کی گھڑی اور اس سے پہ

جیرالڈ اور بیرس بہترین دوست تھے۔ ان کی دوستی بہت پرانی تھی۔ یہ دوستی جیرالڈ اور بیرس کی شادی سے پہلے ہی قائم تھی اور ان دونوں کی شادی کو جون میں پچاس سال ہونے والے تھے جس میں ابھی صرف دو ماہ باقی تھے۔ جیرالڈ کبھیوں کے سامان کے کاروبار میں ایک کامیاب کیریئر گزارنے کے بعد ریٹائر ہو چکا تھا جبکہ بیرس اب بھی بطور ایک انجینیئر اپنے پیشے میں سرگرم عمل تھا۔ اسے

اور پھر۔۔۔ چھوٹی محلوں میں سوت کی خاموشی چھا گئی۔ یہاں تک کہ وہ بھی ساکن محسوس ہونے لگی اور تمام قیود مہرا کر اور گرو ظفر دانا نے لگا۔ پہلے اس نے اپنے بھائی پر نظر کی جس کی ڈاڑھی ٹخن سے تر تھی۔ پھر اپنے بیٹے پر لیوہان اپنے باپ کے ہاتھوں میں تھا اور آخر میں اپنی بیوی کی چھٹی آنکھوں میں دیکھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھالے گی۔ وہ سہ ہوش ہونے لگا۔ اس نے اپنے خون آلود ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے سامنے کی حقیقت کو ملانا چاہتا ہو۔ اس نے ایک بار پھر اپنے اور گرو دیکھا۔ پھر وہ ان خوبصورت آنکھوں میں انگریزوں کی گھرائیوں میں چھپے تاثرات پڑھنے کی کوشش کرنے لگا جہاں اس کے لیے انتہائی غرت کے سوا کچھ نہ تھا۔

وہ پھر اٹھ اٹھا۔۔۔۔۔ آنکھوں سے اندھیرا چھانے لگا۔ قریب تھا کہ وہ مرنے لگے کہ اس نے خود کو سنبھالا اور پھر اسے ہونے آگے بڑھ گیا۔ گویا وہ نشے کی حالت میں ہو۔ وہ تیزی سے ممکن کو محسوس کر کے کچھ میران کی جانب بڑھا۔ وہ پھر کی تھی دھوپ میں آسوس کے درختوں پر بہہ رہے تھے۔ ایک بار پھر وہ انہیں اپنے خون آلود ہاتھوں سے صاف کرنے لگا۔

وہ دڑتا ہوا اس کوئی کے قریب پہنچ گیا جس کوئی سے وہ پیراب ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر وہ زمین پر لیٹ گیا اور اپنے ہاتھوں میں چہرے کو چھپانے لگی۔ وہ اس کے سامنے روئے لگا۔ کافی دیر تک روئے کے بعد اس کی آواز کوؤں کے شور میں دھنسنے لگی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کے بعد وہ کوئی کے قریب ہوتا گیا اور اس کی گھرائیوں میں جھٹکتے لگا۔ پانی کی ساکھ اس کا پیرا ایک بار پھر ہٹا ہوا دکھائی دیا۔ ان آنکھوں میں موت اور غرت کے لیے جھٹکے تاثرات تھے۔

”جیرالڈ“ اور اچانک اس نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ وہ کوئی کی گھرائیوں میں گم ہو گیا۔ پانی میں کسی چھوٹی سی شے کے گرنے کی آواز نے کوؤں کے جھنڈ کو حیران کر دیا تھا۔ پھر وہ زور زور سے کامیں کامیں کرتے گئے اور پھر سے دھیر سے پانی کا شور بھی جھٹکتے لگا۔ جیسے کسی بے قرار کورفتہ رقیہ قرار آ گیا ہو۔ جیسے دنیا کو جھٹک کرنے کی خواہش میں کوئی خود کو بھی مار گیا ہو۔

سے غلام قار کا پیرا ایک بار پھر سرخ ہو گیا۔ اس نے منہ لگا لٹایا اور اس سے زبان چنور کے پیچھے پھنسا ہوا بھاگا۔ گھر کے باہر چلنے کے لیے در ہے تھے۔ غلام قار کے پیچھے پروہ اس کی جانب متوجہ ہوئے اور اسے دیکھنے لگے۔ نکل گھر کی چاروں اطراف طرف فروہ سا بھگ رہا تھا اور غلام قار چلتا ہوا اس کے پیچھے تھا اس کی گردن کی پسینہ چھپا کر تن جاتی تھیں۔ بگڑنے کے لیے یہ سب ایک طرف کا سامان تھا۔ پہلے ایک قہقہہ لگتا اور پھر دوسرا۔

اس کی بیوی بچوں کے قہقہے سن کر پیچھے ہٹنے لگی مگر وہ زبردستی پیچھے نہ روکی اور اپنے شوہر کے ساتھ تیزی سے دوڑ پڑی اور جب وہ قتل کے پاس پہنچی اور اسے پیار سے آواز دی تو نکل اس کے قریب آ گیا۔ اس کے تپو بھی سنھٹے گئے۔ یہاں تک کہ وہ آسانی سے قابو میں آ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اسے سہلانے لگی اور وہ بخوش اپنی گردن میں دہی بندھوانے پر راضی ہو گیا۔ ”شباباش! شباباش!“ بچے خوشی سے چالے گئے۔

”شباباش! چاہتا تم نے وہ کر دکھایا جو چاہتا کر سکا۔“ غلام قار دھیرے دھیرے غور سے اپنی بیوی کی حرکتوں کو دیکھتا رہا پھر سہرا ہٹا جس کی حالت میں اپنی بیوی کے ہاتھوں کو پھڑا اور اسے جھٹکنے ہوئے زمین پر گرا دیا اور وہ اپنی چھڑی سے اسے مارنے لگا۔ کئی ضربیں کھانے کے باوجود اس کی ٹانگی نے ایک جھٹکا نہ دی۔

”میں تمہیں دکھا دوں گا، میں تمہیں دکھا دوں گا۔“ اس اور اس نے ہماری طاقت کا استعمال کیا اور شرب لگا تا دیا۔ تاکام ہونے پر وہ اپنے بڑے بھائی کی جانب پکا اور سے بھی شدید ضربیں لگانے لگا۔ وہ درد کی شدت سے گرا ہوا تھا اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔

انہ دسایا سودا تھا۔ اچانک شور کی آواز سے جاگ کھائیکان سامنے کا منظر دیکھ کر اسے خواب کو سا گمان گزرا۔ وہ اپنے اختیار غلام قار کی جانب دوڑا اور بدحواسی سے دیا ہوا۔

”کیا تم پاگل ہو گئے ہو یا چاہا؟“ غلام قار کو اپنے پیچھے کی آنکھوں میں بھی اسی چانور کی نظر آئے لگا۔ اس نے بھاری چانور سے گواہی دلائی۔ یہ وہ اس کے قریب آیا تو اس نے شدید ضرب سے اسے ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ اس کو جہان کے سر سے ٹھونک کا فرارہ پھرت پڑا اور وہ زمین پر گر گیا۔

نحویہ واقف تھی، اس لیے وہ ہر کال سے ہیرس کو آگاہ کرتی رہی لیکن بیٹنگ کی اہمیت کی بنا پر ہیرس اسے نہ لگا رہا۔

لیکن جب سیکرٹری نے اسے تیسری کال کے بارے میں بتایا تو ہیرس کو تشویش لاحق ہوئی۔ اس نے بیٹنگ کا سلسلہ توڑتے ہوئے سیکرٹری سے جبر اللہ کا فون ملانے کو کہا۔

جب وہ بلا لگام ہوا تو ہیرس بولا۔ "جبر اللہ! تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہیرس! میں تم سے ابھی اور سی وقت بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم رات تک انتظار نہیں کر سکتے جبر اللہ! آج تک میرا شیڈول بہت بکثرت ہے۔ اس وقت بھی میں ایک اہم میٹنگ میں ہوں۔ پھر سہ پہر کو مجھے ملنی چاہیے اس لیے اس کے لیے عدالت بھی جانا ہے جہاں شام ہو جائے گی۔"

"نہیں ہیرس۔ یہ زندگی کا موت کا معاملہ ہے۔"

"اوپن! تو پھر اس صورت میں کیا تم جی تک انتظار کر سکتے ہو؟" جبر اللہ نے مذاق کیا۔

"مجھے کراہنے کا۔" جبر اللہ نے جواب دیا۔ وہ ہیرس کا مذاق کھنے سے قاصر نہ تھا۔

"میں تم سے ٹھیک ساڑھے دو بجے سیکرٹری رینڈرنٹ میں ملتا ہوں۔ اگے؟" ہیرس نے کہا۔

"بارہ بجے ٹھیک رہے گا۔" جبر اللہ نے اصرار کیا۔

"لائسن۔" ہیرس نے اٹھان کرتے ہوئے کہا۔ "تو پھر بار بجے ملاقات ہوگی۔"

ہیرس نے فون بند کر دیا۔ اپنے بہترین دوست کی آواز میں شدید صدمہ اٹھانے والی صورت پر ہیرس کی توہین اس معاملے سے ہٹا دی تھی جو اس میٹنگ میں زیر بحث تھا لیکن اس نے اپنی چوٹی پر زبردستی معاملے پر مرکوز کرتے ہوئے میٹنگ کو دوبارہ آغاز کر دیا۔ وہ اس حد تک الجھ رہا تھا کہ اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بعد رات صبح کی تاریخ سے سیکرٹری کی طور پر پہنچا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے وہ پہر بارہ بجے کا وقت سے کیا تھا؟" جبر اللہ نے اپنی گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اور تم کیسے ہو؟" ہیرس نے مصالے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"بہت برے حال میں ہوں۔" جبر اللہ نے جھری سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "میں مجازاً میں مسموم کا راز پہلے ہی دے چکا ہوں۔"

"میں انکو مل رہی ہوں کوئی شے نہیں لوں گا۔" ہیرس نے کہا۔ "میں نے جنہیں پہلے بتا دیا تھا کہ آج تمام سہ پہر مجھے عدالت میں دینا ہے۔"

"فائن! تمہاری اسکاچ میں بی بیوں کا دم میرا پانی بنا لو۔" جبر اللہ نے گلاس بدلتے ہوئے کہا۔

اور ہیرس دیکھتا رہ گیا جب اس کا بہترین دوست ایک ہی گھنٹہ میں اسکاچ کا پورا گلاس خالی کر گیا۔

"ایسا دلچسپ کیا معاملہ ہے، جبر اللہ؟" ہیرس نے پوچھا۔ "مجھے طلاق چاہیے۔" جبر اللہ چست پڑا۔

"اس کا؟"

"تم نے سنا نہیں؟ اگر میں نے اس عورت کو طلاق نہیں دی تو میں اسے لگ کر دوں گا۔"

"مار یہ کو؟" ہیرس نے حیرانی سے کہا۔

"تو میری شادی اور کس سے ہوئی ہے، احمق! اولیٰ؟"

جبر اللہ نے قدم سے فٹے سے کہا۔ "میرا بیڑا کو مزید فٹس لانے کا اشارہ کیا۔"

"اگر میں قلعہ ہوں تو میری تصحیح کر دینا۔" ہیرس نے ہاتھ سے سمجھانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم دلوں دور وہ دھڑائی شادی کی گولڈن جوبلی منانے میں جادو ہے ہوا؟"

مجھے تمہاری شادی کی بچا سوچیں ساگر کا دعوت اس کی شادی ہے۔ میں لانا تو نہیں کہہ رہا؟"

"دعوت نامے ام نے ایک ماہ پہلے روانہ کر دیے تھے جبکہ میں اس وقت تک براشت کر رہا تھا۔" جبر اللہ نے جواب دیا۔

"تو پھر اب کیا ہوا؟"

"اب میں اس سے طلاق کر رہا ہوں۔"

"کم آن جبر اللہ! تم میری عزت نہیں کر سکتے۔"

"ہیرس! اگر میں نے کوئی فرد پر طلاق نہیں لی۔ تو ہوسکتا ہے کہ میں اس کا گھونٹ دوں۔ تمہارے اطمینان کے لیے کیا میں اس کی عزت کا کافی ہے؟"

اس نے بیڑا مزید دوڑا کہ جس نے آیا۔ "اس نے کہا، کہا ہے؟"

"اس نے مجھے اپنی اصلیت دکھا دی ہے۔" جبر اللہ نے جواب دیا۔

اور وہ ہرگز فرے میں سے ادھیں میز پر دیکھنے سے پہلے ہی اٹھا لیے۔

ہیرس نے ویٹر کے جانے کا انتظار کیا پھر دوبارہ گویا ہوا۔ "میری ایک انوکھی قانون ہے۔"

"اب شیطان میں ٹھیک ہے۔"

"میں نے خاص طور پر ایسا کیا، کیا ہے؟" ہیرس نے اللہ کے ہاتھوں میں سے ایک ڈرنک لیتے ہوئے کہا۔ "وہ کچھ نہیں کرتی، اس نے یہ کہہ دیا۔"

"کچھ نہیں سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"وہ میرے لیے کچھ نہیں کرتی۔ نہ گھر میں کچھ کرتی ہے نہ باہر میں اور نہ ہی بیڈ روم میں۔ کچھ بھی نہیں۔" جبر اللہ ہنس پڑا۔

"کیا وہ کسی دوسرے مرد کی طرف راغب ہے؟"

ہیرس نے سر کوئی کے کچھ میں پوچھا۔

"نہیں، یقیناً نہیں۔ مجھ سے کہا جاتا ہے کہ جبر اللہ نے اپنا ڈرنک ختم کرتے ہوئے کہا۔ "میرا بیڑا اس سے بیڑا کو دوبارہ اشارہ کر دیا۔"

"وہ اب بھی ایک جاں نثار عورت ہے، جبر اللہ۔ وہ ہر لمحہ حد درجہ پرستی ہے۔" ہیرس کا لہجہ متاثر تھا۔

"وہ دوسرے مردوں کے لیے ایسا نہیں کرتی۔ اس نے اپنے آپ کو اس لیے لٹ رکھا ہوا ہے کہ مجھے ذہنی طور پر قلعہ کر دینا۔" جبر اللہ نے جواب دیا۔

"اس میں غلطی کس کی ہے؟" ہیرس نے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں کس کی اوسکتی ہے؟" ہیرس نے کہا۔

ہیرس، میں اب بھی ایک مرد ہوں جبکہ وہ بیٹ ہے۔ حد درجہ پرستی کر رہی ہے۔"

"کس چیز کی ممکن؟" ہیرس نے حیران ہوا۔

"وہ مجھے اویٹ دے دے کر اب تک کئی ہے۔ ہم دن بھر ایک دوسرے سے بحث کرتے رہتے ہیں۔" جبر اللہ نے ہنس دیا۔

"تم لوگ کس بات پر بحث کرتے ہو؟" ہیرس نے سوال کیا۔

"کسی خاص بات پر نہیں مگر پھر بھی ہر بات پر۔ زیادہ تر چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔"

"کس قسم کی چھوٹی باتیں؟"

"چھوٹی باتیں۔ مثال کے طور پر آج صبح کی بات لے لو۔ ہمارے درمیان کافی پرکٹ ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں بیٹا اسٹراٹک کالی بناتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اسے اپنی کافی میں مزید دوہ چاہیے اور کوئی بات نہیں۔ سو میں نے اس کے کپ میں تھوڑا سا دوہ اور شمل کر دیا اور اس سے کوئی شکایت نہ کی۔ جانتے ہو اس نے کیا کیا؟ اس نے کالی کا ڈرنک مجھے بغیر پراکپ سک میں انڈیا دیا۔" جبر اللہ نے قہقہہ "تم کالی کے ایک کپ پر اسے گل کرنا چاہ رہے"

پاکیزہ

اکتوبر 2011ء کے شمارے کی ایک جھلک

عکس عمیرہ احمد کے

قلم سے پرتا اثر سلسلے وار ناول

شیشوں کا مسیحا کوئی

نہیں بشیریں حیدر کے سلسلے وار ناول

خوشبو کا سفر، عالیہ بخاری

کا ناول ایک نئی مہک کے ساتھ

راحت وفا کا۔ ناول ایک تھی نیناں

لغیانی احساسات و خیالات سے مزین

میمونہ خورشید اور رضوانہ برنس

کے پرتا اثر ناول سے مزین

فاخرہ گل، سیرینا راض،

بشری نثار اعوان، عالیشان خان،

رابعہ نیازی اور دیگر مصنفین کی

ولچہپ دیا وگا ترخیریں

کپ کی کتابت کے تحت ملے

کپ کے اس، کچھ کچھ پڑھیں! نہیں! مثال ہے!

ہو؟" میری نے حیرت کا اظہار کیا۔

"تم کچھ نہیں دے ہو میری۔ دن بھر میری ہاتھ دھو رہا ہے۔ اگر میں تمہیں اس آٹے والی گولڈن جوبلی ساگرہ کے معالے پر ہمارے ارمیان لڑائیوں کی تفصیل بتاؤں تو تمہارے دوستوں کے ہونے چاہئیں گے۔ ہمارے ارمیان چھوٹوں پر بحث ہوگئی کہ وہ سرخ گلاب ہونے چاہئیں یا لادو گلاب۔ شراب پر بحث ہوگئی کہ رات بولی چاہیے یا برنگولی۔ کھانے پر بحث ہوگئی کہ چکن ہو یا اسٹیک یا بکری دونوں۔ ہم اس بات کے بارے میں لڑ پڑے جو ہمیں ساگرہ پر پہنچا ہوگا۔ ہمارے ارمیان اس بات پر بحث ہوگئی کہ ہم اپنی رانی میں کس کس کو مدعو کریں۔ میری، اگر تم نہیں چاہتے کہ اس کے مقدمے میں میری بیوی کی کروٹو ہٹ کر ہوگا کہ تم مطلق کے نہیں میں میری کی کھڑکی کرو۔ اسے ایک اندر چلی علاقہ کا نہیں تصور کرو اور یہ حق مجھے بھی ہے۔ آج ہی! کچھ گئے؟"

میری نے کچھ کہے ایک موبل و فون تک جیرالڈ کو بھرا۔ جب یہ خاموشی طویل ہوئی تو جیرالڈ سے رہا نہ گیا وہ بڑا۔ "ہاں، کیا کہتے ہو؟"

"میں کچھ سوچ رہا تھا۔" میری نے پرخیاں لیجھیں کہا۔ "اگر تم مارے سے اتنی ہی نفرت کرتے ہو تو اسے آزاد کرنے سے بدشگونی تم ایک چھوٹا سا انتقام لینا پسند نہیں کرو گے؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ اسے فوری طور پر علاقہ دینے سے ہمیں کس حد تک تسکین حاصل ہوگی؟ وہ تم سے نفرت کرتی ہے، تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اسے یوں آزاد کر دینے سے تم اسے ذاتی سکون عطا کرو گے۔"

"ہاں، لیکن اس طرح مجھے بھی ذاتی سکون مل جائے گا۔"

"مثابہ بہت زیادہ سکون حاصل ہو جائے۔" میری نے قدرے طنز سے لہجہ میں کہا۔

"وہ کس طرح؟"

"میں تمہاری نہیں، امدید کی بات کرو ہاں۔" میری نے کہا۔

"اسے کس طرح زیادہ سکون مل جائے گا؟"

"ویل، تمہارا مکان اسے مل جائے گا۔ لہذا تمہیں کچھ سے لکھنا پڑے گا اور اسے لیے چاہکا خوش کرتا ہوگا۔"

"میں اس کے لیے چاہ رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ تو سب مت کرنا کہ تمہارے بچے تم سے ملنے کے لیے آکر آ کر رہیں گے۔"

"کیوں نہیں آئیں گے؟"

"انہیں اس بات پر نصہ ہوگا کہ تم نے ان کی ماں کو چھوڑ دیا اور خاندان کا شیرازہ کھینچ دیا۔"

"لیکن یہ لفظ میری نہیں مار چکی ہے۔"

"وہ اس معاملے کو اس نگاہ سے نہیں دیکھیں گے اور تمہارے دوست بھی تم سے ملنا پسند نہیں کریں گے۔"

"وہ کیوں؟"

"تمہارے زیادہ تر دوست شادی شدہ ہیں۔ ان کی بیویوں کو خاندان اس بات کا علم ہے کہ تم اور ہادی مسلسل آپس میں لڑتے رہتے ہو اور یہ سب کچھ انہیں ہادی کے نقطہ نگاہ سے پتا ہے۔ تم تو جانتے ہو کہ ہادی ایسے معاملات میں ایک دوسرے سے کس طرح باتیں کرتی ہیں۔ ہادیوں تم سے سب بول رکھتے سے گریز کریں گی کیونکہ ان کا خیال ہوگا کہ تم ان کی ازدواجی زندگی میں بھی زہر گھونکتے ہو۔ وہ اپنے شوہروں کو تم سے دور رکھیں گی۔ تمہارے بارے میں مشہور ہو جائے گا کہ یہ وہ نفرت لادو شخص ہے جس نے اپنی شادی کی گولڈن جوبلی ساگرہ سے دوبارہ مل مار پھوڑا دیا تھا۔" میری نے کہا۔

"لیکن اس لڑائی کا آغاز کرنے والی تو وہی ہے۔"

جیرالڈ نے شاکی لہجے میں کہا۔ "جیرالڈ، یہ وجہ کل تم ہی کھانے میں رہو گے۔ تمہیں ایک انجیل ملے گی۔ ایک انجیل نے دکان میں تمہارا ہاتھ پڑے گا جہاں نہ تمہاری کوئی بیوی ہوگی نہ کبھی اور نہ ہی دوست۔ یقیناً اسوائے میرے۔"

"اے میری۔ تمہارے خیال میں تمہارے پاس کوئی بھڑا آئینہ یا ہے اردو آئینہ یا کپڑے؟"

"ویل، میرے خیال میں تمہیں اس کا انت کرنا چاہیے۔"

"کس چیز کا انت؟"

"میرے خیال میں تمہیں ایک بھرپور شوہر ہونا چاہیے کہ ایک نفرت لادو شوہر! آگے دو ماہ کے دوران میں تمہارے اوکا کم کرو جس کو تمہارے شوہر کی بنا پر مارے ایک بار پھر سے تمہاری بھرت ہو کر رہے گے۔"

"یہ کس بات کی بات ہے؟"

"لیکن، میری بھرت کی بات تو سن لو۔" میری نے لہجہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "یہ کام تمہیں میرے دھرم سے اور خوش تدبیری کے ساتھ کرنا ہوگا تاکہ میں کو بھی کسی قسم کا شہ نہ ہو سکے۔ تم ایک دل شوہر بن جانا۔ میری پر یہ ظاہر ہو جائے کہ تم کتنے دھیان دینے والے اور پروا کرنے والے شوہر ہو۔ تم مارے کا اور اس کی شرطوں کا انتظام کیا کرتے ہو۔"

داستان ابلیس

ابلیس تمام فرشتوں کا سردار تھا، آسمان و زمین اس کے ایک ہزار سال تک اللہ کی عبادت کی تھیں کا نام عباد ہوا۔ دوسرے آسمان میں ایک ہزار سال تک عبادت کی تو زہر بنا پھر تیسرے آسمان میں عارف، چوتھے میں ولی، پانچویں میں قی و پنے میں خاشع اور ساتویں میں عزازیں نام ہو مگر لوح مخلوق پر اس کا نام ابلیس تھا اور اسے ابلیس سے ہے پھر تھا۔ جب اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مسجد و کرنے کا حکم دیا تو سب فرشتوں نے کیا اس نے انکار کر دیا اور اپنے آپ کو بڑا خیال کیا اور نفرت و تکبر کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم پر پشت کر لی اور انکار کر کھڑا ہو گیا۔ آخر کار فرشتوں نے ایک مدت تک مسجد کیے رکھا جب انہوں نے سراپا پا تو دیکھا کہ ابلیس نے مسجد نہیں کیا اور انہیں مسجد کی توثیق مل گئی تو فرشتوں نے وہاں مسجد تعمیر کر دیا۔ یہ بد بخت ان سے ملے پھیرے کھڑا تھا۔ نہ ہی اطاعت کی طرف دھیان دیا اور نہ ہی فرمان پر تادم ہوا تو اب اللہ تعالیٰ نے اسے چار پائے کی شکل دے دی اور فزیر بنا دیا۔ اس کا سر اور ہاتھ بڑے اونٹ جیسا کر دیے۔ درمیان کا چہرہ ہند کے جیسا ہو گیا اور آنکھیں لمبوتر کی پانی پانی نظر آتی تھیں۔ اس کے تھننے کھلے بنا دیے۔ اس کے ہونٹ تیل کے ہونٹوں کی طرح اور اس کی داڑھی شہر کے ہاتھوں کی طرح پھیر کوئی ہوئی کر دی پھر انہی میں سات پل کر کے اور بہشت بدر کر دیا بلکہ آسمان اور آباد زمین سے دور کر کے وہ انہوں کی طرف بھاگ دیا اور قیامت تک لعنت و پھینکا کر دی۔ وہ ملعون و کافر ہو چکا۔ یہ حالت جب حضرت جبرائیل و میکائیل نے دیکھی تو رو پڑے اور جہنم و قدرت کے کہ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے اللہ کی طرف سے پوچھا گیا۔ "کیوں روتے ہو؟" کہنے لگے۔ "ہم میری طرف سے لعنت و بد بختی آجائے پڑا ہے آپ کو مخلوق خیال نہیں کرتے۔" ارشاد ہوا۔

"ایسے ہی رہو اور میری طرف سے بے فکری اختیار نہ کرو۔" اب ابلیس نے آواز دی کہ "اے اللہ۔ تو نے آدم کی وجہ سے مجھے جنت سے نکال دیا۔ اب مجھے ان پر مسلط کرو۔" ارشاد ہوا۔ "تو مسلط ہے اس کی اولاد پر سوائے انجیل کے۔" ابلیس بولا اور قسط دیجیے فرمایا۔ ان کے ہاں ایک بچے ہوگا تیسرے دو ہوں گے۔ بولا اور قسط دیجیے۔ ارشاد ہوا۔ ان کے بیٹے میرا مسکن ہوں جبکہ تو خون کی طرح بدن میں پھرے گا۔ اس نے کہا اور دیجیے۔ ارشاد ہوا تو ان پر اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور سواروں کے ساتھ ہوجا یا کرے گا اور انہیں ہر لحاظ، حرام اور حلال پر آزاد کرنا ہے گا۔ اب حضرت آدم نے عرض کی۔ "یا اللہ تو نے ابلیس کو میری اولاد پر مسلط کر دیا۔ اب میری نسل کے پھیر اس سے کیسے بچا جائے؟" ارشاد ہوا۔

"سچ ہے ہاں جو بچے ہوگا اس کے ساتھ محافظ فرشتہ بھی ہوگا عرض کیا۔ مزید عطا کیجیے۔ ارشاد ہوا جب تک بنی آدمی اور انجیل میں ہوں گی تو یہ کا دروازہ ان پر بند نہیں ہوگا عرض کیا۔ ارشاد ہوا میں انہیں معاف کرتا ہوں گا چاہے جس قدر گنہ گار ہوں، حضرت آدم نے عرض کیا۔ یا اللہ اب کافی ہے۔

ام غزالی کی کتاب، مسکافہ القلوب سے اقتباس

مرسلہ: تفسیر عباسی بار بار کا کرہ

"بیراٹل ہے کہ میں اسحاق دینے میں بہترین تھا۔"
"ہاں، ایسا ہی تھا۔ بیراٹل ہے کہ جب ہم اسکول میں تھے تو میں تم سے بہتر گریڈ حاصل کرتا تھا۔"
"ہاں، بیراٹل ہے کہ ایسا ہی تھا۔"
"لیکن تم ہمیشہ سے مجھ سے زیادہ اسمارت تھے۔"
بیراٹل نے کہا: "بیراٹل ہے کہ میں ایک بہتر اسکالر تھا۔"

"میں تمہارے سوال کا مطلب نہیں سمجھ سکا، بیراٹل۔"
بیراٹل نے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن کہا۔
"اس بات کو بھول جاؤ۔"

والٹر بیراٹل اپنے درست کے مقابلے میں کڑی پروردہ گیا اور متلاشی غمروں سے اسے دیکھنے لگا۔

ایک طویل خاموشی کے بعد بیراٹل نے کہا: "اب میں تمہارے لیے مزید اڑکی کر سکتا ہوں، بیراٹل۔"

"تم اس طرزی کے معاملے پر غور نہیں ہو۔ یہی بات ہے اور میں۔"

"اگر میں کہوں کہ میں خوش ہوں تو یہ ایک جھوٹ ہوگا۔"

بیراٹل نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔
"کیا تم سنا چاہو گے کہ کوشش دو، وہاں کا عرصہ کس طرح گزارا؟"

بیراٹل نے کہا: "اگر تم بتانا چاہتے ہو تو۔"

"میں نہیں جانتا، چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ تم آئیڈیل تمہارا تھا۔"

"اے کے۔ تو بتاؤ۔"

"جب میں ریٹورٹ میں تھا تو یہ وقت کر کے دھشت ہوا تو مجھے اس نے خوشی محسوس ہوئی تھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔"

ایک بار پھر میری زندگی کا کوئی مقصد تھا۔ ہوری اسکیم کی خوشی پر میرا دل خوش سے ہونے لگا تھا۔ یہ خیال مجھے پاگل بنے دے رہا تھا کہ میری اپنی مجھ سے اس قدر محبت کرنے کے لیے جو اس نے پہلے بھی نہیں کی۔ اور پھر میں اس کی زندگی سے نکل جاؤں گا پھر وہ تمہارے جیسے ہی اس خیالی کا لازمہ صرف اور صرف اپنے آپ کو دے گی۔ مجھے کوئی مورد الزام نہیں ٹھہرانے گا۔ پھر میں یہ ہر میں نے انکیم پر غور کیا کہ کیا میں اس کے لیے پھول سے گیا۔"

"ایک عمدہ آغاز۔"

"اس نے پوچھا کہ کس لیے؟ اور میں نے کہا: کوئی وجہ نہیں، صرف تمہارے لیے۔ اور جانتے ہو میری اس نے کہا: "کیا؟"

"میں تم کا ہوں۔"

"اس نے وہ شروع کر دیا۔"

"میں تو میں کون کا کہہ رہا تھا، بہت عمدہ آواز تھا۔"

"ہاں۔ لیکن میں اسے کسی قسم کے شہدے میں نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسے پہلے میں دن تک انتظار کیا۔"

"اور وہ اس کے ساتھ ساتھ آیا؟"

"میں اسے کھانا کھانے کے لیے مشہور رہا۔ لیکن ریٹورٹ نے اسے ایسا ہی سمجھا لیا۔"

"اس کا کیا نتیجہ ہوا؟"

"بیراٹل نے دیکھا کہ میں اسے روک کر اس کے ساتھ ساتھ گیا۔ ہم نے وہاں کی دو ٹیمیں مل کر لیں۔ اسی بنا پر ہم وہاں جانے کے لیے مجھے ٹیکس منگوانی پڑی کیونکہ ہم دونوں سے کوئی بھی ادا نہیں کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔"

"مگر اسے بیراٹل نے کہا۔"

"اور اسے شب جب ہم گھر واپس پہنچے تو میں نے کہا: میں وہاں تک نہیں لے گیا۔ تم سمجھ رہے ہو کہ میرا مطلب ہے۔ میں اس سے اپنے ہاروں میں تھا۔ وہاں کہہ کر میری زندگی ہو گئی۔"

"کیا اسے کسی قسم کا کوئی شہدہ ہوا؟"

"نہیں۔ بیراٹل نے جواب دیا۔"

"اور تب پھر تم نے کیا کیا؟"

"میں نے اس کے دوڑ اپنے گولڈنگ مہر میں سے ہر ایک گولڈ کھینچنے کے بجائے میں نے ہر میں سے کوئی ایک ڈی۔"

"تم نے اپنا گولڈ کا ٹیم نہیں کر دیا؟"

بیراٹل نے کہا۔
"ہاں۔ اس کے بجائے میں مارے سے ساتھ ساتھ پانچ کر کے مال چاہتا تھا۔ میں نے شادی کی ساگر کے لیے اسے ایئر ٹیکس کا خرچہ کیا۔"

"تب وہ تمہارے شہدہ ہو گیا ہوگا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔"

بیراٹل نے کہا: "بیراٹل نے پوچھا۔"

"میں نے یہ نہیں کیا۔ لیکن اس نے جو حرکت کی اس پر میں نے یہ حرکت کر دہر گیا۔"

"وہ کیا حرکت تھی؟"

"اس رات جب وہ سونے کے لیے اپنے پرانی تو اس نے شب غمابی کا وہ لباس پہنا ہوا تھا جو اس نے ہماری شادی کی رات پہنا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کچھ دھڑلے اور خوب ناک و جمل میں وہ ایک ایسی ہی لگ رہی تھی جیسی

"میں نے شادی کی پہلی رات وہ حسین لگ رہی تھی۔"

"میں نے ایک خوبصورت عورت دیکھی ہے۔"

"میں نے اسے پہلے میں کہا۔"

"ہاں۔ اگلے روز صبح میں نے اس کے لیے اسی طرح کا لباس پہنا۔ وہ پسند کرتی ہے۔ پھر میں نے کافی کامپ

لے کر اس کے ساتھ ساتھ گیا۔ وہ اس سے زیادہ کرتے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہم یہی پرانی فیس ہاتھیں کرتے رہے تھے کہ

"کونسا ہو گیا۔"

"اور تمہارے صبح کے گولڈ کا کیا ہوا؟"

"میں نے وہاں پہنچا کر اسے دیکھا۔ میرے گولڈنگ مہر میں

ایک کچھ سے بات بھی نہیں کر رہا تھا اور اس نے کہا: "اور میرا؟"

"اے اب ہم ہر رات اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جب

اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، سب کچھ اس کے ساتھ ساتھ جاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اپنے گولڈنگ مہر میں ایک دوسرے کا ہاتھ

دھرتے ہیں۔" "میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"اور اسے جاری رکھتے ہوئے ہوا۔" "اور مجھے کے

ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"میں نے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہوئے کہا۔"

"بیراٹل، مجھے یقین کامل ہے۔"

"تم اس بار سے نہیں یقین سے کہہ سکتے ہو؟"

بیراٹل نے چہرہ ہلکا کر کے کہا: "میں نے اس وقت مجھ سے اتنی رات ہے اور یہ صرف الفاظ

نہیں ہیں۔ وہاں کے محسوس کرتی ہے اور مجھے بھی اس محبت کا

احساس ہوتا ہے۔ اس بار سے میں کسی قسم کے شہدے کی گنجائش

نہیں ہے۔ اب وہ حقیقت میں مجھ سے زیادہ کرتی ہے۔"

"اسے منسوب کیا کر رہا ہے؟"

"مکمل طور پر۔ جس طرح تم نے کہا تھا کہ اس طرح

پر فیکٹ رہا۔"

"اور کئی رات کی پارٹی میں میرے کا جام صحت تجویز

کرنے کے لیے تم پر ہی طرح تیار ہوا؟"

"ہاں۔"

"تم کیا کہہ گئے؟"

بیراٹل نے اپنے گھری دوست کی جانب دیکھا اور اس

کی آنکھیں پھرا گئیں۔

"میں کہوں گا کہ میں میرے سے کتنا پیار کرتا ہوں اس کا

اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔"

بیراٹل نے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ حیرت سے

اپنے دوست کا منہ دیکھنے لگا۔

"تمہارے خیال میں، میں اور کیا کہوں گا؟" بیراٹل

نے اپنے اسلوب بولنے سے کہا۔

بیراٹل نے اس کے ہاتھ سے اس کے گھر والے کو تھما دیا۔

ایک اور چاند لٹو پھر دیکھ میں سے نکال کر چیراٹل کو تھما دیا۔

"جانتے ہو مجھے اس بات کی اتنی خوشی نہیں ہوتی تھی

جب تم وہاں پہنچے تھے بیراٹل؟"

"نہیں۔"

"اس لیے کہ میں جانتا تھا کہ مجھے ایسے دوست کی

ضرورت ہوگی جس پر میں اعتماد کر سکوں، جو مجھ سے زیادہ کچھ دار

اور ذی فہم ہو اور جب مجھے اچھائی ہوگی ضرورت پڑے تو وہ دل

دہان سے حاضر ہو۔" یہ کہتے ہوئے چیراٹل نے آواز بھر لی۔

بیراٹل خاموش کھڑا اپنے دوست کی باتیں سن رہا تھا۔

بیراٹل نے بیراٹل کا دیا ہوا الفاظ سمجھا اور اس میں موجود

علاقے کے حالات اس کے لیے اور پروردہ کر کے روٹی کی

فوسری میں بیٹھ گیا۔

تب بیراٹل نے آگے بڑھ کر اپنے گھری دوست کو اپنے

سے چاہا اور دونوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔

۶۸۶

شوب صورت وگل رنگ جیڑوں کے گندھی ایک تیز رفتاری کہانی

قسمت کے بیہوش میں الجھے ایک نوجوان کی کچھار حالات اور واقعات کا بیان اسے دیارِ خیال کیا جہاں وہ اتاری تھا مگر خود کو کسی کھلاڑی سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ ایسا کھلاڑی جسے کسی پیمانہ پر شکست نہیں دی چاسکتی تھی۔ اس کا اتاری پن اسے کھلاڑیوں کے مقابل کامیابی دلاتا رہا۔ اس پر دس دس آگیا تھا جہاں کی پنگامہ خیریاں اس کا دل لپیٹتی تھیں مگر دوسری طرف دس دس میں اس کی لاٹری کھل گئی، ایسی لاٹری کہ جس کے بعد اسے لوٹنا تھا۔ اتاری سے کھلاڑی بننے کے بعد... وہ لوٹا... تو پنگامے اور شراوتوں اس کے ساتھ تھیں۔ قدم قدم پر آتے اور لمحہ لمحہ فریبوں سے لبریز اس اتاری کی کہانی جس کا دل دو حصوں میں منقسم تھا۔

دو جہاز کے قتل اور حالات کی عکاس ایک داستان رنگ پر رنگ

فیصلہ نمبر 04

اتاری



”سوال یہ ہے کہ وہ یہاں کیوں آئی تھی؟“ میں نے کہا۔

”یہ سوال تو نے بہت دن بعد اٹھایا کیا اسے دن سے اٹھ نہیں رہا تھا؟“ راجا نے کہا۔

”بھئی تم لوگ بھول کر رہے ہو، میں اپنا حال چاروں ہوں اور شرم و رنج و درد اسے سے بھانک کر رہا ہوں۔“

”شہناز نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔“

”غصہ و میں بھی جاتی ہوں۔“ نور نے کہا اور وہ بھی اٹھ گئی۔ شہناز پہلے ہی اٹھ چکی تھی۔ وہ تینوں خرابیاں خرابیاں وہاں سے چلی گئیں۔

”ان کے جانے کے بعد میں نے کہا۔“ اور اس بچی کو میں نے جڑی میں بلایا ہے۔“

”کیوں، پیسے یہاں لنگوں کی کمی ہے جو تو نے ایک اور بنائی۔ ویسے وہ اتنی خوبصورت تو نہیں ہے کہ۔۔۔۔۔“

”لو کے پیسے انہیں اس کر کے کا تو میں بھائی بھائیوں گا۔“ میں نے ہنسا کر کہا۔

”اچھا بھائی مت ہو فیکے پتر۔“ راجا فیس کر بولا۔

”میرے ایک دوست کے پاس بہت اعلیٰ نسل کا کتا تھا۔ اس کی دھڑپوں پر جاتا تو وہ بچی بہت بری طرح غرائز تھا۔“

”تو اس وقت سنجیدہ نہیں ہے۔“ میں نے جڑی سے کہا اور اٹھ کر کھڑ ہو گیا۔

”تجھے بتا ہے، سڑک بنانے والے فیکے دار نے کام کرنے سے انکار کیوں کیا؟“

”بھئی تو میں تجھ سے پوچھ رہا تھا۔“ میں نے کہا۔

”اس نے تو بھئی کوئیں کون پر صرل استیانتا ہے کہ اس کی بیوی کی طبیعت خراب ہے۔“ راجا نے کہا۔ ”لیکن کسی کی طبیعت خراب ہوئے پر یہ لوگس ہوتا کہ کام کرنے ہی سے انکار کر دیا جائے۔ بیوی کی طبیعت خراب ہے تو وہ چاروں میں یا ایک آدمی فیکے میں ٹھیک بھی ہو سکتی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ۔۔۔۔۔“

”ہاں فیکے پتر اس کا بھی مطلب ہے کہ وہ اپنے سے ذرا دھکا کر اور غول پاک شاک کی دھمکیاں دے کر کام کرنے سے روکا ہے۔“

”راہ کیا کہتا ہے پوری دنیا میں صرف وہی ایک فیکے دار تھا؟“ میں نے کہا۔

”کوئی دوسرا آئے گا وہ بھی جی کرے گا فیکے پتر۔“

”راہ! اسے بھی ذرا دھکا کر یہاں سے ہٹا دے گا۔ اگر تجھے میری بات پر کچھ قلب ہے تو آؤ مار کر دے۔“

”میری بات دل کو گنتی ہے لیکن میں اس کی تعبیر ضرور کروں گا۔ میں آج ہی فیکے سے بچتا ہوں کہ وہ کسی دوسرے آدمی سے بات کرے۔ سڑک تو میں ہر قیمت پر بنائے گا۔“

”نواب صاحب!“ ناصر نے بھلی دلچسپان کھولی۔

”مجھے اب اہمیت دیں۔ مجھے پٹری میں دو تین ضروری کام ہیں پھر آج ہی مجھے لاہور بھی جانا ہے۔“

”تم میری گاڑی تو پھر درگ شاپ میں ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم میری کوئی گاڑی لے سکتے۔“

”شکر۔ نواب صاحب!“ ناصر نے کہا۔ ”میں کوئی نہ کوئی بندہ دست کر لوں گا۔“

”کہا پھر سوز سائیکل پر سفر کرو گے؟“ میں نے کہا۔

”میری گاڑی لے جاؤ۔ جب تک تمہاری گاڑی درگ شاپ میں ہے اس وقت تک میری گاڑی استعمال کرو۔“ پھر میں کچھ سوچ کر بولا۔ ”ہاں، تم شاکر کے بارے میں کچھ بتا دے تجھے؟“

”میں نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ لاہور کا سکہ بند بد معاش ہے۔ پہلے وہ معمولی جراثیم کرتا تھا، پھر وہ اس کے لیے کام کرنے لگا۔ اب تو بہت بڑا بد معاش ہے۔ پولیس بھی اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ٹھہرتی ہے کیونکہ ایک دوسروں پر زبردلی اور اعلیٰ سول افسران سے اس کے تعلقات ہیں۔ اس کی اور تمام قلم کی ستائشیں اور انوار نے اس کی ستائشیں اور باتوں میں غوث ہے لیکن پولیس کو آج تک کوئی ٹھوس ثبوت لا ہے نہ گواہ۔ وہ آج بھی دھماکا پھرو رہا ہے۔ وہ اس وقت لاہور کا دایاں ہاتھ ہے۔“

”اور تم نے تو اس کا بھی خاصی فکر کر لیا۔“ میں نے کہا۔

”ابھی ایک گھنٹہ پہلے اس کا فون آیا تھا۔“

”مجھے راجا نے بتایا تھا۔“ ناصر نے کہا۔ ”شاکر آپ سے ملنا چاہتا ہے لیکن مجھے تو یہ بھی کوئی سازش ہی لگتی ہے، بھلا شاکر کو آپ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟“

”میں کوئی شاکر سے مل رہا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”ذرا دھکا مجھے بالکل ہی ادا کرنا پڑتا ہے کہ میں اس کے بچھانے کے لیے جاؤں گا۔“

”ویسے اب تک ہوتا تو یہی آیا ہے فیکے پتر۔“ راجا نے خطرہ لے لیا۔

”تو پھر اب بھی یہی ہوگا!“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”میں اس شاکر سے ضرور ملوں گا۔“

”راجا نے ہنک کر مجھے دیکھا۔ ”میری طبیعت تو ٹھیک

”اس نے مجھے کھوئے ہوئے کہا۔“ تو جان بوجھ کر اس کے دل میں پھنسا پھنسا ہے۔“

”تو آئے والا وقت بنائے گا مہاراجا کہ کون کس کے ہاں میں پھنسا ہے۔ تو شاید بھول گیا کہ میں نے اپنے ان دلچسپ اور کیپٹن وشمیوں کے لیے اپنی شرافت کو ہلانے حلقہ کے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”لیکن وہ طاق اتنا اونچا نہ ہو کہ پھر شرافت میری پہنچے۔“

”راجا اس کر بولا۔“ ویسے کیا کرے گا؟“

”اس کا ایک سنگ گنگ کرے گا یا بد روٹی کرے گا؟“

”راجا نے چیخے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”میں اپنے دشمنوں کے اس جھگڑے کو یاد کو تباہ کر دوں گا۔ میں بھی ان کے خلاف اس طرح کی سازشیں کروں گا۔“

”اب وہ جسے جھگڑے استعمال کروں گا جو آج تک وہ میرے خلاف کرتے آئے ہیں۔“ راجا نے صاحب! اگر کوئی شریف آدمی بد معاش پر مارا تو وہ جانتے تو اس سے بڑا کوئی بد معاش نہیں ہوگا۔“

”تو پھر تو اپنے ام کے ساتھ بھائی بھی لگا لے۔“

”راجا نے اندر روٹ کر ان پہلے دارا کہلاتے تھے، نواب بھائی کے لیے کہا۔“ راجا فیس کر بولا۔

”اسے ملحق مت سمجھو راجا!“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں اب ایسٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔ تو بھی اچھی طرح سوچ لے۔ اس راستے پر میرا ساتھ دے سکے گا یا نہیں۔“

”تو اس کی تو فیصلہ باروں کا“ راجا نے ہنسا کر کہا۔

”میں اب تک حیران سا نہیں دے رہا تو کیا کر رہا ہوں؟“

”میری خاطر میں نے اپنا پورا کیرئیر ڈاکو پر لگا دیا، تیری طرف آنے والی ہر مصیبت کے سامنے دلیق بن کر کھڑا ہو گیا اور تو کہہ رہا ہے کہ۔۔۔۔۔“ راجا اپنا ننگ چنڈائی ہو گیا۔ ”اچھا صلہ دیا ہے تو نے واقعی کا!“ راجا کی آنکھوں سے آنسو نکلے تو میں ہنک گیا۔

”اور ہو مہاراجا! تو تو واقعی بڑا مان گیا۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا، میں تو صرف یہ۔۔۔۔۔“

”بس کر فیکے!“ راجا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ ”آج مجھے اپنی اوقات کا علم ہو گیا۔“

”اب زیادہ کچھ کرے گا تو پتہ جائے گا میرے ہاتھ سے۔“ میں نے جھٹک کر کہا۔ ”تو کیا سمجھتا ہے میں تیرے بغیر رہ سکتا ہوں؟“ میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ ”تو نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں۔۔۔۔۔“

”بہن! لیکے! آئندہ ملحق میں بھی ایسی دل آزاری والی بات مت کر رہے۔“ پھر وہ مسکرا کر بولا۔ ”اب جبکہ تو نے شرافت کو ہلانے حلقہ کے لیے ہے تو اس ننگ ننگ کی باتا اپنے گھر سے کر۔“

”میرا شکوہ راجہ کی طرف ہے؟“ میں نے کہا۔

”راجا تو تو اچھا غاصہ خون ہے۔“ راجا کا لہجہ مٹھریہ تھا۔ ”اشاروں کی بات بھی کچھ جانتا ہے۔“

”مت بھول کہنا سچائی اتنی اس وقت نواب راجہ اور شہناز کی آف مت بد معاشی سے متاثر ہے۔ جو اپنی ہم اور راجہ میں لگتا ہے۔“

”جو کچھ ننگ سڑکوں پر جوتاں چٹکتے پھرتے تھے، جو لہجہ میں اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے بانگ لگ کر گزارہ کرتے تھے۔“

”کروں نہ چھوٹی اور سچی بات!“ میں نے کہا۔ ”تم جیسے لکھ کے مزدور اور کرکھی کیا سکتے ہیں سوائے ان گھنیا باتوں کے؟“ میں نے معنوی افسردگی سے کہا۔

”ذریں اس وقت سے نواب شہناز کی صاحب! جب میں ہاتھوں کے ہاتھ گھنیا باتوں کو استعمال کروں۔“ راجا نے منہ بنا کر کہا اور میری طرف بڑا جھپٹے واقعی اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہو۔

”ایک منٹ!“ میں نے اسے روک دیا۔ ”میں فیکے سے کہوں گا کہ وہ بھگوانہ کھلوانے کی آخری کوشش کر لے۔ اگر وہ منہ سے کچھ پھوٹ دیتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا قصہ تو تمام ہی سمجھو۔ وہ اس سے خالے سے اب نہ کہہ سکتا ہے۔“

”ویسے مجھے یقین ہے کہ چھپکوں کے خوف سے وہ اپنی زبان کھول دے گی۔“

”وہ زبان کھولے یا نہ کھولے، ہر دو صورتوں میں اب موت اس کا مقدر ہے ورنہ میں نے اسے بے شمار مواقع دیے کہ ممکن ہے وہ مدد دے لیکن وہ تو مزید بگڑتی۔“

”راجا! چانگ چنک کر بولا۔“ تو اس بچی کے بارے میں کیا بتاؤں گا، کہاں ہے وہ؟“

”وہ عوبلی کے ایک گھر سے میں بند ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں نے ان گھوڑوں سے اس کے بارے میں پوچھ نہیں تو نے معطل کر دیا تھا اور جو اس بچی سے نکل نڈر ہو گئے تھے۔“ راجا نے کہا۔

”میں نے وہ دم کو آواز دے کر کہا کہ بھئی کو یہاں بھیج

اسے۔ ہم لوگ وہاں سے اٹھ کر برآمدے میں آ گئے۔
 فوراً ہی فنی بھی وہاں آ گیا۔ دھڑکنے والی کی گھڑی
 دیکھتے ہوئے کہا۔ "نواب صاحب! میں اب اجازت
 چاہوں گا۔"
 "ہاں، جہیں تو ابھی پڑی جا رہا ہے۔" پھر میں نے فنی
 سے کہا۔ "گھبراہٹ میں سے نامرصاب کو آف دھات کرو لا
 نکال دو اور ان کا روز کو بھی یہاں بھیج دینا جنہیں میں نے
 سٹبل کر دیا تھا۔"
 "اؤ کے سر!" فنی نے کہا اور دھڑکنے کے ساتھ وہاں سے
 چلا۔

ڈاکٹر شہناز برآمدے میں داخل ہوئی اور بولی۔
 "نواب صاحب! اگر آپ کو راحت نہ آ تو میں آپ کی ہڈی
 بدل دوں؟"
 "راحت تو ضرور ہوگی لیکن اب ہم تم جیسی حسین اور
 خوبصورت لڑکی کا دل بھی تو نہیں توڑ سکتے۔" میں نے اٹھتے
 ہوئے کہا۔

میں نے کافی دن بعد اسپتال کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں کا
 تو بخیر ہی بدل گیا تھا۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے واقعی اسے ایک
 اچھا اور جدید اسپتال بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ وہاں
 ایم ایس آفس تھا، مختلف ڈاکٹروں کے دوم تھے، گواہی وہاں
 ڈاکٹر نہیں تھے لیکن کمرے بہر حال موجود تھے۔ اوپن ای
 کے لیے ایک وسیع دھڑکیاں والی تھا جو ابھی زیر تعمیر تھا۔ جدید
 ترین آپریشن تھیٹر تھا اور ماڈرن قسم کی لیب تھی لیکن ابھی اس
 کا ساز و سامان مکمل نہیں تھا۔ غرض ست بد حالی کا وہ اسپتال
 کسی بھی طرح کسی جڑ سے اور جدید اسپتال سے کم نظر نہیں آ رہا
 تھا۔

بٹی بدلتے ہوئے شہناز نے کہا۔ "تمہارا دھم بہت
 بھڑکی سے بھڑکیا ہے، جو تو ڈاکٹر بہت جانتی ہے، وہ بھی دو ایک
 دن میں بھر جائے گا۔ ابھی زیادہ اگلے کورڈ اور بھگدور
 مت کرو۔"

"ہوم ورک پوری توجہ سے کرنا، اسکول میں بھجرو کہ
 پریکٹس مت کرو۔"

"میں تم شروع ہو گئے۔" شہناز نے مزید کہا۔

"تم ہدایات ہی نہیں دے رہی تھیں جیسے کوئی۔"

اپنے شرارتی بچے کو دیتی ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

نواب صاحب! "شہناز نے طعنے بھجے۔

"آپ کو یہ خوش کنیوں ہے کہ آپ بڑے ہو گئے ہیں۔"

"اس کا جواب میں تمہیں بڑے کے بعد دوں گا۔"

کہہ کر میں اسپتال سے باہر نکل آیا۔

برآمدے میں وہ چاروں گاؤں موجود تھے جنہیں
 نے سٹبل کیا تھا۔ وہ چاروں برآمدے کے ایک سرے پر
 بت سے کھڑے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو
 "نریر اوجھاؤ۔"

نریر سہارا سا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
 "تم نے اس پاگل عورت کو یہاں سے پہلے کب
 کہاں دیکھا تھا؟"

"میں نے ہنگل دھندلے سے حویلی کے باہر دیکھا تھا۔
 نریر نے مجھ سے نظریں اٹھائے ہوئے کہا۔
 "دھات؟" میں دھڑکا۔ "تم نے تو کہا تھا کہ۔۔۔"
 اس بچی کو جانتے ہو؟"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ اللہ لوک ہے۔"
 اور۔۔۔"
 "سٹ اپ!" میں نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔
 "تم نے محض اس لیے اسے اندر آنے دیا کہ تمہارے خیال
 میں وہ اللہ لوک ہے؟"

میں نے دوسرے گاؤں کو بلایا۔ "تم بتاؤ قرآن احمد
 تم اس بچی کو کب سے جانتے ہو؟"
 "میں نے اسے تنگ دیکھا تھا نواب صاحب!۔۔۔"
 سر جھکا کر بولا۔

بقیہ دو گاؤں کا بیان بھی یہی تھا کہ انہیں وہ بچی نہیں
 دفعہ حویلی کے گیٹ پر نظر آئی تھی، دوسری مرتبہ سٹبل بد حالی
 کی حد سے باہر ایک کھنے بیڑ کی چھوٹی سی کھلی تھی اور
 لوگ اس سے اپنی عرویں مانگ رہے تھے۔

"گیت لاسٹ!" میں نے اسے بری طرح جھڑک
 دیا۔ پھر پانچواں گاؤں میں چلا۔ "فنی!"
 فنی شاید کھینچا ہوا تھا، وہ ہانپتا ہوا آیا۔

"میں سہرا۔"
 "تم نے اس قسم کے سکیورٹی گاؤں رکھے ہوئے
 ہیں۔ یہ گاؤں یا کسی سڑک کے کنارے؟ اگر یہ ای طرح ہیں
 تو ان کی سرانجام دیتے رہے تو ایک دن یہاں میرا سہرا بن
 جائے گا۔ ان سے پوچھو، انہوں نے کیا سوچ کر اس بچی کو
 اندر رکھ دیا۔"

"پارہیکے ای تو کن ہکروں میں الجھ گیا؟" راہانے من
 بنا کر کہا۔ "ہمارے لیے پہلے ہی کیا کم پر چٹا ہوا ہے جو
 ایک فنی پریشانی مول لینے کے بکریں ہے۔"
 "مجھے صرف یہ پڑتا ہے کہ وہ خاص طور پر یہاں

211

PURE
HERBS
Export Quality

TM
Seven Herbal

یہی تو ہے اس کا اصل نام

ان ایک دہائی ہوٹ ہے جہاں
 واپس لوگوں پر پھیلا ہے۔ روپ
 گمارنے میں اس کی اہمیت ہے اس کا
 گناہ کیا ہو سکتا۔ ہمارے وقتوں میں
 ہمارے عرصے کی خصوصیت یہ ہے کہ
 ان کرشمہ خیز ہونے والی چیزیں ہر
 جگہ ہوتی ہیں۔ ہمارے عرصے میں
 اس کا ہونا ایک عرصہ ہے۔
 اس کا ہونا ایک عرصہ ہے۔
 اس کا ہونا ایک عرصہ ہے۔
 اس کا ہونا ایک عرصہ ہے۔

2002 میں Seven Herbal نے اس
 کو اپنا سرکاری ایجنسی کو چھوڑنے کی
 بجائے اس کے ساتھ ساتھ
 اس کا اپنا اور بھی بہت سے کام
 کو اپنی اپنی اس کے ساتھ ساتھ
 اس کا اپنا اور بھی بہت سے کام
 کو اپنی اپنی اس کے ساتھ ساتھ
 اس کا اپنا اور بھی بہت سے کام



15 منٹ لگائیں چہرہ جگمگائیں

A Product Of
C.P.H.L
Nigella, Seed, Politas
cphl@chhapak.com.pk
www.cphl.com.pk

کیوں آئی تھی؟" میں نے کہا۔ "وہ بچی ہے تو کیا نہیں بھی کس جاسے گی۔"

"ہاں تو پریشانی کی ہے نیکے ہزارا" راجا نے کہا۔ "لیکن اس میں سارا قصور میرے گارڈز کا ہے۔ کوئی بھی پاگل۔ ایب اوٹل یا بکڈوب ایوان صدر یا اسکی ہاں میں کس نہ لکھائے۔ واس کا سیکورٹی اسٹاف بھی پاکستانی ہے۔"

"تو ٹھیک کہہ رہا ہے راجا" میں نے فکر مندی سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہاں کا سیکورٹی حکم لول پروٹ نہیں ہے۔ میں آج ہی صوبیدار میر صاحب اور مئی سے بات کرتا ہوں۔" پھر میں اٹھتے ہوئے بولا۔ "اب ایک نظر اس بچی کو بھی دیکھیں۔"

میں نے سرور کو دہرایا اور اس سے پوچھا۔ "تم نے اس بچی کو کہاں رکھا ہے؟"

"وہ حویلی کے پیچھے والے ایک کمرے میں ہے۔"

سرور نے جواب دیا۔

اس کمرے میں بیٹھے تو بچی آئی پائی۔ وہ سے فریل پر فنی تھی اور غلام میں گھور رہی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" راجا نے پوچھا۔

"میرا نام ہے سیکل، میں ہوں بلن آئیں۔ بل آئی میں اکیلی بیٹھ رہی۔" بچی نے تان لگائی۔

"تم حویلی میں کیا بیٹھے آئی تھیں؟" میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میرے آگے ایک اور بچی حویلی، غلام میں بیٹھا چلا آیا۔"

بچی نے پھر ایک کر کہا۔

"سیدھی طرح بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پتا کر پوچھا۔ "میرے میں نہیں جانتی کے حوالے کروں گا۔"

"اے کیے میں بتاؤں گی۔" بچی نے مل کر کہا۔

"اسے لوگوں کے سامنے نہیں بتاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے، ہم اب ہر چلے جاتے ہیں۔" راجا نے کہا اور سرور کو لے کر ہر گھل گیا۔

"کون تمہاری جان لٹا چاہتا ہے؟" میں نے پوچھا اور کیوں؟

"راجا زویب! بچی نے دوسرا دم کا تلو۔"

"راجا زویب کی تم سے کیا دشمنی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ انتہائی تھک چکا ہے اور غلام آدمی ہے نواب صاحب۔"

"یہ بات تو ایک رات چار ہے۔" میں نے کہا۔ "تم سے اسے کیا دشمنی ہے؟"

"میں پنڈت کی پورا کے ماسٹر سعید الدین کی بیٹی بشری ہوں۔" اس نے کہا۔ "میں چورہ رانا زویب کی جاگیر میں ٹھاکر ہے۔ میں نے میٹرک تو دیدی ہے کیا تھا، پھر اہلی نے مجھے جہلم کے ایک کالج میں ایڈمشن دلایا۔ کالج آتے جاتے مجھے رانا زویب نے دیکھا تو وہ میرے پیچھے پڑ گیا۔

اس نے اہلی سے کہا کہ میں بشری سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اہلی جانتے تھے کہ یہ صرف رانا کی ہوس ہے۔ جب اس کا دل بھر جائے گا وہ مجھے استیصال شدہ پڑے کی طرح اٹھا کر چھینک دے گا۔ اہلی موقع پا کر گاؤں سے لٹک

جھاگے۔ پنڈت کے ایک گاؤں میں ان کے بہت پرانے دوست چچا غلام رسول رچے تھے۔ وہ مجھے اور میری بہن بیٹوں کو لے کر سیدھے پنڈت کی چچا چچا غلام رسول نے

اہلی بہت مدد کی۔ اہلی نے اسی گاؤں میں کرایہ کی بھول سی ایک دکان کھولی اور زندگی کی کال لگائی۔ رانا کو نہ جانے کیسے علم ہو گیا کہ اہلی خانہ دار ہیں گاؤں میں ہے۔

ایک رات اس کے آدمیوں نے اہلی کے گھر پر دھاوا بول دیا۔ انہوں نے مجھے اور مجھے سے بھولی دکان کو اٹھانے کے بعد گھر کو آگ لگا دی۔ میں اہلی، اہلی اور میری دو بہنیں بھل کر بھاگ آئیں۔ بشری زار و قطار رونے لگی۔

"میری آنکھوں کے سامنے میرے گھر والے زندہ ہیں گئے نواب صاحب! اسی وقت میں نے قسم کھالی کہ اگر میں زندہ رہی تو اس رانا کو اپنے ہاتھ سے ماروں گی۔ اس کے آدمی

مجھے مارنے کی حویلی میں لے گئے۔ رات نے میری آنکھوں کے سامنے میری چھوٹی بہن کی عزت کو پا مار کر دیا۔ اس معصومی قلب شکاف چھینک کر میں ہوش و حواس کھو گئی۔ مجھے دربارہ

ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ میں صدمے سے پاگل ہو گئی تھی۔ مجھ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ رانا نے میرا دامن سمجھتے ہی تار تار کر دیا ہے۔ مجھ پر ایک لٹخ پھر جنون سوار ہوا اور میں نے حویلی میں توڑ پھوڑ مچائی اور رانا کے غلامین کو زخمی کر دیا۔

میں نے مجھے رہیوں سے باندھ دیا۔ میں باقی تھی کہ رانا کی زندگی نہیں چھوڑے گا اس لیے میں پاگل پن کی کاری کرتی رہی۔ پہلے تو حویلی کے ملازمین مجھے باندھ کر لٹے تھے، پھر جب انہوں نے دیکھا کہ میں کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہی ہوں تو انہوں نے مجھے باندھنا چھوڑ دیا۔ میں

کئی کئی بار حویلی میں گھومتی رہتی تھی۔ اسی زمانے میں رانا کی زبان سے آپ کا نام سنا۔ وہ آپ کی طرف سے بہت پریشان تھا۔ پھر میں نے حویلی میں ایک لڑکی کو آتے جاتے

دیکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نواب صاحب کی بہن ہے اور رانا اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے ایئر پورٹ سے آپ کو اٹھا کر لایا تھا۔ پھر میں نے رانا کو اس کے گھر کو

نائب ہو گئی۔ رانا دن رات میرے ساتھ تھا اور آپ کو راجا کو اور آپ کی پوری کنبہ کو اٹھا کر لایا تھا۔ کو لیاں دے رہا تھا۔ ہے اعتبار میرا توجہ نہیں کی۔ پھر میں نے رانا کو ہار پٹنے لگی اور پاگل پن کی طرح مجھے لے کر گیا کہ رانا کو شہر نہ ہو جائے۔ میں دو

احوال میں تھک چکی تھی۔ رانا کی حویلی میں پہنچتی رہی۔ میں سوتے کی تلاش میں تھی کہ میں رانا کو لے کر سکوں۔ وہ حرام

رانا کو ایک بار رانا کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ جب رات کو کے دروازے پر موجود ہوتا تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے تو شاید

زندگی بھر رانا کو لے کر گئے گا۔ اسے کوئی ایسا آدمی مار سکتا تھا جو اس کی طرح طاقت ور اور لٹخ دوسال کا

بازگ ہو۔ میں ایک دن حویلی سے باہر نکل گئی۔ میں نے وہ دن حویلی سے باہر نہیں اسی گاؤں میں گزارا۔ میں یہ دیکھنا

چاہتی تھی کہ حویلی سے نکلنے پر رانا کے آدمیوں کا کیا رویہ ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی نے مجھ پر توجہ نہ دی۔ لوگ مجھے

بچھڑا دیا اور اللہ والی کچھ کمرے گھرا کھٹے ہو گئے۔ اس کی رات سے میں باہر رہی پھر رہی ہوں۔ کبھی کبھی حصار پر بھی کسی پارک میں دوکان کے کسی چوڑے پر یا کسی کے گھر پر

میں۔ اس بھر دے میں کم سے کم میری عزت محفوظ ہے۔ میں نے ایک دن پہلے بھی آپ تک پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ

کے سیکورٹی گارڈ نے مجھے آپ تک پہنچنے ہی نہ دیا۔ وہی گارڈ آپ کا ذمہ دہ بھی ہے۔"

میں کچھ گھبرا کر کہنے کے بارے میں بات کر رہی ہے۔

"پچھلی دفعہ میں یہاں آئی تو گارڈ نے مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن زیادہ دیر سے بیٹھ نہیں آئے اور میں حویلی میں

آگئی۔ مجھے آپ سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ آپ شاید

کبھی جا رہے تھے۔ آپ نے مجھے نہیں کے حوالے

کر دیا میں تھا نے۔ اب رانا کو ایک درخت کے سائے میں بیٹھ

گئی۔ آپ وہاں بیٹھ کر حویلی آئے تو میں بھی چلی آئی۔ وہ

پہلے لے کر گیا تھا۔

میں نے اہلی کی بگیاں بھر کے اسے دیا اور اس سے

پوچھا۔ "تم نے حویلی میں کسی دلاور کو بھی دیکھا ہے؟"

وہ فوراً ہی پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "دلاور... ایسا نام

مجھے کبھی نہ ہوا تو گھر رہا ہے۔ ہاں، میں نے رات کے منہ

سے اکثر دلاور کا منہ سنا تھا۔"

"بچی اسے حویلی میں نہیں دیکھا؟" میں نے پوچھا۔

"راجا کے پاس اکثر اس کا ایک آدمی شاکر آتا تھا۔"

بشری نے جواب دیا۔

"اب رانا مجھ سے کیا چاہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ آپ کو جین سے نہیں بیٹھنے دے گا نواب صاحب! چورہ رانا سلطان کاٹل کی اس نے آپ کے سر منہ سے کی کوشش

کی تھی، اسی نے راجا کے ساتھ مل کر آپ کو مارنے کی کوشش کی۔ اگر اس دن راجا کو نہ لے جاتی تو رانا آپ کو قتل کر چکا ہوتا۔"

"موت زندگی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے بشری؟" میں

نے کہا۔ "جب تک میرا وقت پورا نہیں ہوگا، ایک رانا کو کچھ

روئے زمین کی کوئی بھی طاقت مجھے نہیں مار سکتی۔"

"لیکن وہ آپ کو پریٹل میں بیٹھا تو کبھی مکتا ہے۔"

وہ جانتا ہے کہ آپ میرا گریبا تو ست بد حال چھوڑ دیں یا

”آؤ کھا کھا لؤ“ میں نے کہا۔

”میں کھانا کھا چکی ہوں۔“ بشری نے میز پر رکھے ہوئے خالی برتنوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”کچھ دیر پہلے آپ ہی نے تو کھانا بھجوا دیا تھا۔“

”آؤ، میں تمہیں اپنی پیگم سے ملواؤں، حویلی کے دوسرے نوکوں سے ملواؤں۔“

اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”چلے۔“

اسے دیکھ کر میری طرح راجا بھی حیرت زدہ رہ گیا لیکن اس نے اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

میں اس کے ساتھ برآمدے ہی میں بیٹھ گیا۔ راجا نے آہستہ سے پوچھا۔ ”بشری بی بی! کچھ امداد ہے کہ وہاں آئندہ ہمارے خلاف کسی قسم کے اقدامات کر سکتا ہے؟“

”وہ ہر قیمت پر نواب صاحب کو ایکشن میں حصہ لینے سے روکے گا۔“ بشری نے کہا۔

”تم دلاؤر کے بارے میں کیا جانتی ہو؟“ راجا نے پوچھا۔

”میں نے نواب صاحب کو بھی بتایا تھا کہ میں نے صرف دلاؤر کا مسنا ہے رانا سے، یہی اسے دیکھا نہیں۔ اس کے بیانات یا تو رانا تک فون کے ذریعے پہنچتے تھے یا پھر دروازہ پر ایک آدمی شاگردان کے پاس آیا کرتا تھا۔“

”اچھا، تم اب آرام کرو۔“ میں نے کہا۔ ”مجھے بہت جلدی تھی نظر آ رہی تھی۔“

”یہ ممکن تو برسوں کی ہے نواب صاحب!“ بشری نے گھڑی سانس لے کر کہا۔ ”یہ مجھے دو گھنٹے کے آرام سے تو جانے سے رہی۔ ویسے اس وقت مجھے شدید غصہ آ رہی ہے۔“ ”تو پھر تم جا کر سو جاؤ۔“ میں نے کہا۔ ”مذاہم تمہیں کمرے تک پہنچا دے گا۔“

میں نے ایک ملازم کو آواز دی اور اس سے کہا کہ بشری بی بی کو ان کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔

”نواب صاحب! وہ آپ کی پیگم اور۔۔۔“

”اتنا سے بعد میں ہی لے لیا۔“ میں نے نرم سہجے میں کہا۔ ”اس وقت تو تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔“

وہ ملازم کے ساتھ کمرے کی طرف بڑی توجہ دے کر گئی۔ غیر محسوس طور پر اس کے پیچھے دو آنے ہو گئے۔

میں دوبارہ برآمدے میں بیٹھا۔

”لیکے پترا! راجا نے پر غیابی انداز میں کہا۔ ”مجھے نہیں لگتا کہ یہ بشری واقعی ہے جو یہ ظاہر کر رہی ہے۔“

”یار، مجھے بھی یہی لگتا ہے کہ بشری جھوٹ بول رہی ہے۔“ بقول اس کے یہ گزشتہ دو تین سالوں سے اس طرح ہوتا رہا ہے۔ ”میں نے کہا۔ ”یہ پاگل بھی تو صرف اپنی جان بچانے کے لیے۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن راجا! جو عورت سالہاں پہلے وہاں سے سڑکوں اور سڑکوں پر بھٹک رہی ہو، وہ کبھی دلچسپی میں اتنی نہیں گھبرا سکتی۔“

”تیری بات میں وزن ہے۔“ راجا نے کہا۔ ”میں نے اس پہلو پر تو ابھی تک غور ہی نہیں کیا تھا۔“

”ظاہر ہے جھگڑنے والی عورت کا چہرہ اتنا شاداب نہیں ہوتا۔ موسم کی شدت سے اس کے پیروں پر فٹیاں اتر چکی ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”یہ تو میرا یہ حال تھا کہ اگر شدید گرمی میں آدھا گھٹا ہی ہر گھوم لوں تو پھر سے کی حالت خراب ہو جاتی تھی۔“

پھر یہ سب کیا تھا؟ بشری کو رانا نے بھیجا تھا؟ ایک سہرا بننے کے بعد رانا اتنی بڑی غلطی نہیں کر سکتا یا پھر وہ مجھے لوکا پٹھا سمجھ رہا ہے؟

”راجا! میں نے کہا۔ ”ہم بشری کو حویلی میں نہیں رکھیں گے بلکہ ست وصال میں بھی نہیں رکھیں گے۔ اگر یہ ہمارے خلاف کوئی سازش ہوئی تو اپنی موت آپ مر جائے گی۔ بشری کو ایسی جگہ بھیج دے جہاں اسے کسی قسم کا بھی آرام نہ ہو۔ بقول اس کے وہ گزشتہ دو سال سے سڑکوں پر بھٹک رہی ہے۔ اس کے لیے تو سر پیچانے کا ایک ہارڈ کورنگ لگا کر بھی جنت سے کم نہیں ہوگا۔“

”لیکے پترا! تیری عقل پھر چھوٹ چکی تھی۔“ میں نے کہا۔ ”اس سے کہہ دے کہ۔“ ”اؤ بھائی! تمہارا گھر آگ بجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس سے صاف صاف کہہ دے کہ ہم تمہیں لی ایل جی کی میں نہیں رکھ سکتے۔“

”نہیں یاد! میں نے کہا۔ ”گروہ واقعی رانا کے ظلم کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔“

”لیکے پترا! تیری عقل پھر چھوٹ چکی تھی۔“ میں نے کہا۔ ”اس سے کہہ دے کہ۔“ ”اؤ بھائی! تمہارا گھر آگ بجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس سے صاف صاف کہہ دے کہ ہم تمہیں لی ایل جی کی میں نہیں رکھ سکتے۔“

میں نے اسی وقت فون کو بلا یا اور ساری صورت حال اسے بتائی۔

اس نے کہا۔ ”سرا میرا ایک ٹرک ڈرائیور دوست بہاؤں عمر میں رہتا ہے۔ میں اس عورت کو بہاول نگر بھجوا دیتا ہوں۔“ ”سرا! اسے داخل جانے کا خطرہ ہوگا تو وہیں رہے گی اور۔۔۔“

”اس سے بھاگ لے گی۔“

”تم اپنے اس دوست سے ابھی بات کر لو۔“ میں نے کہا۔ ”وہ ٹرک ڈرائیور ہے تو ہر رات بہاول نگر میں تو نہیں لے گا۔“

فون نے سسل فون نکالا اور اپنے دوست رحمت علی کا نمبر دیا۔ ”لائن ختم ہے۔“ ”ہیلو رحمت علی! میں فون بول رہا ہوں۔“ ”میں یار! تمہارے۔۔۔ تو سنا۔۔۔“

پھر وہ کچھ دیر تک رحمت علی سے بات کرنا رہا۔ فون سے فارغ ہو کر وہ بولا۔ ”سرا! میں نے رحمت علی سے بات کر لی ہے۔ وہ لاہور سے ہمارے گھر پہنچنے کی طرف جا رہا ہے، فون تک اس کی واپسی ہوگی۔ میں نے اسے یہاں آنے کے لیے کہہ دیا ہے۔“

”فون! تمہارا یہ دوست رحمت علی اعتبار کا آدمی ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”سرا! رحمت علی زبان کا دشمن ہے۔ وہ اس عورت کو پوری حفاظت سے رکھے گا۔ ہاں، اگر یہ خود نہیں جانتا چاہے گی تو اسے روکے گا۔“ ”اگر آپ یہ بھی کہہ دیں کہ اس عورت کو بہاول نگر میں روکا ہے تو پھر یہ بھی وہاں سے گل نہیں نکے گی۔“

”میں ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا۔

فون کے جانے کے بعد میں بھی کچھ دیر کے لیے لیٹ گیا۔

دوبارہ میری آنکھ کھلی تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میرے ہاتھ کا زخم ہانگن تکلیف نہیں دے رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ نیم گرم پانی سے دیر تک نہا رہوں لیکن شہناز نے کہا تھا کہ جب تک زخم ٹھیک نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر پانی نہ ڈالنا۔ میں نے پانچ گھنٹوں کی ایک بڑی ٹیٹ لے کر اپنے زخم پر اچھی طرح لپیٹی اور دیر تک نہا تا رہا۔ نہانے سے میری طبیعت بہت اچھی لگی اور تر و تازہ ہو گیا۔

میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو مجھے لیم وکھالی دی۔ اس نے مجھے سلام کیا، میں نے جواب دے کر پوچھا۔ ”کیسی ہو نیلر؟“

”ٹھیک ہوں صاحب بی! آپ کا زخم اب کیسا ہے؟“

”میرا زخم تقریباً ٹھیک ہو چکا ہے۔“ میں نے کہا، پھر نیم سے پوچھا۔ ”راجا کہاں ہے؟“

”وہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ شنگ روم میں ہیں جی۔“ اس نے کہا۔

”تمہیں تو یہاں کوئی تکلیف نہیں نیم؟“ میں نے پوچھا۔

”صاحب بی! مجھے جتنا پیش اور آرام اس حویلی میں مل رہا ہے، زندگی میں کبھی نہیں ملے گا۔“ ”نیم نے کہا۔

میں شنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں راجا اور شہناز کے علاوہ ڈاکٹر شہلا، ڈاکٹر نیلا اور ڈاکٹر حسن بھی موجود تھے۔

”حسن نے مجھے سلام کیا۔“

”وہ نیم السلام! ڈاکٹر صاحب! آپ کب آئے؟“

”سرا! میں ایک گھنٹہ پہلے پہنچا ہوں۔“

”اور ڈاکٹر مہدی حسن؟“ میں نے پوچھا۔

”وہ پرسوں تک آجائیں گے۔“

”ڈاکٹر نیلا! آپ نہیں ہیں؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”آئی ایم لائن سرا!“ میں نے جواب دیا۔

”گٹھا! میں نے کہا، پھر شہناز سے مخاطب ہوا۔

”بھئی، ایک کپ کافی مجھے بھی منگوا دو۔“

”میں نے تمہیں دیکھتے ہی دیکھتے سے کہہ دیا تھا۔“

شہناز نے مسکرا کر کہا۔

راجا نے میری طرف جھٹک کر آہستہ سے کہا۔ ”میں نے بشری بی بی کو بھی یہاں بلا لیا ہے۔“ ”تو اسے بتا دینا کہ میں حفاظت کے خیال سے تمہیں بہاول نگر بھیج رہا ہوں۔“

”نیم کافی کی لڑائی دیکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے بشری بھی تھی۔ شہناز کے سوا سبھی اسے خیریت سے دیکھتے تھے۔“

میں نے کہا۔ ”یہ بشری فون میری بہت پرانی جاننے والی۔“ ”پھر میں نے سب لوگوں سے بشری کا تعارف کرایا۔“

میں کافی پینے کے بعد رانا کی فرمائش پر اٹھا کر فون کمرے میں داخل ہوا اور میرے نزدیک آ کر آہستگی سے بولا۔ ”سرا! راجا بی بی کو بخار ہو گیا ہے۔ انہیں بہت شدید کھانسی بھی ہے۔“

”میں شہناز! میں سے کہہ دوں گا، تم ان سے دوا لے جاؤ۔“

پھر میں نے بشری سے کہا۔ ”بشری! یہاں تمہارے لیے خطرہ ہے۔ میں لے سوچا ہے کہ تمہیں کسی محفوظ جگہ بھجوا دوں۔“

”اگر یہاں خطرہ ہے تو مجھ سے زیادہ آپ کے لیے ہوگا نواب صاحب!“ بشری نے کہا۔

”میں تو زور دے رہا ہوں کہ بے لحد جانے والا ہوں۔“

اس لیے میں نے سوچا ہے کہ میں اپنے ایک قابل دوست کو آوی
کے پاس بھجوا دوں۔

"یہ کیسے، آپ مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔"
بھری نے آہستہ سے کہا۔
"اگر جان چھڑانا ہوتی تو جیسے عوی میں کہتے ہی نہ
دیتے۔" راجا نے کہا۔

"نہیں۔ میں۔۔۔ وہاں کیسے رہوں گی؟"
"بھری بی بی! اٹنی لمبی نے سر اٹھ کر کہا۔ "تم گزشتہ
سال ایدہ سال سے سڑکوں پر ماری ماری پھر رہی ہو، کبھی
اس لیے کہ تمہاری جان بچ جائے۔ جہاں نہیں بھیجا جائے گا،
وہاں نہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ سر چھپانے کو
ایک ٹھکانا ہوگا، تمہاری زندگی بھی محفوظ رہے گی اور عزت
بھی۔"

"جانتا کب ہے؟" بھری نے پوچھا۔
"کل اس وقت ہمارا آدمی یہاں آئے گا۔" بھری نے
جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" بھری نے جواب دیا لیکن اس کے
چہرے کے اثرات سے اندازہ ہوا تھا کہ اسے میرا فیصلہ
پسند نہیں آیا۔

اس نے کافی بی، خضوری ویریشی، پھر اچھ کر بھلی گی۔
میں نے راجا سے کہا۔ "راجا اگر یہ یہاں سے نہیں
جانا چاہے تو اسے جانے دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے، میں فنی سے کہہ دوں گا۔" راجا نے کہا۔
شہناز، شہلا اور بیٹا خضوری، یہ بیٹھنے کے بعد بھی
نہیں۔ شہناز اور شہلا نامت لڑکی پر نہیں، قینا کا آف تھا
لیکن وہ ہم لوگوں سے اتنی بے تکلف نہیں تھی کہ ہر دے ساتھ
خوشی۔ نور بھی شہناز کے ساتھ ہی اٹھ گئی تھی۔

اس دن سردی کچھ زیادہ ہی تھی۔ کمرے میں اینٹری
خوشگوار حرارت موجود تھی لیکن دل چاہ رہا تھا کہ خلاف اڑھ کر
بیٹھا جائے۔ میں بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

بیمار کمرے میں کمرے میں کمرے میں گیا۔ یہاں بھی اینٹری
تھیں رہا تھا لیکن خلاف سے شاید جو رافیلیا تھیں تھیں۔ جب
تک خلاف میں سے کمرے پرست کرنا نہ لگتا جائے، اس وقت تک
سردی نہیں جاتی۔ میں نور کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے تو یقین تھا کہ
وہ ضرور میرے پاس آئے گی۔ میں شام کو اچھا نہ سو گیا تھا
اس لیے نیند بھی نہیں آ رہی تھی۔

ایک میرے سبیلوں کی تھیں بی تو میں نے ٹھیک ہی۔
سکرین پر ٹی کا نام دیکھ کر مجھے خضوری کی حیرانی ہوئی، میں

نے سبیلوں آن کر کے کان سے لگا لیا۔ "ہاں فنی!"
"سراوہ عورت باہر جانے کی کوشش کر رہی ہے۔"
"کون عورت؟" میں نے پوچھا۔
"سراوہ پاگل عورت جو اب پاگل نہیں ہے۔"

نے کہا۔
"سے باہر جانے دو۔" میں نے کہا۔ "نہیں! یہاں
آوی کو اس کے خاقب میں بھیج دو۔ اس سے کہا کہ
احتیاط سے اس کا تعاقب کرے۔"
"ٹھیک ہے سرا" فنی نے کہا اور میں نے فون ڈال
دیا۔

میں ایک مرتبہ پھر نور کا انتظار کرنے لگا۔ پہلے تو میں
لے سوچا کہ جا کر نور کو بالوں لیکن پھر میں یہ سوچ کر لینا
کہ نور کو آہوگا تو خود ہی آئے گی۔ اس کا انتظار کرتے کرتے
نہ جانے کس وقت میری آنکھ ٹپ گئی۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ نور میرے بالوں میں
اپنی خردلی انگلیاں پھیر رہی ہے۔ میری پیشانی پر ہاتھ پھر
رہی ہے، پھر وہاں اچانک ہاتھ ہونے لگے۔ ویرش سے
اچانک میری آنکھ کھلی تھی۔ وہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ نور
میرے سر ہانے ٹھکی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے گرے
وائے آنسوؤں کے قطرے کو میں ہاتھ پر پھر رہا تھا۔

میں رُپ کر اٹھ بیٹھا۔ "نور۔۔۔ تم دور ہی ہو۔"
میں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔
"دو دن نہ تو اور کیا کروں؟" نور نے غصے سے
کہے میں کہا۔

"کیوں، کیا غم ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کیا میری
موت واقع ہو گئی ہے؟ یا پھر۔۔۔"

نور نے میرے منہ پر اپنا خوبصورت اور نرم ہاتھ
باتھ رکھ دیا۔ اس نے شاید میری لگائی تھی۔ اس کے ہاتھوں
سے اب تک دنیا کی خوشبو آ رہی تھی۔ مہندی کی یہ بیجان انگیز
خوشبو میری کمرے کی۔ پھر میں سب کچھ بھولی گیا۔

ہوئی تو مجھے اس وقت آیا جب میرے سبیلوں کی گھٹی
گئی۔ سبیلوں کے نیچے تھا اور اس پر نور سر کے آسوی
سے تھکی گئی۔ اس کے چہرے پر بھی ایک آسودہ سی مسکراہٹ
تھی۔

میں نے ہاتھ بڑھا کر تجھے کے نیچے سے سبیلوں نکالنا
چاہا لیکن نور نے کہا۔ "رہ کر، نہ جانے کون بدتمیز ہے۔
سے نہ خود بخود آ رہی ہے مہندی سروں کو سونے دے رہا ہے۔"
"کوئی دیر چھٹی کال بھی ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔

اب تک نور نے سبیلوں مجھے نکال کر دیے۔ کال منقطع
ہو گئی۔

میں نے فون کرنے والے کا نام دیکھا لیکن وہ اس
کا نام نہیں تھا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ کونسا شخص ہے؟
"نور! مجھے اس سبیلوں پر۔" نور نے کہا۔ "کسی کو
یہاں بیٹا ہوتی تو وہ پھر کال کرے گا۔"

میں نے نعت بھیج دی لیکن ابھی نعت بھیجے ہوئے ایک
دھندلی نہیں مگر راجا تھا کہ سبیلوں کی گھٹی پھر بچنے لگی۔ میں
نے کال کر سبیلوں کان سے لگا دیا اور کھٹ سے کچھ میں بولا۔

"نور! مجھے ذرا راجا سے یاد آ رہا ہے۔" راجا
نے کہا۔

"مہاراجا! یہ تو ہے۔" میں نے کہا۔ "اس سے پہلے
اس نے کال کی تھی۔"

"اس۔۔۔ اس سے پہلے بھی میں نے ہی کال کی تھی لیکن
وہ میرے سبیلوں سے۔" راجا نے کہا۔ "میرا سبیلوں
میں کال کر رہا ہے۔ جب تو نے جواب نہ دیا تو میں نے
اس کے سبیلوں میں اپنی سم لگائی ہے۔"

"خیریت تو ہے؟" میں نے پوچھا۔ نہ جانے کیوں
مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔

"خیریت نہیں ہے، ٹھیک پتر" راجا نے کہا۔ "اس
مہندہ راجہ کی حالت واقعی خراب ہے، وہ بیمار ہیں بری طرح
کہہ رہی ہے۔ یہ تم سے تم اس کی اداکاری نہیں ہو سکتی۔"
راجا نے غور مندی سے کہا۔ "کہو میں شہناز کو وہاں بھیجوں؟"

"تو شہناز سے کیا کہے گا؟" میں نے پوچھا۔ "وہ تو
ایک دم بھڑک اٹھے گی کہ تم لوگ راجہ کو یہاں لائے اور مجھ
سے اس کا تذکرہ تک نہیں کیو۔"

"یار! یہی بات تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"
"ہاں، میں آ رہا ہوں۔ شہناز اس وقت اسپتال میں آئی ہے۔"

"ہاں، آج اس کی حالت اچھی ہے۔" راجا نے کہا۔
میں اٹھنے لگا تو نور نے پوچھا۔ "خیریت تو ہے؟ راجا
جانی کیا کہہ رہے تھے؟"

"ہاں، خیریت ہے۔" میں نے سسپنگ گاؤں کی
دور دیاں کہتے ہوئے کہا۔ "ایک گارڈ کی طبیعت کچھ خراب
ہو گئی ہے۔"

"اس گارڈ کا مہاراجہ ہے؟" نور نے اچانک پوچھا۔
"راجہ؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔
"نور! تم تو بات کر کے بھول جاتے ہو۔ ابھی تو تم

راجا بھائی سے کہہ رہے تھے کہ تم لوگ راجہ کو یہاں لائے ہو
اور کسی کو ہاتھ نہ لگنا۔"

"نور! مجھے؟" میں نے غور سے پھر سے لکھ میں کہا۔
"تم تو مجھے اچھی طرح جانتی ہو، ہم راجہ کو اس چوٹیشن میں
نہیں لائے تھے کہ تم لوگوں کو بھی بتاتے۔" راجہ نے ایک
مرتبہ پھر مجھے سن کر نے کی کوشش کی تھی اس نے دھوکے سے

مجھے لہو ہلایا تھا۔ پھر اس کے نیچے میں لڑکھ بولی تھی۔
میں اسی لڑکھ میں نرمی ہوا تھا۔ "میں نے کہا۔" اب تم ہی
بتاؤ۔ میں تم لوگوں کو کیا بتاتا کہ میں خاندان کا ایک فرد کچھ کر
خوش دل سے مہندی دیکھ کر نے کیا تھا لیکن اس نے میرے
خلوص کو ایک مرتبہ پھر دھوکا دیا۔ وہ تو میری زندگی ہی تھی کہ فنی
نے میرا تعاقب کیا اور ان لوگوں تک لٹکی کیا جہلوں نے مجھے
قید کر لیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ وہاں کا لیکن اس وقت
مجھے جانے دو۔"

"اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" نور نے پوچھا۔ اس
کے لکھ میں ناراضی سے زیادہ غور مندی کا عنصر تھا جس سے
مجھے کافی اطمینان ہوا۔

"راجہ کی حالت خراب ہے۔" میں نے کہا۔ "اسے
(اکثر کی آمد ضرورت ہے۔ میں اکثر شہناز کے پاس جا رہا
ہوں۔"

"چلو، میں بھی چلتی ہوں۔ میں شہناز کو زیادہ بہتر
انداز میں بریف کر سکتی ہوں۔"

میں نے سر پر ایک اونٹنی ٹوٹی ٹوٹی لی اور ہاتھ لگا کر نور
میرے ساتھ تھی۔ اس نے بھی جسم پر شمالی لپیٹ لی تھی۔
سراوی اٹھ شہید تھی کہ مجھے لندن یاد آ رہی۔ فنی ہنس رہا تھا
ایک کھٹ تھی۔

میں اسپتال کے نزدیک پہنچا تو وہاں راجا اور فنی پہلے
سے موجود تھے۔

ہم اسپتال میں داخل ہوئے تو فنی باہر ہی مل گیا۔
شہناز ہم سب کو ایک ساتھ دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی،
پھر اچانک پریشان ہو گئی اور گھبرا کر بولی۔ "کیا بات ہے
سب خیریت تو ہے؟"

شہناز کی آواز سن کر شہلا بھی وہاں آ گئی۔ وہ بھی حیرانی
سے تھیں دیکھ رہی تھی۔ اسپتال کا وہ حصہ بالکل خالی تھا
جہاں اس وقت ہم موجود تھے۔ فاکر مہندی مسن نے ارادہ
اور ڈاکٹر کے درم میں بیٹھ گوائے تھے۔

"پہلے یہاں سے اپنے آپس میں چلو۔" راجا نے کہا۔
"میں نور کی سے ٹھیک جاؤں گا۔"

شہناز ہمیں اپنے کمرے میں لے آئی۔
نور نے آہستہ آہستہ سے سب کو بتا دیا۔

"اوسے، تو وہ اس وقت کہاں ہے؟" شہناز نے پوچھا۔

"وہ ابھی قید خانے ہی میں ہے۔" راہانے جواب دیا۔

"تو دیکھو کمرے ہو، چلو، میں وہاں چلتی ہوں۔" شہناز نے کہا۔

"بہتر ہے کہ ہم اسے یہاں لے آئیں۔" راہانے کہا۔ "نہ خانے میں اس وقت شدید سردی ہوگی، وہاں بھنگ کا بھی کوئی بندہ دست نہیں ہے۔"

"کو بھر جلدی اسے یہاں لاؤ، مجھے خدشہ ہے کہ اسے مرنی یاد ہوگی، رات کوئی شہناز سے روئے کر تو گیا تھا لیکن یوں پھر سریش کو دیکھنے کوئی دراکھیہ دی جا سکتی ہے؟" راہانہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

پھر دس منٹ سے لگی کم کمرے میں وہ فنی کے ساتھ لوٹ آیا۔ فنی نے دوبارہ کواختر رکھا تھا۔

"اسے روم میں لانا چاہو۔" شہناز نے کہا۔
شہناز نے مریضوں کے معائنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ بنا رکھا تھا، وہاں ایک بیڈ اور دو ٹیبل کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ راہانے ہیز آؤں کر دیا۔

"اب آپ لوگ ذرا باہر جائیں، بیڈنگ تاکہ میں مریض کا چیک اپ کر سکوں؟" شہناز نے خالص ڈاکٹروں والے انداز میں کہا۔

میں اور فنی باہر آ گئے۔ راہانے نور کو وہیں روک لیا۔
ہم لوگ وہاں سے آکر شہناز کے ایف بی روم میں بیٹھ گئے۔ اس کمرے میں بیڈنگ کی عرقلہ اور حرارت کی پیمانی ہوئی تھی۔
وہیں ایک عدد بیڈنگ بھی پڑی تھی جس پر نرم و ملائم مٹی بھی رکھا ہوا تھا۔

میں نے فانی ولد کمرے کا بھرپور اعمار میں جائزہ لیا۔ شہناز نے اس کمرے کو اپنے ذوق کے مطابق آراستہ کیا ہوا تھا۔ کھڑکیوں پر چمکے آسانی رنگ کے پردے تھے۔
کمرے کی دیواریں بھی لکی تھیں۔

فنی باہر کوڑے در میں کھڑا تھا۔ باہر شدید سردی تھی۔
میں نے آواز دے کر فنی کو بھی اندر بلا دیا، پھر مجھے بیڈنگ کی فنی سے پوچھی۔

"جی سر، وہ تو کس وقت چلتی تھی۔ میں نے اسے اس وقت کے پیچھے بھیجا تھا۔ مجھے نور بھی یہ جھس تھا کہ وہ انی رات کو

کہاں جائے گی اور مجھے جانے کی۔ اس کے پاس گاڑی تو تھی نہیں۔ مجھ سے تو وہ یہ کہہ کر فنی تھی کہ میں اسے ہر چال قدمی کروں گی۔ وہ باہر نکلے تو نور بھی احمد شاہ باہر نکلا۔ باہر لگی دور دور تک طاقت و سرخ لائٹس کی روشنی چمک رہی تھی۔ وہ پیدل ہی فنی کی روڑ کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ مشکلا سے ایک گھوڑے پر چلی ہوئی کہ مخالف سمت سے ایک پرانی جیب اس کے نزدیک پہنچی کر رک گئی۔ جیب کے ہیڈ لائٹس آف تھے اس لیے احمد شاہ کو بھی وہ جیب اس وقت دکھائی دی جب وہ حویلی کی سرخ لائٹس کی روشنی میں آ گئی۔ اس سے پہلے کہ احمد شاہ کچھ اور سوچتا، بشری جیب میں سوار ہوئی اور مردانہ ہو گئی۔

احمد شاہ ہاتھ ملکہ گیا۔ اس نے جیب کا لہر لوت کر لیا ہے۔
"وہ لہر بھینچا جیسی ہوگا یا پھر جیب چوری کی ہوگی۔"

میں نے کہا۔ "یاد رہا! میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے علاقوں میں ہاڈر مٹی والے کھنچوا لوں اور فنی کی روڑ سے جو سڑک ہماری حویلی کی طرف مڑتی ہے، اس پر وہاں ایک چیک پوسٹ بنادوں۔"

"یہ بات تو فنی کب سے کہہ رہا ہے۔" راہانے کہا۔
"ابھی تو یہ سوچ کر وہ جیب کس کی تھی اور بشری یہاں کیوں آئی تھی؟ تو بھی بہت دور دروازہ بنا ہوا ہے۔" راہانے بڑبڑاتا کر کہا۔

"وہ بھی صرف لڑکیوں اور مردوں کے لیے تو تھوڑا اختیار میں ایک اشتہار دے دے کہ اگر کوئی پرکشش ہے تو وہ (میرا تھا جس سے پچیس سال کے دو میاں) پر فنی (بشری) خود بصورت اور پرکشش ہونے ضروری ہے۔ میرا اندازہ ہے

مکھنچوں کے دو میاں، کسی مصیبت یا بدبختی میں مبتلا ہونے کو اب رہتے احمد شیرازی آج سب سے بہتر حالت میں رہ رہ کرے۔"

"ارو کے بچے؟" میں نے پوچھا۔
"کیے جانے گا؟ کوئی کام کی بات نہیں کرے گا؟"

"سب کام کی بات کیے پتر اور ہوتے چھتے تھے وہ اسے اس دور وکان اپنی بڑھانے۔ میں بھی اب مجھے شعروں اور مصرعوں کی یاد دلاؤں گا۔" پھر وہ فنی سے بولا۔ "تم ابھی اس کمرے کی دیوار ان تمام جگہوں کی عمارتی نو جہاں جہاں بشری تھی، خاص طور پر یہ دیکھو کہ اس نے فنی کوئی ڈکٹافون یا

میکرو کیسیٹ لیا؟ اس تو کھنچا چھپا دی جس کے ذریعے ہماری ساری باتیں فنی اور فنی جا سکیں۔"

"میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔"

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

میرا بیدار بھر صاحب کے پاس ایک انکسٹرکٹ ڈیوائس ہے جس کے ذریعے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہاں کوئی فانی اس کوئی سٹون یا افریقہ وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔

رائے

اسے برحقیم والو۔ وہ رام کو جانتے ہو؟ ہمارے بادشاہ واپس۔ شام ہفت بجے۔ جب کھست غورنگی میں اصلہان پہنچے تو مہاسب عفوئی نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ طرح طرح کے پھول ان کی نظروں میں ڈھونڈا اور عرب بھٹی۔

وہ رام نام کی کٹیر پر پڑی۔ اہالیان صاحب بادشاہی میں شکی طعن میں کوئی جگہ دست تھے۔ جیسے کوئے شہر میں وہاں نے یہ کی کہ اگر میں ہادی بیٹا تو رام میری۔ وہ رام نے اس سوچ پر کہ "شاہ اور مرغ ہر دلا دلا سوا دلا" بھٹی

دور ہوئے۔ وہاں تو بدحواسی تھی۔ مہاسب نے یہ چال بھی اور ہادی بھٹی۔
اس داستان کی بدولت وہاں بادشاہ کے بارے میں بھی ہادی رائے کچھ بکھر ہو گئی ہے ہم تو یہی سوچتے تھے کہ

اسی واپس واپس کا تھا۔ تخت پر بیٹھا۔ شہناز کی جگہ لکھ کر ہما گیا۔ مہاسب کو ایک دن کی بادشاہی بھٹی۔ حمید و حکیم سے شادی کی۔ اکبر کو پیدا کیا اور پھر جیسے کر کر مر گیا۔ وہ رام کے قہر سے پتا چڑا کہ کچھ نہ کچھ گزارے لائق دل زندہ ہوگی۔

رکھتا تھا۔ حالات سازگار ہوئے تو عاقبت ہونے کی صلاحیت بھی تھی۔ اسے ہادیوں بادشاہی ہی بات پر ہم نے خیرے گناہ معاف کیے۔

میں نے کہاں کی بات تھی ہم کہاں جا گئے۔ قصہ رام کا کسی اور صورت حال میں تھے اور مقام جلا روم کی۔ اس سے پہلے کہ وہ پھر رام بھی تھے۔ ایک ہالو نے کہ پری ووش ستون رام کھنچے جس مشہور شاعر وایت دلا کے دنگداز عشقیہ

اشعار سنائے۔ پھر فراموشی نور نے ستون رامی سال بچا کر جو خمرین کو سکھایا۔ ایک چھوٹا سا قہر بھی ہوا اور اس کھنچنے کے لال دکھائے۔ پھر رام ہادی میں چھپا ہوا اور سے سامنے تھا۔ جو آٹم قسم ہوتا تھا ہم اس پر نشان کرتے چارہ

نے۔ آگلی بامی "آسٹر آکٹ" کی تھی۔ ہم اسے دیکھنے کے منت ہی تھے کہ لوگ اندر گئے اور باہر نکلے گئے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا۔ "آسٹر آکٹ" بھی تو دیکھیں۔ بڑے ہر فکل کے دیکھو۔ "آسٹر آکٹ" فرائیسی زبان میں فکٹر ل کر

کہتے ہیں۔ مونگ بھی اور کوکا کولا والا فکٹر ل۔
ابن افشا کے سفر نامہ "دنیا گول ہے" سے اقتباس

میرا بیدار بھر صاحب اس وقت آرام کر رہے ہوں گے۔
"کوئی پرالم نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "تم فانی اٹھا دو۔ ہم اس کے لیے صبح تک انتظار نہیں کر سکتے۔"

فنی کے جانے کے بعد ریم وہاں آ گئی۔ میں اسے اتنی رات کو وہاں دیکھ کر حیران ہوا۔ وہ سادگی سے پرلی۔
"صاحب جی آپ، یہاں ناخبریت تو ہے؟"

"ہاں ناخبریت ہے۔ اپنے یہ بہار اچھا صاحب، ذرا فکٹر صاحب سے ملنے آئے تھے۔ تم یہاں کر دو۔"

"کالی لے آؤں؟" ریم نے فنی کو میرا جملہ مکمل کر دیا۔
"وہاں؟" میں نے بے ساختہ کہا۔ "پارہ تم تو اب میرا

راہن بھی پڑھنے لگی ہو۔ کافی ذرا سیدھی لے آؤ۔ ہاں، چار کپ کالی پانا کھنچو۔ نور بھی ذرا فکٹر صاحب کے پاس لیں۔"

راہن بھی پڑھنے لگی ہو۔ کافی ذرا سیدھی لے آؤ۔ ہاں، چار کپ کالی پانا کھنچو۔ نور بھی ذرا فکٹر صاحب کے پاس لیں۔

راہن بھی پڑھنے لگی ہو۔ کافی ذرا سیدھی لے آؤ۔ ہاں، چار کپ کالی پانا کھنچو۔ نور بھی ذرا فکٹر صاحب کے پاس لیں۔

راہن بھی پڑھنے لگی ہو۔ کافی ذرا سیدھی لے آؤ۔ ہاں، چار کپ کالی پانا کھنچو۔ نور بھی ذرا فکٹر صاحب کے پاس لیں۔

راہن بھی پڑھنے لگی ہو۔ کافی ذرا سیدھی لے آؤ۔ ہاں، چار کپ کالی پانا کھنچو۔ نور بھی ذرا فکٹر صاحب کے پاس لیں۔



MEDICAM SHAMPOO



بالوں کو سفواریں اب نئے انداز سے

وہی پرستار کی خوبیوں کے ساتھ

NEW International Packaging

بالوں کی بہتر نشوونما کو یقینی بنائے بال لب، گھٹنے، چمکدار نظر آئیں۔۔۔

نور کے لندن جانے کا بندوبست کر۔۔۔
"خیریت؟" راجا نے چونک کر پوچھا۔

"امان پڑ خیریت ہے۔۔۔ اصل میں کئی مہینے سے مسٹر ہا
واہوں سے ایک ڈیل چل رہی تھی۔ ان کے سی ای او نے
پرسوں میٹنگ کے لیے کہا ہے۔"

"پرسوں میں تو ابھی بہت وقت ہے فیکہ پترا پر امن
کل کی ہے۔۔۔ مگر یوں ہو؟"

"اچھا یہ شاعری کی بنا دی آپ کو بھی لگ گئی۔" نور
نے پوچھا۔

"اسے بنا دی کہہ کر میرے دوست کی تو قیامت
کرو۔ اور ان کی؟" راجا نے کہا۔

"او بھائی کل لگی؟" میں نے کہا۔ "تو فوراً ہی بیٹ
کھڑم کرائے۔"

"تو اس کی لگومت کر۔ آج کل قوی ایئر ٹین کے
ایک پڑے مسر کی کوٹ پہنسی ہوئی ہے۔ اس کے گوا ایک
اشارے پر ٹیک سیٹ کیا، پورا اچھا ڈس جاسے۔"

"تو جہاز کو چھوڑ؟" میں نے کہا۔ "تو صرف ایک
سیٹ کا بندوبست کر دے۔"

"ہو جائے گا بچہ۔" راجا نے کہا اور نور سے پوچھا۔
"راجہ کے سوگ میں کھا اچھا بھئی چھوڑ دیا تم لوگوں نے؟"

"میں نے ریشم سے تاشا کے لیے کو کھدوایا ہے۔ نور
نے کہا۔

شام تک اسر بھی آگیا۔ اسے راجہ کے کھڑم کا نام پوچھا تو
اسے بھی بہت غصوں ہوا۔ وہ توڑی ورنے سے یہ آ رہا تھا۔

ابھی توڑی اے لہر سے لاہور جاتا تھا۔ راجا نے نور کی جدان کی
سین کھڑم کرا دی تھی۔ وہ بھی شام تک کے لیے لاہور جانا چاہا
رہی تھی۔

میں نے راجا سے کہا۔ "میں نے کچھ لڑ پڑی ہی کرنا
ہے تو تم پشیمانی ہو۔ آج اسے بھی کر سکتی ہو۔"

"کیون؟" اسام آباد میں چیزیں بہت سستی تھیں۔
"اب تم کو اب شیرازی آف ست بدعالی اور لاہور
میں کی ہونے والی فیکہ ہو۔ تم تو ابھی کھلی بات مت کرو۔"

"وہ اصل میں مجھے داہرہ پام بھی جا ہے۔" نور نے
کہا اور میری طرف مٹی دیکھا جیسے کہ وہی ہوا اب بول وانا
دہار تو چٹری یا اسلام آباد میں نہیں ہے۔

"اوکے؟" میں نے طویل سانس سے کر کہا۔ "بہر
لاہور ہی نہیں کے جگہ ابھی لاہور کے لیے لگی لیتے ہیں۔
اسر صاحب بھی لاہور جا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی چلتے

اور وقت کا سیل نہیں لکھو۔۔۔" اس نے سیل نہیں لکھوایا۔ "تم
بھی نہیں کال کرلو۔ میں بھی ان سے بات کرتی ہوں۔۔۔
اوکے، ہاں سوٹی، ٹیک پیکر؟" اس نے سیل فون آف کر دیا۔

"کہا کہ وہی بھی سوٹی؟" میں نے پوچھا۔
"بہر ہی تھی کہ وہ دن بعد مسٹر ہا کے سی ای او کے
ساتھ میری میٹنگ ہے۔" نور نے کہا۔ مسٹر ہا جو پ کی ایک
معروف گاڑی میں جو صرف اس سال کی مرسدس کے ٹرکوں کے
میسر سے تیار کرنا تھی۔ وہ کبھی نہ صرف مرسدس بلکہ ٹرکوں
کے استعمال اور دیکھنے کی دوسری چیز میں بھی باقی تھی مثلاً ٹوٹھ
پیسٹ، ٹوٹھ برش، موزے، جوتے، کھلونے جن میں کھلونے
تھیں اور ٹرک وغیرہ سرفہرست تھے۔ نور نے ہنایا تھا کہ اگر
مسٹر ہا اسے انگریز سٹ ہوجاتا ہے تو جہاز لرن اور دھتے
سے بھی زیادہ ہوجائے گا۔

"تھہری میٹنگ ہے تو تمہیں کس کی لکنا ہے۔ میں
ابھی راجا پانا مسر سے بات کرتا ہوں۔ اسے کم وقت میں لندن
روانگی کے اچھا بات راجا ہی کر سکتا تھا۔"

اب تک میرے سیل فون کی گھنٹی بجے لگی۔ اسکرین پر
کوئی انگریز شخص نہیں تھا۔ وہ یقیناً سوٹی کا فون تھا۔

میں نے سیل فون کا فون دیا کر س فون کان سے
لگا لیا۔ "ہو؟" میں نے باؤکا مارا نہیں کہا۔

"ہیلو مسر؟" سوٹی کی زونگی سے بھرپور آواز سنائی
دی۔ "مگر رنگ، ہاڈ آر پھر؟"

"آلی ایم؟" سوٹی اس میں خیریت سے ہوں۔۔۔
"سر۔ وہ درست دیکھ کی فروخت کے سلسلے میں اس
بروکر کی کال آئی تھی۔ اسے ایک لکے کے لہو اندر درست
دیکھ کا قبضہ چاہیے۔"

"اوکے، لگومت کرو سوٹی اس دیکھوں گا۔"
"سر۔ میڈم اور میڈم کو سیل فون دے دیں۔"

میں نے سیل فون نور کی طرف بڑھا دیا اور خود اپر کل
کیا کیونکہ مجھے کھڑک سے دھما کی جھلک نظر آگئی تھی۔

"راجا! تو کج کج کہاں غائب ہو گیا تھا؟" میں نے
پوچھا۔

"اب گئے دالے وقت میں دیکھتے فیکہ پترا اور راجہ تو
دن دہانے ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر پہلا ہے
کئی ہے۔ میں فنی اور سرور سے پہلے راجہ کی تلاش میں لگا
تھیں۔ اور فیکہ ایسا لگتا ہے جیسے اسے زمین کہہ کر یہ آسمان
لگ گیا؟ زمین کی کہہ گئی ہو تو اچھا ہے۔"

"اچھا لکھی پ اس حرام زادی پرا؟" میں نے کہا۔ "تو
سینہ دیکھتے۔۔۔"

214

ہم لوگ ٹھیک سات بج کر پانچ منٹ پر چوٹی سے نکلے۔ میرے پیچھے گاڑی کی ڈرائیو میں ایک آپس کے توجہ دہانے والے تھے کہ اس دفعہ وہ کسی گاڑی پر اتر کر لڑنے کے سوا کچھ نہیں کریں۔

میری گاڑی حسب سابق کئی ڈرامائی کردار ادا کرتی تھی۔ ہم پھر وہ حالت لاہور پہنچ گئے۔ کئی سال قبل میں کمرے پہلے ہی ایک کر لیا تھا۔ سردی اس دن بھی بہت زیادہ تھی لیکن نوہ لکھنؤ کی کمرات کا کھانا اہم ہر کھانا تھی۔ ہوش میں اپنا سوت کس دیکھنے کے بعد ہم لوگ پھر اگلے کمرے سے اترے۔ نور بہت ان کے جد امجد کی جی اس لیے بچوں کی طرح خوش تھی۔ میں نے کئی سے شملہ پر ڈی پیسے کو کہا۔ کئی نے مہارت سے لڑیکہ کے رش میں تھک جاتی اور گاڑی کا رخ لاہور کی طرف سے اسٹیشن کی طرف موڑ دیا۔ وہ کڑھی شاہو کا پھر کالے کراٹھیں سے شملہ پہاڑی کی طرف مڑ گیا۔

میں نے وہیں گاڑی رکنی اور وہاں واقع ایک اورینٹل ایر ریسٹورنٹ کی طرف بڑھا۔ ایسے موقعوں پر کئی ہمارے ساتھ نہیں جیتا تھا۔ وہ دور وہ کمراتی کرتا تھا۔ میں نے کئی سے کہہ دیا تھا کہ وہ خود بھی کھانا کھائے اور دوسرے گاڑی کو بھی کھادے۔ کئی اس دفعہ کئی بھی قسم کا کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ میرے لاکھ بچ کر لے کے باوجود صرف گاڑی کی ڈرائیو میں سے ساتھ سیت بدھائی سے لاہور آئی تھی بلکہ اب بھی وہ میرے پیچھے چلے گئے۔

میں نے کئی لہور بدھت اور تھوڑی دیر کا آؤر دیا۔ نور نے غافل لاہوری فوش پر لہ کا آؤر دیا۔ ابھی ہم نے کھانا شروع ہی کیا تھا کہ وہ ریسٹورنٹ میں میں آئی داخل ہوئے۔ وہ بیروں سے کوئی ایسے آدمی نہیں لگ رہے تھے۔ ان میں سے ایک بھڑیلے میں تھا، باقی دو تو بالکل سڑک پہلے ہی بدھت لگ رہے تھے۔ ان لوگوں نے پہلی پہلی بیڑی روٹی شربت مانگ لی۔ بیڑی میں جو گڑ تھے۔ دو بدھتوں کے ہاتھوں میں کڑے تھے اور ہال سے تھاٹاڑتے ہوئے تھے۔

تیسرا آدمی بے دانہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ اس نے بیڑیوں میں بہت لیس چلنے کے جوئے پہن رکھے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دونوں بدھتوں سے کچھ لڑکے کا بے ہوش۔

چند منٹ بعد کئی بھی اچھا خیال بدن پڑا۔ خوش پوش برکتا۔

آدنی تل لوں پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اچانک وہ درخت کے نیچے میں بدلا۔ "تو اس کیسے جانے گیا میری بات بھی سنے گا؟" میں اب تجھے یا تیرے پاس کوئی اور مہلت نہیں دوں گا۔ میں تیرے پاس آج کی سات ہے۔ تو نے بدھت کر لیا تو تیری خوش قسمتی ہوگی ورنہ شاکر کے ساتھ دھوکے بازی کرنے والے زیادہ دیر نہ دے گا۔ وہ نہیں دے گا۔ اس نے تل لوں آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔

میرے کانوں میں ایک ہی نام گونج رہا تھا۔ شاکر... شاکر... تو گویا وہ شاکر تھا۔ میں نے دوسری طرف بہت غور سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ اپنے چلنے چہرے میرے اور حرکت و سکات سے واقعی کوئی بڑا بدھت لگ رہا تھا۔ ایسا بدھت جو دوسرے لوگوں کو کچھ سے کھڑے رکھتا ہو۔ "کہا تو میں کبھی کہہ رہے؟" نور نے مجھے لوگ دیا۔ "ہاں... کھا تو رہا ہوں۔" میں دل پر جبر کر کے پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔

میں نے چند لمحے سے کراہت روک لیا۔ نور نے پھر سوالیہ انداز میں مجھے دیکھا۔ "کیا وہ اسٹیشن اتھارڈی ہیئت و ٹھیک ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے کہا۔ پھر اشارے سے کئی کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ "نور کھانے سے مارے ہوئے تو اسے لے کر گاڑی میں بیٹھ جانا۔" کئی بھی میرے پیچھے پرچھٹا تھا۔ "نور کوئی خاص بات؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "نور، مجھے یہاں شاکر نظر آ گیا ہے۔"

"شاکر؟" کئی نے حیرت سے پوچھا۔ "اچھا۔"

شاکر اور لاہور کا خاص آدمی۔ "ہاں دیکھ" میں نے کہا۔ "میں اسے اپنی میز پر بلاؤں گا۔"

"میں کبھی نہیں جانتا گی۔" نور بیچوں کی طرح ٹھٹھک کر بولی۔ "نور، اس سے جو بھی بات کرنا ہے، میرے ساتھ کرنا۔"

"بھلا کر دیا؟" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ "شاکر مجھے بدھتوں کی طرف سے بہت احترام کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے سامنے مل کر بات بھی نہیں کرتے۔ پھر میں تمہارے سامنے ہی تو رہوں گا۔"

پھر ٹھٹھک تمام میں نے نور کو گاڑی میں بیٹھنے پر راضی کر دیا۔

وہ گاڑی میں بیٹھی تو ایک گاڑی اس کے ساتھ آئی۔ ٹھٹھک میٹ پر بیٹھ گیا۔ کئی بھی بہت مستعد انداز میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

میں نے ویکر کو بلا کر مل ادا کیا اور اس سے کہا۔ "دو دو۔" شاکر شلوار قمیض میں صاحب قیضے ہیں۔ ان سے کہا کہ میں ان سے مل رہا ہوں۔

"صاحب، آپ... آپ ان صاحب کو بلا رہے ہیں؟" نور نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ جانتے ہیں۔"

"ارے جانتا ہوں چھٹی تو بلا رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "وہ شاکر ہے۔"

ویکر نے پھر چوٹ کر کے دیکھا۔ وہ شاکر کو پہچانتا تھا اور کچھ کچھ کراہتا تھا کہ اس مقبول آدمی اور اس بدھت کا کئی بھی پھر وہ سر جھٹک کر شاکر کی طرف بڑھ گیا۔

میری نظریں ویکر کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ شاکر کے پاس پہنچا اور جھٹک کر سے ہوئے انداز میں اس سے کچھ کچھ شاکر نے پہلے تو اسے خود گرد کیا۔ پھر اس نے اور اس کے دونوں ٹیچوں نے گھوم کر مجھے دیکھا۔ ان تینوں کے چہروں پر اچھن اور جھنجھوت ہت کے اثرات تھے۔ شاکر نے منہ لگا کر ویکر سے بات کہنا تو وہ سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔

شاکر کا ایک چچا تھا اور میری طرف جڑھا۔ میں بے یازگی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ میرے نزدیک آ کر بولا۔ "کئی فرما ہے؟"

میں نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔ پھر سر دھجے میں بولا۔ "آپ فرمائیے کیسے راحت کی؟"

وہ کڑی کھج کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ نے مجھے بلا لیا؟"

"آپ کو؟" میں نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔ "میں نے تو آپ کو کھنسا بلا لیا۔"

"تم نے شاکر بھائی کو کھنسا بلا لیا؟" وہ آپ سے تم پر آ گیا۔

"ہاں، لیکن تم شاکر کو نہیں پڑا؟" میں نے درشت لہجے میں کہا۔ "اب یہاں سے اٹھو اور چلے پھرے نظر آؤ۔"

وہ اپنے ٹیچوں میں مجھے کھانچا لے دانی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس حالت میں وہ مزید مستعد ہو گیا۔

"اور بھائی! میں پوچھ رہا ہوں۔" میں نے تختیر آئینہ انداز میں کہا۔ "اب فرما شاکر کو کھنسا رو۔" پھر میں نظریں لہجے میں بدلا۔

پہلا پہلا

1۔ ماؤت ایورسٹ کو سر کرنے والا پہلا شخص یوڈی لینڈ کا ایڈمنڈ ہیری ہے جو اپنے نیپالی گائیڈ شراپنگ کے ساتھ 29 مئی 1953 کو چوٹی پر پہنچا۔

2۔ خلا میں سب سے پہلا آدمی روس کا یوری گاگرن 12 اپریل 1961 کو خلا کی جہاز ووشک 1 کے ذریعے پہنچا۔

3۔ قلب شمالی میں بیٹھے والے سب سے پہلا شخص امریکا کا رابرٹ ایڈلن ہیری ہے جو 16 اپریل 1969 کو وہاں پہنچا تھا۔

4۔ قلب شمالی پر جانے والا سب سے پہلا شخص ناروے کا آسٹن ہے جو 16 دسمبر 1911 کو وہاں پہنچا۔

5۔ چاند پر قدم رکھنے والا سب سے پہلا شخص امریکا کا نیکل آرمسٹرانگ ہے جو 31 جولائی 1969 کو امریکی جہاز آپالو 11 کے ذریعے وہاں پہنچا۔

6۔ ماؤت ایورسٹ کو سر کرنے والا پہلا پاکستانی نذیر صابر ہے۔

7۔ خلا میں جانے والا سب سے پہلا سلطان آدمی سعودی عرب کا شہزادہ سلطان سلمان السعود ہے۔ جو جون 1985ء میں امریکی خلائی شٹل ڈسکوری میں سوار ہو کر خلا میں پہنچا، دوران سفر شہزادہ سلطان نے چارے قرآن مجید کی تلاوت کی۔

8۔ خلا میں سب سے پہلی قانون دہن کی روایتیہ وائڈ کی میروین کرینکو 126: 19 جون 1963 کو ووشک 6: ی خلائی جہاز کے ذریعے پہنچا۔

لوگوں کے حالیہ معلومات سے انہیں اس سرسبز تصویر میں ہر ایک کا راز

"تمہیں کیا رہے؟ تم آخری دلدھ کب لہائے تھے؟"

اس کا سیاہ چہرہ مزید سیاہ پڑ گیا۔ "میں شاکر بھائی کی وجہ سے رعایت کر رہا ہوں اور تو سر پر پڑ جا جا رہا ہے۔" شاکر نے غرا کر کہا۔ اس نے اس قسم سے مجھے تو ہلا دیا تھا۔

میں نے شاکر کا محبوب تو نہیں کیا آپ تھے پھر تم ہوئے پھر تو کا عنوان ہو گئے۔ میں نے درشت لہجہ میں کہا۔ "ٹھٹھ"

اپنے وضع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"تو شاید مجھے جاننا نہیں ہے؟"

"گیت لست؟" میں نے ڈپٹ کر کہا۔

اس کے چہرے پر مجھے شدید فحشے کے اثرات دکھائی دیے۔ اس کا نام میں اس کا چہرہ مزید مسکھانے لگا رہا تھا۔ وہاں قہقہے ہونے لگے لوگ مڑ مڑ کر دیکھنے لگے۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کہے کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ نکلا۔ وہ سراسر الجھ گیا اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔

وہ ستوران میں موجود لوگ کسی متوقع جگہ سے کے پیش نظر وہاں سے اٹھنے لگے۔ شاید وہاں اکثر لوگ شاکر کو پہچانتے تھے۔ میں اسی طرح بے نیازی سے بیٹھا رہا۔ شاکر نے تے تو دم اٹھا تا ہوا میرے نزدیکی کھینچ گیا۔

"او مہاں! تو کیا اپنی زندگی سے جیرو ہو گیا ہے؟" شاکر نے حقیر آہیز لہجے میں پوچھا۔ اس کی آواز بھاری اور بھراؤ تھا۔ شاکر کے برعکس وہ خاصا باریک آدمی تھا۔ اس کا ذوق بھی اچھا تھا۔ اس نے درمیان کی انتہائی جتنی گھڑی ہمدردی کی تھی، پر فیم بھی لاسا جیتل استعمال کیا تھا۔

میں نے سر ہلکے میں کہا۔ "میں تو اپنی زندگی سے اس روز جیرو ہو گیا تھا۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تھا۔ تم بخیر کھڑے کیاں ہو؟"

"تم شاید مجھے ہانتے نہیں ہو؟" اس مرچا اس کا لہجہ قدرے نرم تھا۔

"میں تمہیں انکی طرح جانتا ہوں شاکر؟" میں نے یہاں سے کہا۔ میں نے اسے چھوئے دیکھے۔ "وہ نہ میں تمہیں یہاں نہ لواتا۔"

"کون ہو تم؟" شاکر نے مضطرب انداز میں مجھے دیکھا۔

"اپنے ان لچکوں سے کہو کہ وہ رائیں اپنی جگہ پر نہیں لے گئے۔"

شاکر نے چہرے پر غور کیا، پھر چپکوں کو دیکھ کر ہانپنے کا اشارہ کر دیا۔ "ہاں وہ اب بولوا؟" شاکر نے کہا۔

"کیا تم وہاں مجھے نہیں پہچانتے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر پہچانتا ہوں تو کام کی بات کرتا۔" شاکر نے جواب دیا۔

"جبر ہے؟" میں نے کہا۔ "تم تو مجھ سے ملنے کے لیے بے تاب تھے اور اب پچھان گئی نہیں رہے ہو؟ میں ہوں نواب رفیق احمد شیرازی آف مسٹ بد حال؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ، نواب صاحب! شاکر نے چونک کر کہا۔

"مسٹ بد حالی کے نواب رفیق احمد شیرازی آپ ہیں؟"

"اب تک تو میں ہی ہوں۔" میں نے فہم کر کہا۔

"تم شاید یہ سمجھ رہے ہو گے کہ نواب صاحب شلواریں اور شیرازی میں لمبوس ہوں گے، سر پر قرآنی ٹوپی یا کلف دار اونچے شیلے والی پگڑی ہوگی اور ان کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہوگی؟"

"ہاں میں سمجھ رہا ہوں سوچ رہا تھا۔ آپ تو..."

"نہیں سے بھی نواب نہیں کہتے؟" میں نے اس کا جملہ چور کر دیا۔ "اب یہ بھی بتاؤ کہ تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

"میں نہیں جانتا کہ آپ میری بات کا یقین کریں گے یا نہیں؟" وہ تھوڑے ب کے عالم میں بولا۔

"ایک کیا بات ہے؟"

"بات یہ کہ اسکا عی ہے نواب صاحب! شاکر نے کہا۔

میں خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

اس نے ارد گرد دیکھا، پھر بولا۔ "یہ جگہ بھی کچھ عجیب نہیں ہے اگر آپ..."

"جو کچھ کہنا ہے نہیں کہو۔" وہ بدش شہید مجھے دوش لے لے۔ "میں نے سب کچھ میں کہا۔"

"میرا دلاؤ مجھے کچھ کام کرنا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کام کرتے تھے؟ کیا اب نہیں کرتے؟"

"نہیں؟" اس نے لگی میں مڑا دیا۔

"اچھا تو پھر؟"

"وہ دور اسے اور فضیلت کا عین الاقرانی دستکار تو ہے وہ وہ پردہ فروشی اور انسانی تعذرت بھی کرتا ہے۔ وہاں میں میرے چھوٹے بھائی زاید کو بھی جیروں تک جاتے کا بھوت سوار ہوا۔ اس نے ہالا قیلا ایکٹ ایکٹ سے مزاح کر لیا۔

اسے شاید یہ لہجہ تھا کہ اس سے چائے نہیں دوں گا۔ وہ میرا اکوڑا بھائی تھا نواب صاحب! میں نے اسے پاپ بن کر پالا

اس کی ہر ضد پوری کی تھی۔ وہ بھی مجھ پر جان چڑھتا تھا۔"

"میں اس کہانی میں کیاں فٹ ہوتا ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"میں وہی طرف آ رہا ہوں۔" شاکر نے کہا۔ "میں یہ نہیں اس لیے بتا رہا تھا کہ ان کا بھی اس کہانی سے تعلق ہے؟"

شاکر نے کہا۔ "جو ایکٹ زاید کو لے جا رہا تھا اسے بھی سب سے پہلے تھا کہ زاید میرا بھائی ہے۔ اس نے زاید سے پہلے اکوڑا پاپ لے لیا اور اسے ایران کے ایک ایکٹ کے حوالے کر دیا۔ اسے ایران میں یہ نشان بنایا گیا۔ جسے وہاں کے ایکٹ والوں موصول ہوا تو حقیقت کا علم ہوا وہ زاید کی رہائی کے بدلے میں اس کا لکھ مانگ رہا تھا۔"

"اور یہ کام کھلے ہوئے ہوا تھا؟"

"ہاں ہاں نواب صاحب! شاکر نے کہا۔ "یہ کام کھلے عام ہوتا ہے۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے کی اس رقم میں قانون کے ریکورڈوں کا حصہ بھی ہوتا ہے اس لیے ان لوگوں کو قانون کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ امید یہ تھا کہ پاکستانی ایکٹ ہوتا اور آؤی تھا۔ میں نے دلاؤ سے شکایت کی تو اس نے کہا کہ حکام میرے ساتھ سے لکھ لکھو۔ تمہی الجھال اس اکوڑا روپے دے کر اپنے بھائی کو چھڑاؤ، بعد میں دیکھیں گے۔ میں فحشے میں پاگم ہو گیا۔ میں نے پاکستانی ایکٹ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سے دلاؤ کا بہت زیادہ نقصان ہو گیا۔ اس نے جو اپنی ظہر پر میرے بھائی کو موت کی نیند سونپ دیا۔"

مجھے جوئے شاکر کی آواز بھرا گئی۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اس نے ایک گھوڑا پانی پیا پھر آہستہ سے بولا۔ "میں اس دن کے بعد سے میں نے دلاؤ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں پاکستان میں تیرے ہر لٹکانے کا نام دشمنی منادوں گا۔ میں جب تک اپنے ہاتھ سے جبری جان نہیں لوں گا، سکون سے مر بھی نہیں سکوں گا۔ اس دن کے بعد سے میں دلاؤ کو ہر طرح ترک کر چکا ہوں کی کوشش کرتا ہوں۔ رہنے کے لیے آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے دلاؤ سے گھر جوڑ کر لیا ہے۔ اب تک ان دونوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ میں ہی تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دلاؤ کے پہلے کو ذریعہ بناتا ہے؟"

"اسے کسی آدمی کو درمیان میں لانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ خود تو پاکستان بھی بھاری آتا ہے۔ اس قسم کے کام وہ کم ہی کرتا ہے لیکن رہا سیاست وہاں ہے اور اکوڑا فحشہ بھی میں سکھاتا ہوں۔ اس لیے دلاؤ سے انکار نہیں کر سکتا۔"

شاکر نے کہا۔ "میرا ہر قیمت پر آپ کو انکسشن میں حصہ لینے سے روکنا چاہتا ہے۔"

"میں میری مدد، میری بھلائی میں نہیں بلکہ دلاؤ کی دھمکی میں مرنا چاہتا ہوں؟" میں نے کہا۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔" شاکر نے کہا۔ "میں لگی پٹی کے بغیر کیوں گا کہ میں دلاؤ کا سر کلپنا چاہتا ہوں۔ اس کا نیت ورت کرنا چاہتا ہوں۔ دلاؤ آپ کا دشمن ہے۔ یہ حساس اصول ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔ آپ چاہیں تو میری مدد سے انکار کر دیں لیکن دلاؤ اور دلاؤ کے خلاف آپ جیسے کسی طاقت ور دوست سے مجھے بھی فائدہ ہوگا اور میری دوستی سے نقصان آپ کو بھی نہیں ہوگا۔" شاکر نے صاف گوئی سے کہا۔

وہ اپنی گفتگو سے مجھے تعلیم یافتہ بھی لگ رہا تھا۔ میں نے اس سے یہی سوال کر لیا۔

"جی ہاں نواب صاحب! اس نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تعلیم سے اگر آپ کی مراد انگریز ہیں تو میرے پاس ایم اے ایس اے کی ڈگری ہے لیکن اس ڈگری کا کیا فائدہ جو مجھے مجرم بنانے سے نبردبگ لگی۔"

"اس ملک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسے نوجوان ہیں شاکر صاحب! جو بڑی بڑی ڈگریاں ہونے کے باوجود بے روزگاری کا قذاب بھگت رہے ہیں۔ لڑقی یہ ہے کہ ان کی سوچی سمجھی نہیں ہے۔ اگر وہ بھی اسی راستے پر جائیں تو عام آدمی کا چہرا رو بھر ہونے لے۔"

"مجھے تو حالات نے ان راہوں کا مسافر بنا دیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے اس راستے پر چلنا پڑا۔ بہر حال اب تو میری زندگی کا مقصد دلاؤ کو ختم کرنا ہے۔" شاکر نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

"آپ ایسا کریں مسٹ بد حالی آج بھی۔" میں نے اسے ہانپنے کو کہا۔ میں راجا اور ناصر سے مشورہ بھی کرنا چاہتا تھا۔

"میں جانتا ہوں نواب صاحب! آپ اتنی جلدی مجھ پر اصرار نہیں کر سکتے، آپ کو کتنا بھی نہیں چاہیے۔ میں مسٹ بد حالی بھی ضرور آؤں گا لیکن میں نے ایک بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے اس دنیا میں کوئی میرا ساتھ نہ دے، میں اس کے باوجود دلاؤ کو کچھ پھوڑوں گا۔ اب یا تو وہ نہیں یا میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موجود رہی۔ اب میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔" میں نے اس کا بازو ہاتھ ہاتھ ملایا۔ "خدا حافظ!"

اس کے جانے کے بعد میں بھی گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ میں نے نور سے پوچھا۔ "تم نے کہا تو کہہ دیا تھا!"

"ہاں، میں نے کہا تھا لیکن تم نے ڈھنگ سے نہیں کہا۔" نور نے کہا۔

"میں نے بھی کہا تھا۔" میں نے کہا۔ "اب وہاں چلیں؟" میں نے نور سے پوچھا۔ اس وقت وہ بالکل بکری کی طرح لگ رہی تھی۔

"ہاں، اب چلو۔" اس نے گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس میں بہت دیر بعد ایئر لنکی ہوں گا!"

اس نے وضاحت کری دی۔

فنی زما نیوٹک سیٹ پر بیٹھا تو میں نے اس سے کہا۔ "راستے میں کوئی آکس کریم کی دکان آئے تو گاڑی وہاں روک لین۔"

"آکس کریم؟" نور فنی لیکن بولی پتھن۔

فنی نے آکس کریم کی دکان دیکھ کر گاڑی روکی اور مجھ سے پوچھا۔ "آپ گاڑی میں بیٹھے، میں آپ کے لیے آکس کریم لے کر آتا ہوں۔"

فنی آکس کریم لینے چلا گیا۔ میں فنی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اب تک گاڑی کی جتنی نشست کا دروازہ کھلا اور کوئی مجھ سے بیٹھ کر میرے برابر میں بیٹھ گیا۔

"کیا یہ سب کچھ ہے یہ؟" میں نے غرا کر پوچھا۔

"خاموشی سے بیٹھ رہو۔" آنے والا بھی غرایا اور اس نے اپنی جیب سے سیاہ دھک کا خوف ایک دیو الوار بھی نکال لیا۔

مجھے اس قدر حیرت کہ ابھی فنی آئے گا تو ان کی ساری محنت اکارت ہائے گی۔

زما نیوٹک سیٹ کا دروازہ کھلا اور اسٹیرنگ پر رہنے والے نور مولی گردن والا ایک شخص آ بیٹھا۔

نور ابھی تک صورت حال سے واقف نہیں تھی، وہ گاڑی سے باہر ایک بچے کو دیکھ رہی تھی جو آگس کریم لے کر آیا تھا۔

نور کو کمرہ تھا مگر اسے اپنے کپڑوں پر گراوا تھا۔

زما نیوٹک سیٹ پر وہ مولی گردن والا آگے بیٹھ کر نور کو بھی حالات کی تکفیل کا احساس ہوا۔ پھر اس کی نظر میرے برابر بیٹھے ہوئے شخص کے رخ اور پر پڑی۔ اس کے منہ سے جھج جھجکے ہوئے۔ زما نیوٹک سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے

اپنا تک گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اس نے شاید اسٹارٹ کی گئی۔

اب تک پانچ سیٹ کا دروازہ کھلا اور نور سا ایک شخص مزید گاڑی میں آ گیا۔ اس نے بیٹھے ہی رخ اور نکال لیا اور اس کا رخ نور کی طرف کر دیا اور پوچھا۔ "اگر تمہارے دل میں ابھی اپنے کا خیال بھی ہے تو اس سے باز رہنا۔ تم سے پہلے میں اس چڑا کو گولی ماروں گا۔"

مولی گردن والے نے اپنا تک گاڑی کیپر میں ڈال کر آگے بڑھا دی۔ میں نے مز کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی لیکن دیکھ نہ سکا۔

گاڑی غیر دفاعی سے رہوے اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی۔ اسٹیشن کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے گاڑی روکی۔ میرا خیال تھا کہ میرے گاڑی کی گاڑی ہمارے پیچھے ہوئی لیکن وہاں کوئی گاڑی نہیں تھی۔ نور اس ایک سوز کی پک اپ گاڑی کے نزدیک آ کر کھڑی ہوئی۔ ان لوگوں نے مجھے اور نور کو بے رحمی سے باہر کھینچے اور سوز کی پک اپ میں بٹھل دیا۔ اس عمل میں مشکل سے ایک منٹ سے بھی کم لگا ہوا۔

مولی گردن والا گاڑی کو اسٹیشن کی پارکنگ میں لے گیا۔ سوز کی پک اپ ایک جھنگ سے آگے بڑھ گئی۔

مرتبہ میں اور نور پک اپ کی جتنی نشست پر بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی نے جیب سے دو روپے نکالے اور میری طرف بڑھا۔ میں ان کا کچھ دیکھنے بھی نہ پاتا تھا کہ اس نے دو روپے میرے منہ پر رکھ کر اسے منہ میں ڈال دیا۔ پھر اس نے اپنے جیب سے ایک کھمبہ سے میں میرے ہوش و حواس رخصت ہو گئے، ہر طرف گہری تاریکی اور سا آواز کی۔ بے ہوشی کا یہ واقعہ نہ جانے کتنے عرصے تک چلتا رہا۔ شاید ایک دن یا ایک لمحہ میری آنکھ کھلی تو میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔

میں نے کرا کر کہہ دیا کہ میں کسی انسانی جسم سے کھڑا ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ بھلا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن یہ سب کچھ بھلا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی

نور نے بگڑا ہوا منہ آگے کر میں اس وقت کہاں ہوں؟

مجھ پر بعد میں سے جہاں کام کرنے کے قابل ہوئے مجھے یاد آیا کہ ہم آکس کریم کمانے کے تھے۔ فنی آکس کریم لینے آیا تھا۔ پھر اپنا تک گاڑی میں تین آدمی داخل ہوئے تھے اور ہاں، پھر انہوں نے ایک جگہ گاڑی تھریں کی تھی اور ہم لوگوں کو ایک پک اپ میں سوار کیا تھا۔ پھر... پھر... ہاں، پھر ان میں سے کسی نے جیب سے

دو روپے نکالے اور وہاں نکالا تھا اور... میری ناک پر رکھ دیا تھا۔

تو کیا میں مر چکا ہوں؟ میں نے ہول کر سوچا لیکن نہیں، اگر میں مر گیا ہوتا تو قبر میں آ گیا ہوتا۔ یہاں تو میری قبر میں کوئی اور بھی تھا۔ میں نے ٹول کر نزدیک پڑے ہوئے انسانی جسم کو محسوس کر لیا۔ پھر میں نے اپنا تک گاڑی ہٹا لیا۔ وہ کوئی مرد نہیں بلکہ عورت تھی۔ عورت کون ہے، میں تو نہیں جانتا۔

میں نے اس کی بغیر پکڑی تو معلوم ہوا کہ اس کی بغیر آہستہ آہستہ بٹھ رہی تھی۔ میں نے اندازے سے اس کا چہرہ تلاش کیا اور اپنے ہاتھ کی پشت اس کی ناک کے نزدیک لے گیا۔ اس کی سانس بھی بالکل سہی نہیں تھی یہ ہے کون بلکہ میں نے سوچا۔

مجھے اس آدمی سے میں عجیب سی وحشت پکے محسوس کا احساس ہو رہا تھا۔ شاید وہ اس کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اندازے سے دیوار کی طرف ایک بلکہ چھ قدم چلنے کے بعد میرے ہاتھ دیوار سے ٹکرائے۔ میں دیوار کے منہ پر آگے بڑھتا رہا۔ آخر میں دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ باہر سے لاک تھا۔ میں نے وہ دروازہ کھنڈر زانہ پھر میں نے اس پر گئے برسائے اور حلق پھاڑ چلا کر پٹا۔ "کوئی ہے؟ یہاں کوئی ہے؟" میں نے جھج جھج کر کہا۔

دروازے کی دوسری طرف قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میرا کمر اچھٹو نور بن گیا۔ پھر باہر سے کوئی جھج کر آیا۔

"کیا پوچھ رہی ہے؟"

"مجھے پیاس لگی ہے، پانی چاہیو۔"

"پانی اندر ہی موجود ہے۔" وہ آدمی جھج کر آیا۔

میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ کمرے میں فرش پر سیلا بیسیدہ سا ایک کارپٹ تھا۔ ایک طرف ایک بے رنگ ویکٹ زرد رنگ کی تھی۔ اس پر ایک سیم کا میڈ سا جگ اور اس سے سیلا ایک سیم ہی کا گلاس تھا۔ اس کمرے میں ایک چھوٹا دروازہ اور تھا جو شاید تھوڑے تھوڑے کا دروازہ ہوگا۔ میں نے مزید قصصیت کے لیے دو دروازے کھول کر دیکھے تو مجھے ہاتھ درد نظر آیا۔ ہاتھ درد کا فرش کالی زرد تھا۔ ایک طرف میٹا سا درجہ روشن کتب کا تھا۔ دوسری طرف لٹیشن تھا۔ وہ بھی انتہائی گندا اور جگہ جگہ سے لٹا پڑا تھا۔ میں پھر کمرے میں واپس آ گیا۔ کمرے میں سوات کا ایک بلب روشن تھا۔ اس کی تیلی روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی۔

میں نے فرش پر چڑی ہوئی لڑکی کی طرف دھیان دیا۔ وہ نور نہیں تھی، یہ نور تھی تو سیدہ دو روپے رنگ کی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ فرش پر چوڑی پڑی تھی۔ اس نے شلو اور سوٹ باندھ رکھا تھا۔ اس کے لیے، مجھے اور سیاہ بال اس کے چہرے پر چھپے ہوئے تھے۔ پھر اس کا ایک ہاتھ بھی چہرے پر تھا۔

اب تک لڑکی کسمپاسی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

"پانی... پانی..."

میں نے جگ سے پانی لیا اور لڑکی کا سر کھڑا کیا اور پانی کر پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ وہ ایک ہی سانس میں آدھا گلاس پانی پھر کچھ پانی اس کی ہاتھوں سے ہوتا ہوا درجہ رنگ کارپٹ میں یزب ہو گیا۔ میں نے اس کا سر آگس سے زمین پر رکھ دیا۔

پھر میں اللہ ہی رہا تھا کہ کس کے بیٹھے کی آواز سنائی دی۔ "کوئی ہے؟" مجھے یہاں سے نکالو۔ کوئی ہے؟"

اس آواز کو تو میں لاکھوں آوازوں میں شناخت کر سکتا تھا۔ وہ نور کی آواز تھی۔

نور پھر نکلتی۔ "مجھے یہاں سے باہر نکالو۔ کوئی ہے؟"

"پریشان مت ہو نور!" میں نے جھج کر کہا۔

"تم... تم کہاں ہو فنی؟" نور نے جھج کر پوچھا۔

"میں تمہارے نزدیک ہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں زیادہ پریشان مت ہو، میں سمجھتی یہاں سے باہر نکالوں گا۔" میں نے اسے بہانے کو بھونکی لگی دی۔

مجھے پریشانی یہ تھی کہ میرے گاڑی کہاں رو گئے؟ وہ دروازہ ان پر کھلی آ رہا تھا۔ فرش پر چڑی ہوئی لڑکی بھی آہستہ آہستہ اٹھ نکلی۔ وہ کالی کالی آنکھوں سے ابھر رہی تھی اور کچھ دیر تھی۔ پھر اس نے گردن کھٹا کر مجھے دیکھا۔ اب تک اس کے حلق سے ابھی ہی ایک جھج جھج برآمد ہوئی اور وہ خوف زدہ انداز میں بولی۔ "کو... کون ہو تم... مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"میں جہیں یہاں نہیں آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے تو غور یہ دیکھ کے کر آئے ہیں۔"

"تک کہاں ہوں؟" لڑکی نے وحشت زدہ سچے میں پوچھا۔ "تم مجھے کہاں لائے ہو؟"

"میں جہیں نہیں لایا ہوں۔" میں نے جھج کر کہا۔

"نور مجھے نہیں معلوم کہ اس وقت ہم لوگ کہاں ہیں؟"

"دیکھ! دوسرے کمرے سے نور کی آواز آئی۔"

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، میرے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔" میں نے

رازدار

مسیحی کے قصہ

معاملہ چاہے وفاداری کا ہو یا دہشت گردی کا... کبھی کبھی جانور بھی انسان کو مات کر دیتے ہیں... رازدار جب چاقو کی بازی لگ جاتا ہے تو انسان کسی چوہے کے مانند گولے کی گولیوں میں پناہ لہن کر کوشش کرتا ہے مگر جب یہ بھی نہ ملے تو وہ گولے سے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر لیتا ہے... انہوں نے بھی ان آخری لمحات میں یہی فیصلہ کر لیا جب موت پر پل ان کے قریب آتی جا رہی تھی۔

ایک نئی روکی پاسداری اور... کسی کی کھجندی کا دلچسپ ماجرا



انسانوں کے یہ دشمن اپنے سرکاری سپر سے اور نظام شمس کی تہائی کے بعد پوری کھلیاں میں پھیل گئے تھے۔ انہوں نے اپنے شہر سیاروں پر اپنے سکین بنائے تھے اور وہاں فوجی کر زمین کے... انسانوں کو ختم کرنے کے منصوبوں پر مکمل دراندازہ کر رہے تھے۔

انسان دشمن اس مخلوق نے سب سے پہلے سن بائیس سو بیسویں میں زمین پر حملہ کیا اور انسانوں کی بڑی تعداد کو موت

خلائی سفر کرنے والوں کے لیے ہنگامی حالت کا غلط کوئی اندیشہ بات نہیں ہے۔ انہیں آئے دن اس قسم کی صورت حال سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اور ان کا سفر تو ویسے ہی فطراں سے کھیلنے کے مترادف تھا۔ اسٹار شپ سمجھ اپنے طویل سفر پر دو سال پہلے روانہ ہوا تھا اور اس کا مقصد گل دے کھلیاں کے کنارے پر پڑے جانے والے ستروں کے گرد گردش کرتے خیموں میں دشمنوں کو تلاش کر کے ہٹانے کا تھا۔ یہ کنگ

مخصوصیت سے پوچھا۔
"میں تو کچھ بھی نہیں کرتا ہوں۔" میں نے ہنس کر کہا۔
"آپ پڑھتے ہیں؟" ثمرہ نے پوچھا۔
"نہ پڑھتا ہوں۔" دوسرے کمرے سے خود کی آواز آئی۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ میرے ساتھ ساتھ ثمرہ نے بھی چنگ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ میں نے دروازہ اندر سے بھی بوقت کر دیا تھا۔
"اس مرتبہ دروازے سے دستک دی گئی۔
"میں نے چیخ کر پوچھا۔ "کون ہے؟"
"دروازہ کھولو!" باہر سے کوئی چیخا۔
"تم ہو کون؟" میں نے پھر چیخ کر کہا۔
"تو دروازہ کھولتا ہے یا میں اسے توڑ دوں؟" آواز

والا فرمایا۔
"تم توڑ سکتے ہو تو توڑو۔" دوسرے کمرے سے فوری آواز سنائی دی۔
"یہ کتیا کہاں سے ہو تک رہی ہے۔" کوئی باہر سے فرمایا۔

"رفع ہو جا یہاں سے۔" میں نے چیخ کر کہا۔
"دروازہ کھول دے ورنہ میں تم میں سے کسی کو مار دوں گا۔"
"باہر سے بھائی کیے جانے گا بڑوں! اگر جرات ہے تو اندر آؤ!" میں نے اسے چڑا دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہاں ایک ہی آدمی ہے ورنہ اگر کوئی اور ہو گا تو وہ بھی ضرور بولے۔
پھر وہ دروازے پر غلچہ کرنے لگے۔ میں نے غصے سے غصے سے

میں نے سوچا کہ دروازہ کھولوں گا، تب بھی وہ لوگ توڑ دیں گے۔ مجھے دروازہ کھول دینا چاہیے۔ وہ شخص جب دروازے سے درہمیت گیا تو میں نے آہستگی سے دروازے کو بھونک کر دیا۔ وہ بھی جب وہاں دروازے سے گھر مارنے آیا تو اپنے اکیلا زور میں گھر مار کر دروازے سے اندر چلا۔

میں نے اس کی گردن پر پاؤں دھک دیا اور تھوڑا سا دھوا لگا۔ وہ بری طرح تڑپا، میں نے جھک کر اس کا راجہ اور کال کیا اور گرج کر بولا۔ "خیر و ارا"

یہ پریچ و سنسنی خیز داستان جاری ہے مزید واقعات آئندہ ملاحظہ فرمائیں

جواب دیا۔ "اس کا... نام... نام... میں لڑکی کی طرف مڑا۔" تمہارا نام کیا ہے؟
"ثمرہ۔" ثمرہ نے کہا۔ پھر مجھ سے پوچھا۔ "اسے ہم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"قارکاؤ سیک ثمرہ!" میں نے چیخ کر کہا۔ "میں تمہیں یہاں نہیں لایا ہوں۔"
"تو پھر مجھے یہاں کون لایا ہے؟" لڑکی کے لہجے میں وحشت تھی۔

"میں نہیں جانتا!" میں نے جھجکا کر کہا۔ "اور اب خاموش رہو۔"

لڑکی نے مجھے دیکھا، پھر اس نے سر جھکا لیا، اس کے جسم میں کئی کئی لہر ڈھکی ہو رہی تھیں۔ شاید وہ رو رہی تھی۔
"مستو ثمرہ!" میں نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔
"تم کیوں رہتی ہو؟"

"میں؟" اس نے میری طرف دیکھا۔ "میں گلیمرگ میں رہتی ہوں۔"
"تمہیں ان لوگوں نے کہاں سے لایا ہے؟" میں نے پھر دی سے پوچھا۔

"میں گلیمرگ سے واپس آ رہی تھی۔" اس نے کہا۔
"اچانک ایک گاڑی میرے سامنے آ کر رکی۔ اس کا سلائیڈنگ دروازہ کھلا اور میں نے مجھے اندر کھینچ لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں چینی، چٹائی، کسی نے میری ٹانگ پر رومال رکھ دیا۔ اس میں بہت تیز قسم کی بو تھی۔ میں اس کے بعد مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا؟"
"تم کسی کلاس میں پڑھتی ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"میں... فرسٹ ایئر میں ہوں۔"
"تم... فرسٹ ایئر میں ہو؟" میں نے حیرت سے اسے دیکھا، اپنے قدم کا دست سے وہ فرسٹ ایئر کی ہنگامی نہیں تھی، چہرے پر بھی بہت زیادہ خصوصیت تھی۔

"تمہارے آپ کیا کرتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔
"ایک ایک ٹیٹلنگ میں مار ٹیٹلنگ ٹیٹلنگ۔"
"تم کتنے یمن بھائی ہو؟" میں نے پوچھا۔
"ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔ بھائی جان ہم دونوں سے بڑے ہیں۔"

"گلیمرگ؟" میں نے کہا۔ میں صرف اس لیے اس سے سوال دجواب کر رہا تھا کہ اس کا وہی نام بتا رہے۔
"آپ کیا کرتے ہیں بھائی جان؟" اس نے

کے گھاٹ اتر دیا۔ خوشی سے ان کے پاس ہتھیار زیادہ
تعداد میں نہیں تھے ورنہ شاید تمام ہی انسانوں کو موت کے
گھاٹ اتر کر جاتے۔ ہتھیار جمع ہونے سے وہ واپس جانے
پر مجبور ہوئے اور انسانوں کو موقع مل گیا خود کو منظم کرنے اور
آئندہ کے لیے دفاعی اقدامات کرنے کا۔ انہوں نے
حالات کا تجزیہ کیا اور اس کی روشنی میں زمین اور نظام شمسی
کے دفاع کے لیے تیاری کرنے لگے۔ چند ٹھنڈوں میں انسان
نے ایسا دفاعی نظام تیار کر لیا جو پھر سے آنے والے کسی بھی
حملہ آور کو روک سکتا تھا۔ لہذا جب اگلی بار دشمن نے حملہ کیا تو
اسے مدد کی کھائی پڑی۔ اس کا تقریباً سارا ہی خلائی بیڑا تباہ
ہو گیا اور بہ مشکل چند ہی جہاز بچ کر فرار ہوئے جس کا مایاب
ہوئے۔ دفاعی نظام اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ اس نے دشمن کو
نظام شمسی میں کھنسنے نہیں دیا تھا۔

اس کے بعد انسانوں اور اس مخلوق میں جنگ شروع
ہوئی۔ دوسری جنگ میں شکست کے بعد اس نے کئی حملے کیے
اور اسے کئی قدر کامیابی بھی ملی، اگرچہ وہ زمین تک نہیں پہنچ
سکتی تھی۔ اس دوران میں انسان نے بھی اپنی ترقی کر لی تھی کہ
وہ نظام شمسی سے باہر نکل کر کہیں حملہ کر سکتے تھے۔ زمین کی
پہرہ کو کھلنے لے لیا کہ اب دشمن کو حملہ کرنے کی مہلت نہ
دی جائے بلکہ اب وہ اس کے پیادے پر حملہ کریں۔ اس
مقصد کے لیے ایک بہت بڑی خلائی بیڑا تیار کیا گیا جس نے
دشمن کے پیادے اور نظام شمسی پر حملہ کیا اور اسے تباہ کر دیا۔
لیکن یہ تیاری ایسی ہی تھی جتنی دشمن مخلوق کے حملے میں زمین کی
تباہی تھی۔ دشمنوں کی بہت بڑی تعداد بھی لگنے میں کامیاب
رہی اور دو کشتیوں کے مختلف پیادوں میں ۲ چھپے جہاز
انہوں نے پہلے ہی اپنے ہتھیار لے بھی نہ لیے تھے۔

یہ صورت حال تشویش ناک تھی۔ چھپا ہوا دشمن
ساتھ موجود دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ یہ مختلف
سیاروں پر چھپ کر اپنی طاقت بڑھا سکتے تھے اور زمین تک
کہ وہ اپنے طاقتور ہوجاتے یا کوئی ایسا ہتھیار ایجاد کر لیتے
کہ انسان اس کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو۔ اس لیے بہت ضروری
تھا کہ ان کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اپنے
خلائی جہاز بنائے گئے جو دور دراز سیاروں اور نظام شمسی تک
جا کر دشمن کو تلاش کر کے مٹ کر رکھیں۔ طویل فاصلوں تک
آسانی سفر کر سکیں اور ان میں ایسے پیڑے اور ہتھیار موجود
تھے جو کسی بھی سیارے میں دشمن مخلوق کو تلاش کر سکتے
ہلاک کرنے کے لیے کافی تھے۔

ان خلائی جہازوں کے ذریعے وہ دشمن سیاروں میں

جہیں دشمن مخلوق کو تلاش کر کے اس کا کامیابی سے خاتمہ
کیا۔ لیکن بہت سارے دشمن ناکام رہے۔ بہر حال اب اس
جنگ میں انسانوں کا پلہ ہماری تھا اور دشمن اب انسانوں سے
چھپتے پھر رہے تھے اور انسانوں کے خلائی جہاز وصول نہ ہوا
تو ان کو کھنسا کر دیا۔

اس بار دشمن نے بھی تیز رفتاری سے طویل فاصلوں کا
سفر کرنے کے لیے تیار کیا تھا اور اس میں دشمن پر حملہ اور
اپنا دفاع کرنے کے لیے تمام ضروری اقدامات کیے گئے
تھے۔ وہ درجنوں اکیڑوں کمانڈروں کے علاوہ اس کا حملہ پارہ افرو
پر مشتمل تھا۔ کوئی ایک کلمہ میں طویل اس خلائی جہاز کو چالنے
کے لیے اسے افرو کافی تھے۔ کیونکہ خلائی جہاز مکمل طور پر
کمپیوٹر انڈر کنٹرول تھا اور کپتان کا کام صرف کمرانی کرنا اور حکم
دینا تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر لونی تھا۔ اگرچہ کپتان کو مایاب کی
ضرورت نہیں تھی لیکن یہ ناکہ حاکم کے لیے ڈاکٹر لونی کا
تقرر کیا گیا تھا۔ اگر کسی وجہ سے جہاز نہ رہے یا اس کا تیل نہ
ہوے کہ خلائی جہاز کی کمانڈر کرے تو اس کا کام ڈاکٹر لونی کو کرنا
تھا۔ دشمن کا تقرر ڈاکٹر لونی کو کمانڈر تھا۔

موجودہ خلائی جہاز پر ٹیک بھی اور کمانڈر یا کاپیٹن کی
کام نہیں تھا کیونکہ تقریباً سارا کمانڈر کا مشینیں بنائی تھیں۔
موبی کو صرف سرو کرنا ہوتا تھا۔ اسے برتن تک نہیں دیکھنا
پڑتے تھے۔ یہ کام بھی مشینیں کرتی تھیں۔ موبی کا جیسے
فریڈ جیکس مافائی پر مامور تھا اور اس کا کام بھی یہ تھا کہ
براہر تھا وہ اصل میں سفائی کرنے والی مشینوں کی کمانڈر کرتا
تھا اور خلا میں گرد و غبار اس لیے سفائی کی ضرورت بھی کم
ہوتی تھی۔ درحقیقت سمجھ میں کسی کا اصل کام نہیں
تھا۔ اس بار دشمن خود کار پرواز کر رہا تھا اور وہ اپنے پروگرام
کے تحت ایک ایک چیز پر خود کنٹرول کرتا تھا۔ اس لیے سمجھ میں
موجودہ افرو کا بیشتر وقت آرام و تفریح اور گپ شپ میں گزارنا
تھا۔ کمانڈر کو اپنے دورانیہ دشمن وقت جسمانی اور دیگر طریق
کی مشقوں میں گزارنا پڑتا تھا۔ تاکہ وہ ہمہ وقت فٹ اور
مستعد رہے۔ دوسرے حملے پر یہ پابندی نہیں تھی اس لیے ان
کے مزے تھے۔

موبی اور جیکس اپنی خوشی سے اس طویل مشن میں
شامل ہوئے تھے۔ کیونکہ پانچ سال کے عرصے میں انہیں اپنی
موجودہ جہاز کی وہ شادی کر سکتے تھے اور پچاس سال یا کوئی کام
کے عیاشی سے گزار سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس
بار خطر سفر پر جانے کی ہمت بھی نہیں کی۔ اگرچہ وہ خلائی جہاز پر
پہلے درجے کے حملے میں سے تھے پھر بھی انہیں اپنی درجہ کی

کامیابیات جیت سکیں۔ جو وہ ایک ساتھ رہنا چاہتے تھے اس
لیے انہیں مشترکہ اپارٹمنٹ بنا ہوا تھا۔ اس وسیع و عریض
اپارٹمنٹ میں دو بیدروم، بلاڈنگ، کچن اور بانیٹھن تھیں۔ یہاں
ہر ایک کمرہ میں جو اسٹار شپ کے کسی دوسرے اپارٹمنٹ میں
مل گئی تھی۔ یکساں سہولتوں کا قطعہ طویل عرصے تک ساتھ
سفر کرنے والوں میں زیادہ سے زیادہ پکارت اور اپناایت
پر تیار رہنا تھا۔ کام سے ہٹ کر وہ سب آپس میں دوست اور
ساتھی تھے۔ ان میں کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں تھا۔ یہ پاسی
کا مایاب رہی تھی اور تقریباً سارا ہی افرو کے ایک دوسرے
سے اپنے تعلقات قائم تھے۔

موبی کی ڈاکٹر لونی سے ذاتی دوستی تھی۔ کیونکہ ڈاکٹر
لونی کے پاس ایک چھوٹا اور خوب صورت کتا تھا۔ کوئی ایک ہی
اس کتے میں ڈاکٹر لونی کی جڑ تھی۔ جدید کڑیوں کے اوقات
میں بھی وہ ڈاکٹر لونی کے ساتھ ہوتا تھا۔ کوئی ایک ہی ڈاکٹر لونی کا
دروازہ تھا۔ کتا اور چھوٹے کتے کے لیے بھی اس کی نظروں سے
انہیں ہوتا تو کوئی ایک بے چین ہو جاتا اور جب تک ڈاکٹر لونی
اسے دیکھ کر نظر نہیں آ جاتا اس کی بے قابوئی برقرار رہتی
تھی۔ دوسرے لوگ مذاقی میں کوئی ایک کو ڈاکٹر کی بھوپہ کہتے
تھے۔ بلکہ کمانڈر ویم کے سربراہ ایک کا کہنا تھا کہ آدمی اپنی
محبوبہ سے بھی اپنی محبت نہیں کرتا جتنی محبت ڈاکٹر کوئی ایک سے یا
کوئی ایک ڈاکٹر سے کرتا تھا۔ ڈاکٹر اصل میں اسٹار شپ کا ڈاکٹر
تھا اور تاب کا عہدہ تو اس اضافی تھا۔ جب ڈاکٹر لونی کسی کو
سنا کر کرتا تو ظاہر ہے کوئی ایک کو اس کے کمرے سے باہر رہنا
پڑتا تھا اور یہ وقت نہ صرف کوئی ایک بلکہ ڈاکٹر لونی پر بھی ہماری
گزارش تھا۔ کیونکہ جیسے ہی ڈاکٹر اپنے کام سے فارغ ہوتا تو
جیدھا کوئی ایک کے پاس آ جاتا تھا اس کا انتظار کر رہا ہوتا تھا اور
دونوں بول والہانہ انداز میں ملتے جیسے سالوں سے کچھلے
ہوئے ہوں۔

موبی اور ڈاکٹر میں دوستی کی وجہ یہ تھی کہ موبی اس کے
کتنے کا خیالی دوست تھی اور اسے اس کی پسند کی چیزیں بتا کر کے
کھاتی تھی۔ حالانکہ کوئی ایک کی خوراک تیار کرنا موبی کی ذمہ
داری نہیں تھی۔ اسے کوئی ایک اچھا لگتا تھا۔ اس پر جیکس اسے
پھیرتا تھا کہ وہ انہیں ڈاکٹر کی صرح کوئی ایک پر عاشق نہ ہو
جائے۔ موبی اسے کہتی کہ اگر وہ پہلے ہی انہیں کی محبت میں
گرفتار نہ ہوتی تو یقیناً کوئی ایک کو پسند کر لیتی تھی اور تھا ہی اکتا جاتا
اور معصوم۔

اسٹار شپ سمجھ کو کپتان کے جس حصے میں بھیجا گیا تھا
وہ زمین سے کوئی دو سو نو سو سال کے فاصلے پر تھا۔ یعنی اگر

روشنی کی رفتار سے سفر کیا جائے تو اس جگہ تک پہنچنے میں دو سو
سال لگ جاتے۔ لیکن سمجھ میں طاقت اور ترین اپنی نصب تھا
چروے روشنی کی رفتار سے سو گنا رفتار پر اڑا سکتا تھا اس لیے
سمجھ میں یہ مسئلہ دو سال میں طے کر لیتا۔ اپنی منزل پر پہنچ کر
انہیں اس علاقے میں کوئی ایک سو کھانسی کو کھنگالنا
تھا۔ ان ٹیکس کم سے کم ایک ہزار سال سے ایسے حصے جن میں
انسانوں کی دشمن مخلوق کے پائے جانے کے امکانات تھے۔
وہ ایک سال تک وہاں رو کر ان سیاروں کا جائزہ لیتے اور اگر
کچھ دشمن کا سراغ ملتا تو ان کا تیل جمع کرتے۔ اس کے بعد
وہی کا سفر شروع کرتے۔ جوں اُن کے چار سال سفر میں
گزارتے، لیکن زمین کو دشمن مخلوق سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ
ذمہ داری ہوتی کرنی ضروری تھی۔ دوسرے ذہنی طور پر اس
کام اور اس سے مشغول فطرتوں کے لیے تیار ہو کر آنے
تھے۔

کلائم ای سی آر سے سفر کے دوران جب وہ کچھ دور
کے لیے ٹھہرتے تو انہیں دوسرے انسانوں کی صورت نظر
آ جاتی۔ زمین سے مشابہ یہ سیارہ نظام شمسی سے کوئی پچاس
نوری میل کے فاصلے پر تھا اور یہاں پر زندگی کے لیے
حالات تقریباً زمین جیسے تھے، اس لیے اس سیارے
پر انسانوں کی کشتی کا کام جاری تھا۔ وہاں کلائم جیسے کئی
سیارے تھے جہاں انسانوں کو آباد کیا جا رہا تھا۔ اس سے
زمین پر انسانوں کا بوجھ کم ہو رہا تھا۔ سفر کے چھ مہینے وہ
کلائم کے پاس پہنچے اور ہر سمجھ نے ٹیکوں اور ہزاروں
سے بچے اس سیارے کے گرد و کار کھڑے کیا۔ اس سیارے پر
انسانوں کے لیے فی الحال ایک شہر آباد کیا گیا تھا اور ابھی اس
میں توسیع کا کام جاری تھا۔ سمجھ کا مکمل عمل میں ڈھک کر کلائم پر
اتر گیا اور انہوں نے ایک ہفتہ بھر چھوٹے قفر میں
گزارا۔ یہاں آب و ہوا اور ماحول زمین سے اچھا تھا اس
لیے انہیں مزہ آیا تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ خلائی جہاز میں کتنی
فی سہولیات دی جاتی ہیں، وہ زمین کی تفریحات کا شہول نہیں
ہو سکتی تھیں بہر حال اس قیام نے ان کو تازہ دم کر دیا تھا۔
موبی کا خیال تھا کہ سمجھ میں جا رہا ایسی انسانی آبادیاں
ہو جائیں گی تو لوگوں کو طویل سفر سے نجات مل جائے گی۔

ایک ہفتے بعد وہ دوبارہ سفر پر راض ہوئے اور تازہ
سال بعد وہ کپتان کے بیرونی بازو کے حصے میں پہنچ گئے
جہاں انہیں مختلف سیاروں پر دشمن مخلوق کو تلاش کرنا
تھا۔ زمین اور نظام شمسی کے آس پاس تمام سیاروں پر اس
دشمن مخلوق کو تلاش کر کے ہلاک کیا جا چکا تھا۔ اب انسانوں کی

تو جہاں وہ دروازے کے سپردوں پر تھی۔ لیکن کا خیال تھا کہ اب دشمن مخلوق میں اتنا دم نہیں رہا ہے کہ وہ انسانوں پر حملے کا سوچے۔ لیکن مولیٰ کا خیال ایک تھا۔ اس نے لیکن سے کہا۔
 "دشمن مخلوق ہمارے کئی غلامی جہاز تیار کر چکی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اب بھی ہمیں نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لیے ان کے خلاف کارروائی جاری رکھنی چاہیے۔"

لیکن نے کہا۔ "اتنی دور دراز کی مہمات پر مدد شروع کرنے کے بجائے پہلے ہمارے پاس ہونے والے دشمنوں اور نظام دشمنی کا دلائل مضبوط کریں تاکہ اگر دشمن مخلوق حملہ کرے تو ہم اسے ناکام بنا سکیں۔"

مگر مولیٰ اس معاملے میں قطعی جملے کی قیودی کی قائل تھی۔ دشمن مخلوق کو موقع مل جاتا تو وہ کوئی ایسا ہتھیار بنا کر انسانوں پر حملہ کر سکتی تھی جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتا۔ ان وقت دفاعی سسٹم بے کار ہو جاتا۔ مگر چہ یہ بحث ہے سچی تھی مگر سفر کے دوران میں بھی جاری رہی۔ مذکورہ علاقے میں پہنچنے کے بعد میسج پر ہنگامی حالت کا غلاف کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ معمولی دوسرے کی ہنگامی حالت تھی کیونکہ وہ اب اپنے علاقے میں تھے جہاں دشمن مخلوق کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا اور جہاں طرح وہ ان پر حملہ کر سکتے تھے۔ بالکل اسی طرح دشمن بھی ان پر حملہ کر سکتا تھا۔ دشمن کا مرکزی سپر ہتھیار ہوا تھا لیکن ان کے پاس ہتھیاروں کی کمی تھی۔ ان کے پاس ایسے ہتھیار تھے جو ایک قومی کھٹے کی مسافت پر رادار کرتے تھے۔ اس لیے غلامی رہا از حد ضروری تھا۔

ایک نے ایک میٹنگ کال کر لی جس میں حکومتی عملی کی وضاحت کرنا ضروری تھا۔ اور تمام ممبروں کو کھٹے خطرات سے آگاہ کرنا تھا۔ اس لیے میٹنگ کے وقت مولیٰ اور لیکن بھی ال میں موجود تھے۔ ایک نے کہا۔ "میں سے پہلے احتیاطی تدابیر کے بارے میں جان لیوا۔ اگر دشمن نے میسج پر حملہ کیا تو لازم ہے کہ سب کو خطرات کی طرف جانا ہوگا اور جیسے ہی ریز اشارہ ملے دشمن کو میسج سے الگ کر کے اس سے دور چلے جانا ہوگا۔"

مولیٰ جانتی تھی ایسا صرف اسی وقت کرنا تھا جب دشمن اپنے کسی ایسے ہتھیار سے میسج پر حملہ کرے جس کے بارے میں دشمن کی پہلی کا عنصر ہو۔ میسج میں حملے سے پہلے خبردار رہنے والا سسٹم ہوا تھا۔ کسی بھی حملے کی صورت میں اس کا ایک نظام خود بخود حرکت میں آجاتا اور وہ دشمن کے حملے سے ہتھیار کو تیار کرنے کی کوشش کرتا لیکن ہتھیار کی حالت کو

ان کے پاس سوائے فٹل میں بیٹھ کر فرار ہونے کے اور کوئی محفوظ راستہ باقی نہ رہ جاتا۔ ایک کہہ رہا تھا۔ "فٹل میں تمام ضروری اشیاء کی موجودگی یقینی بنائی جائے اور بیشک فوراً بعد اس سلسلے میں جانچ کی جائے۔"

"میں سناتا رہا۔" مولیٰ نے کہا۔
 "ہتھیاروں سے حملے کے علاوہ دشمن کو شش کرے گا کہ میسج پر قابض ہو جائے۔ اس کے لیے وہ دوپ بول کر جہاز میں آ سکتا ہے۔ انہی لیے سب اپنے پاس ای ٹیکٹر رکھیں اور کسی بھی شے کی صورت میں اس سے شکوک کوئی کو فرار ہو کر رہیں۔"

دشمن مخلوق ہمیں بدینے کی ماہر تھی۔ کسی خاص انسان کی صورت بھی اختیار کر سکتی تھی۔ اس لیے ہنگامی حالت کے دوران میسج پر موجود ہر فرد کے لیے ای ٹیکٹر کو دکھانا لازمی تھا۔ ایک دیکھ رہا تھا۔ "جب کوئی دوسرا کسی سیارے کو چھب کرنے کے لیے اترے تو پہلے وہ جو نے دالوں کے لیے لازمی ہے کہ وہ میسج سے مل کر دے تاکہ باہر سے اسے کوئی نہ کھول سکے۔ خود سب رو رہے اور رابطے کے آلات مستقل اپنے ساتھ رکھیں تاکہ جیسے ہی کوئی خطرہ محسوس کریں اپنے ساتھیوں کو خبردار کر سکیں۔"

کمانڈر کے پاس بڑے اور خطرناک ہتھیار تھے لیکن عام عملے کے لیے ایسی ہتھیاروں کی ضرورت نہیں تھی جس جس جہاز میں بھی زندہ جسم لیکن تو ذکر اسے فراموش نہیں۔ ان سے نہ کوئی کوئی تھی اور نہ راز آتی تھی۔ لیکن انہیں استعمال کرنے والے کے لیے لازمی تھا کہ وہ ایسی ہتھیاروں کو درست طریقے سے استعمال کریں۔ رازداروں کے ساتھ یہ کئی چالے والے کو بھی موت کی خیر خواہی تھی۔ کیونکہ ہتھیاروں کے راز سے میں اس کا خیال اور ہوتا تھا۔ چاہے دشمن کسی چیز کے پیچھے کیوں نہ چھو ہو۔ مولیٰ اور میسج کے دوسرے عام عملے کو ہتھیار کے استعمال اور اس کی حفاظتی تدابیر کی خوب مشق کرانی تھی۔

میں نے کہا۔ "میں نے اپنے بعد اب سپردوں پر اتر کر دشمن کی تلاش کے بارے میں برسرِ فک شروع ہوئی۔ مولیٰ اور لیکن نے کل آئے۔ مولیٰ اور لیکن اپنے پارکمنٹ میں بیٹھے آئے۔ مولیٰ نے محسوس کیا کہ لیکن کچھ پریشان تھا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟"

لیکن نے کہا۔ "دشمن کی تلاش میں اتنی دور آنا اور پھر ویران سیاروں میں اسے تلاش کرنا اور دماغ کسی قدر مشکل کام

"دو تھے لیکن انسانوں کے محفوظ مستقبل کے لیے یہ ضروری ہے۔" مولیٰ نے کہا۔ "خیر چھوڑو آج سے پہلے ہی تدابیر کی مشقیں شروع ہونے والی ہیں۔"

مشقوں میں ان کو کئی امور پر وہ سارے کام کرنے کے لیے جو کسی ہنگامی حالت کے لیے مخصوص تھے۔ دورانِ دو مشقیں کرتے رہے اور اس دوران میں میسج ایک سرخ رنگ کے دیو قامت ستارے کے نظام شمسی میں داخل ہوئے۔ وہ ستارے کے ساتھ کوئی دو سو سیاروں اور ان کے کوئی ایک ہزار دہائی سیاروں کا ایک بہت بڑا مجموعہ تھا اور اس میں کئی سیارے ایسے تھے جہاں دشمن مخلوق کے رہنے کے لیے حالات نہایت سازگار تھے۔ اس لیے وہ ان کے پائے جانے کے امکانات بھی تھے۔ اس نظام شمسی میں داخل ہوتے ہی میسج پر موجود ہتھیاروں کی ہنگامی حالت نہ تھا کہ اسے گھٹے تھے۔ اس حالت میں تمام ممبروں کو ہمد وقت سسٹم میں ایسی ہتھیاروں کی موجودگی کی اطلاع تھی۔ لیکن اس کے بعد فٹل میں فٹل میں فٹل ہو جانا چاہیے تھا۔ ورنہ اس کے بعد فٹل کے دوران میں فٹل کے فٹل کے فٹل سے ہند ہو جاتے اور کسی صورت میں کھٹے۔ فٹل میں داخل ہونے کے بعد میسج کے ہنگامی حالت نہ تھا جو بالکل تھی اور اس میں تمام افراد کو مستقل ہتھیار ہونا پڑتا تھا۔ ایک پھر تھے وہ بے کئی ہنگامی حالت میں تھے اور وہ اس صورت میں ہوتی کہ جب دشمن کسی طرح سے میسج میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ میسج کا عام غلاف اس ہنگامی حالت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ یہ بہت راز داری کا معاملہ تھا اور صرف بڑے درجے کے افسران ہی اس کے بارے میں جانتے تھے۔

سرخ سیارے کے نظام شمسی میں داخل ہونے کے بعد کمانڈر سپردوں پر اترنے کی تیاری کرنے لگے۔ ان کے لیے میسج میں کئی جہازیں تھیں جن میں حملہ کرنے کے لیے تمام ضروری ہتھیار موجود تھے۔ سب سے پہلے نظام شمسی کے بیرونی علاقے میں موجود ایک نیچے سیارے کا انتخاب کیا گیا۔ یہ ٹھوس سطح والا بہت سرسبز سیارہ تھا۔ اس کا درجہ حرارت منفی تھیں تو گرمی سہلی کر پڑتا تھا۔ دشمن مخلوق اس درجہ حرارت کی عادی تھی اس لیے وہ سکون سے یہاں رہ سکتی تھی۔ میسج نے سیارے کے گرد مدار قائم کر لیا اور پھر کمانڈر کی ایک ٹیم ایک فٹل میں بیٹھ کر سیارے پر روانہ ہوئی۔ باقی لوگ کمانڈر اور دوسری فٹل میں ہنگامی مدار کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ان کا اصل

مشن شروع ہو گیا تھا۔
 مولیٰ اور لیکن ایسی ہتھیاروں کی ٹیم میں تھیں اور ان میں سنبھالے ہوئے اپنے کام میں مصروف تھے۔ لیکن آرام کے وقت میں کئی نیچے مولیٰ کے پاس آئے۔ کئی فٹل کے دوران اس نے کہا۔ "میں نے کمانڈر کو کئی طرح کی طرح میسج میں فٹل میں اور ہمیں معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟"

"اس صورت میں امکانات اسی وقت درجے جائیں گے۔" مولیٰ نے جواب دیا۔ "ابھی ہم میں سے کسی کو کئی معلوم کر اس صورت میں کیا کرنا ہے۔"

"یہ احتمال پائیس ہے کہ دشمن کمانڈر جہاز میں وہی باقی ہے۔ تو باقی بچنے والوں کو کون بتائے گا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے؟"

"یہ مفروضہ ہے اس کی وجہ سے راز کی باتیں سب کو نہیں بتائی جا سکتیں۔"

لیکن نے منہ بنا لیا لیکن اس نے مزید کچھ نہیں کہا اور اپنے کام پر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی ڈاکٹر کا کمانڈر کو ٹیک وہاں آگیا اور مولیٰ کے بیروں سے اپنا سر سرگڑنے لگا۔ وہ مولیٰ سے کھانے کی کسی چیز کا مطالبہ کر رہا تھا۔ مولیٰ نے اسے پیار کیا اور اس کی پسند کی ایک پیسٹری نکال کر گرم ہونے کے لیے اوون میں رکھی اور پھر اسے نکال کر کو ٹیک کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے چھدی چھدی پیسٹری کھائی۔ دم ہلا کر اور بھونک کر اس کا شکریہ ادا کر کے وہ واپس چلا گیا۔ ڈاکٹر جانتا ہے کہ فٹل میں مصروف تھا اور اس کے پاس رات نہیں تھا کہ وہ کو ٹیک کو کچھ کھاتا۔

رات کے کھانے کے وقت ڈاکٹر کے روم میں سوائے کمانڈر کے باقی سب موجود تھے۔ کئی ٹیم کو روانہ ہونے چھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا اور ابھی تک ان کی طرف سے کاسیالی یا ناکامی کی کوئی رپورٹ نہیں آئی تھی لیکن اس پر شب سے ان کا رابطہ برقرار تھا۔ ابھی وہ کھائی رہے تھے کہ اچانک کمانڈر کے کمانڈر کے پاس پراشارہ موصول ہوا۔ اس نے موبائل دیکھا اور پریشان نظر آنے لگا۔ اس نے ڈاکٹر اور انجینئر کو شاک سے کہا۔ "کوئی مسئلہ ہے؟"

دو تین منٹ کے اندر کمانڈر کے روم کی طرف چلے گئے۔ باقی افراد گھر میں ہو گئے تھے۔ مگر چہ ان کے کنٹرول روم میں جانے کی پابندی نہیں تھی لیکن کسی بھی ہنگامی حالت میں انہیں اپنے جیسے میں محدود رہنے کا حکم تھا۔ اس لیے وہ فطرتی میں اپنا کمانڈر فٹم کر کے اپنے حصوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہیں

نہیں معلوم تھا کہ کیا ہوا ہے۔ اگر سوار سے پر جانے والی بھڑکے کے ساتھ کچھ ہوا تھا تو کپتان بھڑکے کی طرف سے تیسرے درجے کی بھڑکائی حالت کے خلاف کا اعلان ہو جانا چاہیے تھا۔ مولیٰ اور جیکسن شٹل میں جانے کے لیے بڑی طرح تیار تھے اور اس کے کان بھڑکائی حالت کے اعلان کے منتظر تھے، لیکن کئی منٹ گزر جانے کے بعد بھی ایسا کوئی اعلان نہیں ہوا۔

"گزر پڑا ہوا دھڑک رہی ہے۔" جیکسن نے تشویش سے کہا۔ "نہیں دشمن ہمت میں تو نہیں گھس آیا ہے۔"

"ہائپر انسی باتیں مت کرو۔" مولیٰ نے جبر جبری لی۔ "یہ تھوڑی ٹوف ٹاک ہے۔"

"جب کپتان اور دوسرے لوگ کہاں سو گئے ہیں۔" فطردیہ تو اس کا اعلان کیوں نہیں کر رہے اور اگر فطردیہ نہیں ہے تب بھی کیوں نہیں بتا رہے ہیں؟"

یہ سوالات مولیٰ کے ذہن میں بھی تھے لیکن ان کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ ان حالات میں ان کے لیے ایک ہی واضح حکم تھا کہ اپنے حصے میں ٹھہریں اور اسے بند کر کے رہیں۔ انہوں نے اپنے اپڈریٹ کے آس پاس کا حصہ بھی اس طرح بند کر دیا تھا کہ ان کی مرضی کے بغیر اسے کوئی نہیں کھول سکتا تھا سوائے سمیٹھ کے مرکزی کپیڈر سسٹم کے۔ انہیں یہاں آئے ہوئے چار منٹ گئے ہونے کو آئے تھے۔ مولیٰ نے اعتراف کر دیا کہ دوسرے افراد سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو صرف تین افراد سے رابطہ ہوا تھا۔ یہ ایک وٹھرا اور باربی تھے۔ ان کے علاوہ کوئی اپنے حصے میں مولیٰ کی کال نہ سہیو نہیں کر رہا تھا۔ وہ نہیں بھی پریشان تھے۔ انہوں نے آئیں میں کانفرنس کرنی تھی اور مستقل رابطے میں تھے۔ دیگر سوالات کے ساتھ اس پر سوال بھی انہیں پریشان کر رہا تھا کہ ان کے باقی ساتھی کہاں چھپ گئے تھے؟ جیکسن نے کہا۔

"ہمیں باہر نکل کر دیکھنا چاہیے۔"

شرالے اختلاف کیا۔ "یہ ہدایت کی خلاف ورزی ہو گی۔"

"عام حالات میں ہو سکتی ہے لیکن یہ عام حالات نہیں ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اسٹار شپ پر اس وقت کیا ہو رہا ہے لہذا ہمیں باہر نکل کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔" جیکسن نے کہا۔

"مرض کرو دشمن یہاں آ چکا ہے۔" باربی نے کہا۔ "اس صورت میں دھڑا باہر نکلنا سب سے بہتر ہے۔"

"اگر ہم نہ نکلے تو بھڑک کر مرنے کے امکانات ہیں۔"

کہا۔ "اگر دشمن اندر آ چکا ہے تو ہم یہاں بھی محفوظ نہیں ہیں جلد یا بدیر وہ یہاں بھی آ جائے گا۔"

"لیکن کیا ہم ایسے دشمن سے مقابلہ کر سکیں گے؟" سے ہمارے تربیت یافتہ کمانڈرز بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔

"نیک نے گفتگو کی۔"

"یہ سب مضمونیات ہیں۔" جیکسن جھجھکا گیا۔ "اصل حقیقت اسی وقت بتا چکے گی جب ہم باہر نکلیں گے۔ اگر سب کچھ ٹھیک ہو تو ہم کپتان سے معافی مانگ لیں گے۔"

دوسرے سوچا میں پڑ گئے۔ دوسرے درجے کے بھڑکائی حالات میں ہدایات کی خلاف ورزی اتنی سنگین نہیں تھی اور عام طور سے معمولی جرائم سے بات کی جاتی تھی۔ کسی قدر بحث کے بعد انہوں نے عین وہی ایکٹریت سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ ایک دانشمندی تھا اور مولیٰ نے بھی اپنے موقف کے خلاف جیکسن کا ساتھ دیا۔ ملے ہوئے کہ دوسرے جیکسن میں بھی ہوا گئے۔ سب سے پہلے مولیٰ اور جیکسن وہاں پہنچے۔ وہ جاکر تھے اور دشمن سے ٹھٹھنے کے لیے تیار تھے۔ راستے میں انہیں نہ تو کوئی فرد ملا اور نہ ہی کوئی ایسی صورت حال نظر آئی جس سے بتا چکی ہو کہ دشمن جہاز میں آ چکا ہے۔ بلکہ دیر میں ایک وٹھرا اور باربی بھی آ گئے۔ اس سے پہلے انہوں نے ایک دوسرے کو ڈی ٹیکٹر کی مدد سے چیک کیا اور دوسرے انہوں کی نظر آ گئے۔

"فکر ہے یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" مولیٰ نے کہا۔ "ہمیں سب سے پہلے کنٹرول روم میں جانے چاہیے۔"

باربی نے جھڑکائی۔ "وہاں سے پتہ چلے گا کہ کیا ہوا ہے۔"

اگرچہ کپتان بد حالات کے آگے نہیں تھے لیکن ان سب کے اندر یہ حد تک موجود تھا کہ کچھ ہو چکا ہے۔ ورنہ سب کہاں غائب تھے۔ وہ کنٹرول روم کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں پوری طرح ہوشیار تھے۔ ان کی توقع کے عین مطابق وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ ورنہ اس وقت خود کار طریقے سے چل رہا تھا۔ مولیٰ نے بڑی اسکرین پر دیکھا اور باربی نے یہ رشتہ رشتہ جہاز سے دور جا رہا ہے۔

"دور جا رہا ہے۔" باربی نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ "لیکن کہاں جا رہا ہے؟"

"اس کے انجن بند ہیں۔" شرالے نے انکشاف کیا۔ اس نے پائلٹ کا اضافی کورس بھی کیا ہوا تھا اور وہ جہاز کو پائلٹ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ کپتان بھڑکائی کی قالی نشست پر آ گئے اور اس نے فٹن کے چند منٹ چھیڑے۔ مولیٰ نے جھک کر دیکھا۔

کہا۔ "اگر اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اگر اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

"اس کے انجن بند ہیں تو یہ جہاز کب تک چلے گا؟"

میں کھنکھاتی ہوں دشمن نہیں ہے وہ شاید اپنا کام کر کے یہاں سے جا چکے ہیں۔"

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ابنا کوم؟" مولیٰ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”لڑیں کرو اسے کوڑا آتا ہے تو یہ لڑائی سے تو بنائے سے رہا۔“

شراب بولی۔ ”مجھے یاد ہے ڈاکٹر اسکرہیل شوق سے کھینچا تھا اور یہ اس وقت اس کے پاس بیٹھا ہوتا تھا۔“

”اسکرہیل۔“ مولیٰ بولی۔ ”تھکن چلنے سے ڈاکٹر کے روتے سے اسکرہیل کے آگے ہمارے پاس وقت گزر گیا ہے۔“

ان کے پاس وہ کھینچے سے بھی کم وقت رہ گیا تھا۔ لیکن بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ وہ چلنے سے جا کر ڈاکٹر کے دھڑ سے اسکرہیل گیم لے آیا۔ مولیٰ نے اسکرہیل میں درجے کر کوئیک کے سامنے رکھ دیے اور بولی۔ ”کوئیک کوڑا بتاؤ شاپش۔۔۔۔۔ گزروائے۔“

وہ منہ اٹھائے اس کی طرف اٹھ رہا تھا۔ مولیٰ بار بار اسے قریب سے دیکھ رہی تھی لیکن وہ اسے مصیبت سے دیکھتا رہا۔ میک نے ہاتھ سے کہا۔ ”میرا نہیں خیال اسے کوڑا معلوم ہوگا۔“

”نہیں میرا خیال ہے اسے کوڑا معلوم ہے لیکن یہ کسی مخصوص لحاظ یا جملے کے جواب میں کوڑا قریب سے گئے۔“ مولیٰ بولی اور پھر کوئیک کے ساتھ لگ گئی۔ اب وہ ایسے لفظ یا جملے پر ہر ارقی کی جو اس کے خیال میں کوئیک کوڑا قریب سے آتا پر مجبور کر سکتے تھے۔ مگر ہر لفظ یا جملے کے جواب میں کوئیک سکون سے بیٹھا اسے اچھا دیتا تھا۔ اب مولیٰ بھی باہر سے ہونے لگی تھی۔ اسے جنھن کی بات درست لگ رہی تھی کہ کوئیک کوڑا کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا مگر اس نے بہت نہیں ہاری تھی۔ وہ مشکل انداز میں منہ میں آنے والے الفاظ کہے جا رہی تھی۔ ”سیدھی کہو۔“

اس نے یہ الفاظ کہے تو کوئیک نے بھی ہر چونک کر اسے دیکھا۔ مولیٰ نے یہ تبدیلی نوت کی تھی۔ اس سے پہلے کوئیک بالکل سادہ بیٹھا ہوا تھا۔ مولیٰ نے پھر کہا۔ ”سیدھی کہو۔“

کوئیک اچھل کر اسکرہیل کی طرف آیا اور اس میں حروف تلاش کرنے لگا۔ اس نے پہلے کیو نکالا۔ سوچی نے اسے سامنے رکھ دیا۔ پھر اس نے یو نکالا۔ آئی کے بعد اس نے پھر کے نکالا۔ اس سے لفظ کوئیک بن گیا۔ پھر اس نے ایک نمبر نکالا۔ ایک ادوی اور آخری نکالا۔ مولیٰ نے سب قریب دیا تو جملہ بنا۔ ”کوئیک فرسٹ لو اس میں اس کی طرف آ رہے تھے۔“

”سچی کوڑا ہے۔“ مولیٰ بولی۔

”ابھی لگاتے ہیں۔“ شراب نے کہا اور سسٹم سے کوڑا اتر

کی ریکورسٹ کی۔ سسٹم سے آواز آئی۔

”کوڑا کے وہ حروف اتر کیے جا چکے ہیں یاد رہے کہ اس کی صورت میں سسٹم ایک ہو جائے گا اور آئندہ وہ کوئی کوئی دوسرا کواڈرل نہیں کرے گا۔“

گو یا ان کے پاس ایک ہی موقع تھا۔ مولیٰ آگے بڑھی اور اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ بولی۔ ”ہمیں کوشش کرنی چاہیے۔“

”سوچی لو۔“ پارلی بولا۔ ”اگر کوڑا رہو ہو گئی تو ہمارے پاس دوسرا موقع نہیں ہوگا اور درست کواڈرل گیا تو اس سے لاکھ نہیں اٹھا سکیں گے۔“

”مجھے یقین ہے یہ درست کوڑا ہے۔“ مولیٰ نے کہا۔ ”لیکن میں ایک بار پھر کوئیک سے ترقیب دوں گی۔“

مولیٰ نے کوئیک سے دوبارہ یہ کام لیا اور اس نے اس بار بھی یہی حروف نکال کر دیے۔ مولیٰ نے دھڑکتے دل کے ساتھ حروف غائب کیے اور اٹھ کر باہر دیا۔ وہ سب انتظار تھے کہ سسٹم کیا جواب دیتا ہے کچھ دیر میں آواز آئی۔ ”کوڑا درست ہے قبول کیا جاتا ہے۔“

یہ سننے ہی وہ ٹوٹی سے بچی اٹھی اور ایک دوسرے پر پٹ گئے۔ پھر شراب نے سنبھل کر سسٹم کو ٹھیک اسٹارٹ کیے جا چکے اور زمین کی طرف راہی کا اشارہ دیا۔ ”جائے۔“

چند لمحوں میں میمنہ کے آٹھن اسٹارٹ ہوئے اور اس نے موٹر کاٹتے ہوئے سرخ سڑک سے گزرتے ہوئے شروع کر دیا۔ چند لمحوں میں وہ اس کے کام میں آئی۔ باہر آگے گئے۔ ان کا مشن ایک کمزور تھا لیکن وہ اپنی جان اور جانور جہاز کو بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ میمنہ کے زمین کی طرف روانہ ہونے کے بعد وہ سب جگہ میں جمع تھے۔ لیکن وہ اپنے ساتھیوں کو سچی کرا لہر دے تھے جو اب ان کے ساتھ نہیں تھے۔ مولیٰ سب کے لیے کھانا لگا رہی تھی۔ اس نے کوئیک کو ایک ڈش میں اس کی ٹوڑا ک ڈالی۔ ڈاکٹر کے ہاتھ اس کی دے داری اس نے سنبھالی تھی۔ اس نے ان سب کو جان بچائی تھی۔ شراب نے کہا۔ ”اگر آج کوئیک نہ ہوتا تو ہم سرخ سڑک سے ایک حصہ ہی بچے ہوتے۔“

”ڈاکٹر نے اچھا راز دیا۔“ حوٹا تھا۔ ”مولیٰ نے محبت سے کوئیک کو دیکھا۔“ یقیناً یہ اس قافلے سے کراسے راہ دیا جاتا ہے۔“

www.pakpu.com

حضرت یرمیاہ علیہ السلام

رشتہ سہ صاحب

بہن! اسرار ایل کی تاریخ و وقت صحت کے معیار پر مبنی ہونے والا ہے اس مقام پر کہ جس وقت سے بزرگی کا قاج اترنے والا تھا۔ بالخصوص میں حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے ایک بار یہ باتیں مشہور کیا۔۔۔۔۔ میں نے ان کو یاد کیا ہے کہ وہ بیکھا کہ کسی اور اپنے چاکہ پر غصہ رکھتا ہے اور دوسری طرف بدنامی کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی کبھی وہ بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ کبھی اس میں کوئی شائع نہیں ہوتا بلکہ اس میں جیسے جیسے ہوتا ہے۔ خدا اس میں غیبی تم جیسے کوئی اور قوم بنائے گا۔

نبی اسرائیل کی سرکشی۔۔۔۔۔ بیت پرستی اور ایمانے کرام کی جد مسلسل کا احوال



یہ وہ شکر کے لیے نہایت سخت وقت تھا۔ موسیٰ نے ان کے آواز میں سرگرمی کے مقام پر ایک فیصلہ کن لڑائی ہوئی جس میں ان کی فوجوں نے مصر میں کوہ سینائی فاش دی۔ جنوبی فلسطین کے اندر آئی اور تک پیش قدمی کر لی کہ یہ وہ شکر کے خزانے نوت لیے اور لوگوں کو یہ حال بنالیا۔

مقلد کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور دونوں فریقوں میں ہمدردی فطری انسان افکار پر چھوٹے تھیں۔ یہودیت نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر باطل کو خراج دینا بند کر دیا۔ شاہ باطل اس گستاخی پر چڑا ہوا تو بہت ہوا لیکن اس نے اپنی فوجوں کو یہ دشمن کی طرف نہیں بھیجا مگر لوٹ مار کرنے والے کسب کی ہتھکڑی کو سدا کرتا رہا کہ یہود اور پرستے کرتے رہیں۔ خرائیدوں کا ایک ذخیرہ ہونے والا سلسلہ چلتا رہا۔

اسی جنگ واری میں ایک معمر کے کے دوران یہودیت پر مبنی حضرت یرمیاہ علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق اس کی لاش یرمیاہ کے چھٹوں کے باہر پڑی رہی اور پھر غائب ہو گئی۔ شاہ بددوسری لاشوں کے ساتھ اسے بھی گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ اسے شاہی تدفین بھر دی گئی۔

اس کا بیٹا یہودیت کی تفت پر بیٹھ ضرور گیا لیکن نہیں سمجھتا تھا کہ باطل کی فوجوں نے ظہر کو گھیر لیا۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے جن اندیشوں کی طرف قوم کی توجہ دلائی تھی وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہو رہے تھے۔

یہودیت کی بنیاد پر دیکھا کہ مقابلہ کرنا لفظوں ہو گا۔ اس نے شاہ باطل کو گھیر کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ اس مرتبہ شاہ باطل نے صرف کچھ امیران کو لے جانے پر رکتا نہیں کیا۔ اس نے دہائی عسکری دہائی چاقی کا احاطہ ہوئی اور خراج ادا کیا جسے گا بلکہ اس نے ہتھیاروں کا سونچا لکڑی اتار دیا اور شاہی خزانے کوٹھے سے۔ یہودیت میں اور اس کی اور ملک کو قید کر لیا۔ ان کے ساتھ شاہی قتل کے افسران، کارکنان، دستکاروں اور قوم کے لیڈروں کو بھی اسیر کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ یرمیاہ علیہ السلام نے یہود اور یہ کارکنوں کے سو کوئی بھی باقی نہ بچا۔

تو کہ لاشوں کے اس کے چھٹوں کو پیچھے چھوڑا اور جو لوگ یرمیاہ علیہ السلام میں رہ گئے تھے اسے ان کا حکم مقرر کر کے باطل چلا گیا۔ اب یرمیاہ علیہ السلام پر ان چھوٹی سی اسی نظر آ رہا تھا۔

اسی تباہی کے بعد خدا نے حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو خواب دکھایا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ خداوند کی قبیل کے سامنے الجھری دوڑ کر رہی دھری ہیں۔ ایک لڑکری میں آگے سے آگے الجھرتے اور دوسری تو کمری میں خراب سے خراب الجھرتے تھے۔ ایسے خراب کہ کھانے کے قابل نہیں تھے۔

خداوند نے فرمایا۔ "اسے یرمیاہ، ان کو دیکھتا ہے؟"

"نہیں دیکھتا ہوں۔ بہت آگے اور بہت خراب۔"

"تو لے لو۔ دیکھا۔ ان آگے الجھروں کے مانند میں یہود کے ان اسیروں پر جن کو میں نے اس مقام سے کھینچا ہے۔

برہنہ دیکھیں بلکہ یاد کروں گا اور میں ان کو یہاں دوں گا کہ مجھے پہچانیں کہ میں خداوند ہوں اور یہ میرے لوگ ہوں گے۔ ان لیے کہ وہاں سے دل سے میری طرف پھر رہا ہے۔"

"اور خراب الجھروں کی بات کیا ارشاد ہے؟"

"ان خراب الجھروں کے مانند میں شاہ یہود اور صدقہ کو اور اس کے امرا کو اور یرمیاہ کے باقی لوگوں کو ترک کر دوں گا۔ وہ ظلم اور سخت کا باعث ہوں گے اور میں ان میں لوگوں کو اور کال اور ہاتھوں گا۔"

صدقہ کا دور ایک کمزور بادشاہ کا دور تھا جو باطل سے لڑنے کی محنتوں سے تھکا ہوا تھا کہ وہ یہود اور اس کی رہی سہی شان بھی طاقت کر دے گا۔ اس کی سرکاری کو دیکھتے ہوئے جھوٹے غیور اور کاغذی کی سی تھی۔ ہر طرف بھری اور بے رہی تھی ہوئی تھی۔ ان حالات میں حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے اپنی اسے روک کر اس کی قوم کی اصلاح کے لیے ان کی کوششیں مزید ملتے افکار کر لیں۔ اب وہ ہر شخص سے بے نیازی کو جان میں یہ دشمن کی تباہی کے خطرات سے آگاہ کر رہے تھے۔

"اگر تم نے اپنی اصلاح نہیں کی تو خدا اب کی صورت میں دوسری قوم پر مسلہ کر دے گا۔ تم لوگوں کا سیلاب آنے والا ہے تم اپنا بچاؤ کرو۔ جنگ اور خشک۔ ہاتھ دانی ہے تو یہ کرو۔ جو میں کہتا ہوں اسے سنا کیونکہ میں کہتا ہوں کہ وہ اور اصل خداوند کہتا ہے۔"

ان کی دردمندی اور ان کی گنجی رہتی تھی یہودیوں اور یہودیوں میں گھری یہ قوم اپنے حال میں مست تھی۔ کوئی ان کی بات پر ایمان نہ دیتے کو تیار نہیں تھا۔

ایک دن حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے گہر سے ایک صراحی خریدی اور وہی بن انوش کو لکھی گئی کہ یہاں کے لوگ سب بے ایمان اور شریر تھے۔

ان لوگوں نے جب دیکھا کہ حضرت یرمیاہ علیہ السلام صراحی لے کر آئے ہیں تو انہیں سخت تعجب ہوا اور یہ لوگ ان کے گرد جمع ہو کر شروع ہو گئے۔ سرور اور دکان سب آگئے۔

"یرمیاہ کہو کیا کہتا ہے اور یہ صراحی کیوں لے آئے ہو؟"

"اس لیے کہ خداوند نے مجھے یہی ہدایت کی ہے۔" آپ نے فرمایا اور ان سب کے سامنے صراحی کوڑی۔

"یہ کون سی بات ہے۔ میں کاربن ٹوٹنے کے لیے آئی ہوں۔"

"میرا پروردگار کہتا ہے کہ میں تم لوگوں اور اس شہر کے تلوڑوں کا جس طرح کوئی کہتا ہے کہ برتن کوڑا لے جو پھر درست نہیں ہو سکتا۔ میرا رب کہتا ہے کہ میں اس جنگ پر اپنی بلا لائوں کروں گا کہ جو کوئی اس کی بات سے اس کے کان بھرتا جائے۔ وہ ان جلد آتا ہے جب یہ جگہ ادنیٰ شکل بن جائے گی۔ میں ایسا کروں گا کہ لوگ تلوڑ سے تلوڑ ہوں گے اور میں ان کی پیش ہوا کے پندوں کو اور زمین کے اندروں کو کھانے دوں گا۔ جو اور سے گزرے گا جنگ ہو گا۔ یرمیاہ کے گھر اور یہود کے بادشاہوں کے گھر ہا پاک ہو جائیں گے۔ ان کے گھر لوگوں کی پھتوں پر غیر معیہوں کے لیے بکھریاں گئے۔"

راہی جنوم سے وہاں کے آپ کہ خداوند کے گھر پہنچے اور جن میں کھڑے ہو کر خطاب کیا۔

"رب انا انا صراحی لے آ رہا ہوں کہ خداوند کے گھر میں اس شہر پر اور اس کی سب استیوں پر وہ تمام بلا لائیں جو میں نے اس پر بھیجے تھیں۔ خداوند اس کا۔ اس لیے کہ انہوں نے نہایت گراں گئی کی تاک کہ میری باتوں کو نہ سنیں۔"

شور و غوغا میں اپنی کوٹھری میں بیٹھا ان باتوں کو سن رہا تھا۔ یہ باتیں کوئی نئی بات نہیں تھیں اس وقت اس کا بچا جو صبر پیریز ہو گیا۔ وہ غصے میں بھرا ہوا کوٹھری سے نکلا اور حضرت یرمیاہ علیہ السلام پر برس پڑا۔

"تو کہو کہ یہ یہود ہا تمس کر رہے ہو۔ یرمیاہ کی برپاؤ کی باتیں کر کے میں کیوں لڑا جا رہے ہوں۔ تم نے باطل کے لوگوں سے ساز باز کر رہی ہے۔ تم ہمارے حوصلے پست کرنے پر تے رہتے ہو۔"

"تو کہتا ہی نہیں میں بھر جائے، میں تجھے کھانا ہی دوں گا۔ میری اس ایک انتہا ہے کہ تم سب اپنی قہر کرنا کہ میں صلاحتی سے رہا اور خدا کا عذاب تم پر سے مل جائے۔"

"میرے کون سا گنہ کیا ہے جو تو یہ کہہ رہے ہو؟"

"تو کہہ گا جن سے کہ تجھے یہی معلوم نہیں کہ تم لوگ کنی گناہوں میں مبتلا ہو۔"

"میں خود ہی قہر کر رہی ہوں۔ تم اس بے کاری کے منظر کو چھوڑ دو۔ بادشاہ کے عتاب کا نشانہ نہ بنو گے۔"

وہ غصہ اور گرتا رہا وہ است پر ہوتا تو مجھے یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں آتی۔"

"تو یہ کہتا ہے کہ میں گمراہ ہوں؟"

"بہت دن میں کبھی کہہ میں یہ کہتا ہوں۔"

"خیر سے تو ایک بادشاہ بھی ملتا ہے۔"

"حق نہ ہوتا تو میری باتوں کو کان لگا کر سن۔"

"تجھے معلوم ہے بادشاہ کی شان میں گستاخی کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

"میں گستاخی نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو بادشاہ سے تپ روٹی ادا کر رہا ہوں۔ وہ میری باتیں سے تو اس کی اولاد اور وہ غول ہونے سے قہر پائے۔"

"تو نے دیا نہیں کہ وہی جو میری سزا کے لیے ضروری ہیں۔ اب بادشاہی حیرا فیصلہ کرے گا۔" کانہ نے کہا اور نہیں اس کوٹھری کی طرف لے گیا جہاں "کاٹھ" نوکھ گیا تھا۔

"کاٹھ" یہ سزا دینے کا آخری جھوٹ کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کے لیے تھا کہ یہاں تو۔ گڑی کے ایک تختے میں پانچ سو روپے کروپے جاتے تھے جن میں گردن ہاتھ اور پاؤں کس دے جاتے تھے۔

کانہ نے حضرت یرمیاہ کو اس کاٹھ میں ڈال دیا اور کوٹھری بند کر کے لال آیا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ اس قہر کو اب

پاک ہونے کی وجہ سے اسے بادشاہ کے حضور پیش کر دیا گیا اور اس کے قتل کے احکام جاری کر دیا گیا۔
حضرت یرمیاہ نے کس درجہ پر اس کاظم میں پھنسے ہوئے تھے اور سوچ رہے تھے، انہوں نے ایسا کون سا کام کیا ہے جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ کیا خبر صبح میں مل ہی کر دیا جاؤں؟ مجھے اپنی جان کی پروا نہیں لیکن میں خدا پر تو بھروسہ کی اصلاح کی آخری امید بھی جانی رہے گی، آؤ! پروردگار تیار ہوگا۔ کھل کے غمراہ لوٹ لیے جائیں گے۔ بیت المقدس کا دشمن میں سے اسے جانے گا۔ کیا میں یہ سب دیکھ سکوں گا؟ ان کی زبان سے یہ اختیار یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

اسے خداوند اٹھائے مجھے ترخیب دی

اور میں نے مان لیا

تو مجھ سے توانا تھا اور تو غالب آیا

میں دن بھر اپنی کاپاٹ چٹا ہوں

ہر ایک میری فنی ڈالتا ہے

کیونکہ میں جب کلام کرتا ہوں زور سے

پکارتا ہوں

میں نے قسب اور بدگمت کا اعلان کیا

کیونکہ خداوند کا کلام دن بھر میری غامت اور

فنی کاپاٹ چٹا ہے

جس سے سب ان لوگوں کو جو مسافروں کو آزماتا ہے

اور دل و دماغ کو دیکھتا ہے

ان سے بدلے کے مجھے دکھا

اس لیے کہ میں نے اپنا دعویٰ تجھ پر خدیر کر دیا۔

☆

خداوند کے گھر میں صبح طلوع ہوئی تو کامن نے حضرت یرمیاہ کو بادشاہ کے حضور میں پیش کرنے کا ارادہ کیا لیکن وہ سخت جھڑپوں کے اس کے دل میں کھڑی ہوئی۔ یرمیاہ علیہ السلام کی مناجات نے اثر دکھایا تھا۔ بدترین دشمن کے دل میں نرمی آئی تھی۔ ان نے بادشاہ کے حضور پیش کرنے کے بجائے حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو آزاد کر دیا۔
"میں تجھے ایک سوچ اور آیت ہوں۔ شاید تو اپنی اصلاح کر لے اور جھوٹی نبوت سے باز آجائے۔"
"جھوٹی نبوت تو وہ کر رہے ہیں جو بادشاہ کو شاہ باہل کے پاس جانے سے روک رہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں جو خدا انجھ سے کہتا ہے۔"

"خیر خدا میرے لیے کیا کہتا ہے؟"

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں تجھ کو خیر سے لیے اور خیر سے سب دوستوں کے لیے دوست کا باعث بنوں گا اور وہ اپنے دشمنوں کی تباہی سے ملے ہوں گے۔ تو اور خیر اسادہ گھرا تا سیری میں جانے کا ارادہ باہل میں پہنچے گا اور وہاں مرے گا اور وہیں دفن ہوگا۔"

"قریب سب اپنے دل سے بنا کر کہہ رہا ہے ورنہ ہم اپنے دشمنوں سے بڑا خوب بنائے ہیں۔"

اتنی سخت باتیں سننے کے بعد بھی انھوں کا من کے دل پر ایسا غلبہ طاری ہوا کہ اس نے انہیں جانے دیا۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام چلے ہوئے کہاں کا خدا ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

حالات بگڑ رہی تھیں مگر پر چلنے لگے تھے لیکن چلنے چلنے میں قریب آنے لگا تھا۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے ایک پیغام لکھا اور بادشاہ کو پہنچا دیا۔

"اے شاہ نبوخذ نصر اور اود کے تخت پر بیٹھا ہے خدا کا کلام سن۔ تو اور خیر سے ملازم اور خیر سے لوگ جو ان روزوں سے داخل ہوتے ہیں۔ خداوند یوں فرماتا ہے کہ عدالت اور عدالت کے کام کرو اور مظلوم کو کی لہ سے چھڑاؤ اور کسی سے بدسلوکی نہ کرو اور مسافروں، یتیموں اور یتیم خانوں پر ظلم نہ کرو۔ اس جگہ سے گناہ گاروں نہ بھاؤ کیونکہ اگر تم ان باتوں پر عمل نہ کرو گے تو

خداوند فرماتا ہے مجھے اپنی ذات کی قسم، یہ گھروں میں ہونے کا۔

بہت سی قومیں اس طرف سے گزریں گی اور ان میں سے ایک دوسرے سے کہے گا کہ خداوند نے اس بڑے شہر سے ایسا

کیوں کیا؟ جب وہ جواب دیں گے اس لیے کہ انہوں نے خداوند کے حکم کو نہ سنا اور غیور معبودوں کی پرستش کی۔"

صدقہ پر مسلسل دیا کرتا تھا کہ باہل کے خلاف بغاوت میں مصروف تھا۔ وہم و سواہم ہوتے ہی مٹاتے تھے

انہوں نے مصر کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا۔ صدقہ کا بھی دل لگا رہا تھا کہ وہاں سے بچھڑا لے دیکے یرمیاہ علیہ السلام خدا کے

اشارے سے شاہ باہل کے حق میں تھے اور کھلے عام کہہ رہے تھے کہ خدا کا خادم ہے۔ تمام قومیں اس کی اطاعت کریں اگر

ایسا نہیں کیا گیا تو یہ ظلم کی مثال لاری ہے۔

جھوٹے نبی لوگوں کو بغاوت پر اکسارہے تھے خدا کا نام لوگ بھی یرمیاہ علیہ السلام کی مخالفت شدت سے کرنے لگے۔

یرمیاہ علیہ السلام اس شدت سے اپنے پیچھے ہٹ کر چلے گئے۔

ایک روز یرمیاہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا کہ وہاں ایک لک میں قیدی ہوں اور سخت مصیبت میں ہوں اور کھل میں

کھڑے ہو کر اعلان کر رہے تھے۔

"خداوند فرماتا ہے میں نے تم کو ملکتیں اپنے خدمت گزار شاہ باہل کے قبضے میں کر دی ہیں اور یہ ان کے ہاتھوں میں سے

رہے کہ اس کے کام میں ہیں اور سب قومیں اس کی اور اس کے بیٹے اور اس کے بچے کی خدمت کریں گی اور خداوند فرماتا ہے جو

قوم اور سلطنت شاہ باہل کی خدمت نہ کرے گی اور اپنی گردن شاہ باہل کے جوڑے لٹے نہ جھکائے گی، اس قوم کو میں کھوار

کال اور دباؤ سے سزا دوں گا یہاں تک کہ میں اس کے ہاتھ سے ان کو نابود کروں گا۔ میں قرآن پڑھوں، فقیہ داناؤں، غرائب

داناؤں اور جاہلوروں کی مت سلو جو تم سے کہتے ہیں کہ تم شاہ باہل کی خدمت گزار رہو کیونکہ وہ تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں

تو تم بھاگ ہو جاؤ۔"

خداوند تم کا ایک بھوتانی چر پاس ی کھڑا تھا، اگے بڑھا اور یرمیاہ علیہ السلام کی گردن سے جراتور اور سے توڑ ڈالا۔

اس نے اس طرح کلام شروع کیا جیسے اس پر وہی اثر کی ہو۔

"خداوند فرماتا ہے کہ میں اسی طرح شاہ باہل کا جو جو سب قوموں کی گردن پر ہے وہی برسی کے اندر توڑا لوں گا۔"

توکل کا لوجہ ہوا بل اور اسیر شہری بھی دو سال کے اندر اندر وہیں آجائیں گے۔"

یہ ٹیٹن گولی حضرت یرمیاہ علیہ السلام سے ہاتھ مل گئی۔ وہ تو یہ کہتے رہے تھے کہ ستر سال سے پہلے یہ اسیر وہیں نہیں

آئیں گے کیونکہ کلام الہی نے باخبر کیا تھا۔

"جب باہل میں ستر برس گزر چکیں گے تو میں تم کو باہل و لڑاؤں گا اور تم کو اس مکان میں دالیں گے۔ اسے اپنے ایک قول کو

پورا کر دوں گا۔"

حضرت یرمیاہ علیہ السلام کی گردن کا جو ٹکڑا بھڑے ہو کر زمین پر پڑا ہوا تھا اور غلیا کے الفاظ آپ کے کانوں میں گونج

رہے تھے۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا اور عالم جہاں میں فرمایا۔

"خیر وہ من خداوند نے تجھے نہیں بھیجا لیکن تو ان لوگوں کو جھوٹی امید دیتا ہے۔ اس لیے خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ

میں تجھے دوے زمین پر سے خارج کر دوں گا۔ جو اسی سال مرے گا کیونکہ تو نے خدا کے خلاف قتل و کھیر پائی ہیں اور جو کھڑکی

کا جو اٹھنے توڑا ہے اس کے بدلے میں خدا نے تمام سرکشوں کے گلوں میں لوہے کا جواں ال دیا ہے تاکہ شاہ باہل کی خدمت

کریں اور کوئی اس جڑے کو نہ توڑ سکے۔"

حضرت یرمیاہ علیہ السلام کی ٹیٹن گولی چوری ہوئی اور اسی سال کے ساتویں مہینے میں غلیا وئی مر گیا۔

حضرت یرمیاہ علیہ السلام کو اپنے کہے پر اکتان نہیں تھا کہ انہوں نے ان اسیروں کے نام خط لکھا جنہیں شاہ باہل گرفتار

کر کے لے گیا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ یہ اسیر خدائی احکام کے مطابق ستر سال سے پہلے وہیں نہیں آسکتے لہذا اس خط میں انہوں

نے اسیروں کو بچھڑا دیا۔

"تم گھر بناؤ، ان میں بسو، بارخ لگاؤ اور ان کا کھل کھاؤ۔ ان باپوں کو اور اپنی بیٹیوں

شوہروں کو روتا کدیاں سے بیٹھے، بیٹیاں پیدا ہوں اور تم دیاں بچلو پھر لو اور تم نہ ہو۔ اس شہر کی خیر نہ تو جس نے تمہیں اسیر کروا کے

بھیجا ہے اور اس کے لیے خداوند سے دعا کرو کیونکہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ جب باہل میں ستر برس گزر چکیں گے تو میں تمہیں

اپنے وطن میں واپس لاؤں گا۔“
یہ وعدہ کیا پھر آگیا اس لیے کہ اس وقت تک ایک چھوٹے ہی مسیحا بننے کا ہنوں کو اس کی اطلاع دی اور ان سے یہ سوال کیا۔

ان کے خلاف لکھے گئے اس خط کی بھرتی حضرت پر مہاء علیہ السلام کو بھی مل گئی۔ انہوں نے خدا کے حضور اپنی تشریح پیش کی تو خدا کی طرف سے یہ پیغام نازل ہوا۔

عزیز فریاد: "جب میں ان اسیروں کو واپس لاؤں گا تو وہ یہود اور مسلمانوں کے شہروں میں بھریں گئیں گے کہ
میں عورتوں کے دشمن! اے کوہ مقدس خداوند تجھے پرست لے۔"

پہلے گئی۔ چنانچہ سراسر اس کے آستان پر تیراں ہو گئے۔

یہ سب بڑے بڑے امرا کے فوج پر کمر کئے۔ رومیاء علیہ السلام ان کے قریب گئے اور ان سے لڑائی پر پیشانی کی بات
نہ کی۔

”خیر، کیا ہو؟“

”بھئی کیا کر سکتے ہیں۔ ہم تو ختم کے لالہ ہیں۔“
”ختم ہو کر سکتے ہو؟“

آپ کو جو دے تھے کہ شر کے کھانچوں اور ادا کے پھولوں سے بھر جائیں۔

ایک اور بے نیلے پر ایک گورنر کو کھڑے دیکھا۔ اور انوں چہرہاں پر کھڑے ہو کر ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا۔ کچھ حاش کر رہا
اس یا پھر شاید پانی۔

ksfree.pk

حضرت ابراہیم کو گم جا چکی ہے۔ لیکن انہی کو زینبیں ہی پہنایا گیا۔ ہمارے زینبیں اعلیٰ

آپ نے دعا کئے ہیں کہ میں اس شخص کو خدا کی بات نہ سکھائے گا۔

کے لئے یہ ہوا کہ وہ ایک اور شخص کے پاس گیا۔

اور وہ کہہ کر اپنے شفا گاہ
سواستی کا اعلیٰ رتھی پر کچھ لاندہ گئیں ہوا
اور اس کے بعد وہ اپنے رتھی اور اپنے ساتھ ساتھ

اپنے نام کی خاطر روئے کر
اور اپنے جلال کے تحت کی مختصر کر

یہ افکار کچھ بڑے بڑے پر تقاریر ہیں
اسے قید و بند سے لیا گیا ہے وہ تو وہی نہیں ہے

اس آواز میں کہو ایسا اور تھا کہ حضرت پر مودت و محبت کا نام ہے اس کے لئے کہہ دے۔
 کے ساتھ دعا کے لئے آج بھی دعا ہے ہم تو مومنوں کے لئے دعا کر رہے تھے۔

ہم صبر سے غلط کار کیا
اے اسرائیل کی امید

اور ان مسافر کی طرح جو راستہ کاٹنے کے لیے گاؤں اور
اور آہستہ آہستہ گھومتے ہیں

سپینس ڈائجسٹ 241 اگست 2011

انہی دعا کے الفاظ پر سے بھی نہیں دے تھے کہ خدا کی منادی آگئی۔ "ان لوگوں کے لیے دعائے خیر نہ کر کیونکہ جب یہ دروازے کھلیں تو میں ان کا دل نہ سلوں گا اور جب سوچتی تھی کہ ان کو یہ گزرا کہ میں تو قبول نہ کر دوں گا بلکہ میں تو ان کو اس سے انکسار کروں گا۔"

"اے رب العالمین! یہ بھی کہہ کر رہی۔ انبیاء سے کہتے ہیں تم کو اللہ نے دیکھو گے اور تم میں کمال نہ پڑے گا۔"

"انبیاء میرا نام لے کر جمولی نبوت کرتے ہیں۔ میں نے ان کو بھیجا اور نہ تم کو یا اور ان سے کلام کیا۔ پس جو یہ کہتے ہیں وہ تم کو اور کمال ہی سے ہلاک ہوں گے اور یہ دشمن کے گلی کو چرس میں چھینک دینے جائیں گے۔"

اس کے بعد حضرت یسویہ سوچنے میں حق بجانب تھے کہ اب وقت قریب آگیا ہے یہ دشمن کو ہرانے والا اب کوئی نہیں۔

اب اسے یہ دشمن چھ پرکون دیکھ کر سے گا

کون تیرا مدد ہوگا

یا کون تیری طرف آئے گا کہ تیری خیر حالت

پوچھے گا

خدا اور فرماتا ہے تو نے مجھے ترک کیا اور پرکشت ہوئی

اس لیے میں تجھ پر اپنا تھوڑا سا حصہ بڑھاؤں گا اور تجھے

برباد کروں گا

میں تو ترس کھانے کی سے شک آگیا۔

حضرت یسویہ علیہ السلام مایوسی کے عالم میں جنگل میں بیٹھے تھے کہ ایک لڑکی آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ یہ فرشتہ بنی اسرائیل کے کسی آدمی کی صورت کا تھا اس لیے آپ کو ذرا بھی وحشت نہیں ہوئی۔ آپ نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کی ہلکھولی۔

"تم کون اور میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"میں بنی اسرائیل میں سے ہوں۔ آپ سے ایک فتویٰ معلوم کرنے آیا ہوں۔"

"پوچھو کیا ہے؟"

"میں آپ سے صلہ رہی کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے رشتے والوں سے صلہ رہی ترک کر رہا ہوں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے چل رہا ہوں لیکن اس کے باوجود میرے ساتھ ہراسناک کرتے ہیں۔ میرے صلہ رہی سے بچتے ہیں۔ اے اللہ کے نبی مجھے بتائیے میں کیا کروں؟"

"ان سے عوام سلوک کرتے رہو اور جس رشتے کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے چھوڑنے سے باز رہو اور خیر کی خوشخبری سنو۔"

فرشتے نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے چلا گیا۔

چند روز بعد پھر اسی شکل میں آپ کے پاس پہنچے آپ کا حال پوچھا اور آپ کے حال سے پوچھا۔

"تم بکرا آگئے؟"

حضرت یسویہ علیہ السلام نے ہلکا ہلکا۔ "کیا ان کے خدائی آدمی تک دوست نہیں ہوئے اور ان کی

طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوئی؟"

"اسی ذات کی قسم جس سے آپ حق کے ساتھ بھیجا۔ وہ خدائی آدمی ایک شخص اپنے رشتے والوں کے ساتھ کر سکتا ہے وہ

میں نے کی لیکن ان کا رویہ نہیں بدلا۔"

"تو کچھ جاؤ۔" حضرت یسویہ علیہ السلام نے فرمایا۔ "میں سلوک کو برقرار رکھوں گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ان کی

صلاح فرمائے اور انہیں اپنی رضا والے اعمال کرنے اور کلمہ ہوں سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔"

فرشتہ پھر چلا گیا اور چند روز تک نہ آیا۔

آخر تو یہ عود ہوا دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے شاہد بال کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ بیت المقدس کی طرف جائے اور ان

کے ساتھ وہی کام کرے جو اس کے دادا اسرار علیہ نے کیا تھا۔ یہ دشمن کو اجازت دے اور وہاں کے باشندوں کو کھانا بنا کر لے آئے۔ اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آگیا تھا بلکہ اس میں عین تیار ہوا تھا کہ وہ یہ دشمن کی حالت دیکھ کر ہلکا ہو جائے گا۔ حضرت یسویہ علیہ السلام ہر بار تھیں کر رہے تھے کہ شاہد بال کے پاس کے پاس گزرا کہ میں تمہاری عاقبت ہے اور نہ اس کی

لوچیں چھین رہا ہوں لیکن جبکہ صدیق و مصریوں سے دوستی بڑھانے کے لیے میں تمہاری عاقبت ہے اور نہ اس کی

کی مدد کریں گے۔ حضرت یسویہ علیہ السلام اسے سمجھاتے رہے کہ میں تمہاری عاقبت ہے اور نہ اس کی

اس نے شاہد بال کو خراج دینا بند کر دیا۔ شاہد بال نے چھ لاکھ سکہ دیا اور اس سے لقا۔

فرشتہ پھر حضرت یسویہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ بیت المقدس کی دیوار پر بیٹھے تھے۔ آپ نے

اس فرشتے کی طرف دیکھا جو انسانی شکل میں تھا اور اس سے پہلے ہی آپ کے پاس آچکا تھا۔

"تم بکرا آگئے۔" حضرت یسویہ علیہ السلام نے پوچھا۔ "کیا میرے رشتے والوں کے رویے میں اب بھی کوئی تبدیلی

نہیں آئی؟"

"اے اللہ کے نبی! فرشتے نے کہا۔ "اس سے پہلے مجھے ان کی طرف سے جتنی تکلیفیں بھی پہنچیں، میں نے ان پر صبر کیا

لیکن اس کے باوجود وہ مجھ کے دلاں سے اور وہ آج اپنے کام کر رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔"

"تو نے ان کو کھانا کراتے ہوئے دیکھا جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔"

"اے نبی! وہ اس جیسے برے اعمال نہ کرتے۔ اس سے پہلے تو میں صبر کرتا رہا لیکن آج مجھے بہت غصہ آیا۔ میں آپ کی

خدمت میں ان کے حالات بیان کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میں اس اللہ کے واسطے سے کہ بیان کرنا ہوں جس نے آپ

کو حق کے ساتھ چھوٹ کیا۔ آپ ان کے خلاف بدعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے۔"

وقت حضرت یسویہ علیہ السلام نے یہ دعا کی۔

"اے اللہ! آسمانوں اور زمینوں کو چھینا کرنے والے اگر وہ لوگ حق اور راہ راست پر ہیں تو انہیں اپنی راہ اور اگر وہ

اپنے حق پر ہیں جن سے تو ناراض ہوتا ہے تو انہیں ہلاک کر دے۔"

آپ کی زبان سے ایسے ہی یہ الفاظ ادا ہوئے آسمان سے کراک دار نکلی آئی جس سے قربانی کی جگہ پر آگ بجھ گئی اس کے

ساتھ دو روزے زمین میں وحش گئے۔ حضرت یسویہ علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو کچھ گئے کہ عذاب آچکا۔ ہے اختیار

آنکھوں سے آنسو وہاں ہو گئے۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر پر پٹی ڈالی۔

"اے آسمانوں کے بنائے والے۔ اب دو وعدہ کہاں کیا جو آپ نے مجھ سے کیا تھا۔ آپ نے تو کہا تھا کہ بیت المقدس

اور اسرائیل کو میں اس وقت تک تباہ نہیں کروں گا جب تک میں عذاب کے لیے بدعا نہیں کروں گا۔ اب اس وعدے کی حقیقت

کیا رہی؟" آواز آئی کہ یسویہ علیہ السلام تم بدعا کر رہے۔ ابھی تم نے فتویٰ دیا اور بدعا کی کہ اگر وہ اپنے حق پر ہیں جن

سے تو ناراض ہوتا ہے تو انہیں ہلاک کر دے۔

اب آپ سمجھ گئے کہ آسمانوں کے انسان نہیں فرشتہ تھا اور میں نے بدعا نہیں کی۔ یہ اپنے اپنے واسطے عذاب کو کوئی

نہیں روک سکتا۔ شمال کی طرف سے جس لشکر کی آغوش بشارت دی جا رہی تھی وہ ان کا تھا۔

جو کہ نصر کا لڑائی دل لشکر یہ دشمن کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک شہر تھا جو آہوا کہ تھا۔ دن میں انہیں مصر کی امداد

چلک اور رات میں مشعل کی روشنیوں نظر آتے تھے۔ ہاتھ کا لشکر شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ شہر کے دروازے بند تھے۔ نہ

کوئی باہر سے امداد سکتا تھا نہ اندر سے ایسا جاسکتا تھا۔

عقد قادیانی نو، اپنا رنگ آلود اسلحے کے کرشمے سے ہار لیتے اور جنگ کرنے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ انہیں مصر کی امداد

کا انکار تھا لیکن اس میں خواہش ہوتی جا رہی تھی۔ کائنات اور جوہر نے انہیں اب بھی بادشاہ کو اطمینان دلا رہے تھے کہ شاہد بال

محاصرہ تھا کر چل دے گا اور ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا۔ فرعون مصر اس وقت تک ہی والا ہوگا۔

عقد قادیانی کو وراثت کا پادشہ تھا اور تمام امرا اس پر مادی تھے۔ وہ ان کے مشوروں پر عمل کر رہا تھا لیکن ابھی اس کا

رجحان یسویہ علیہ السلام کی طرف بھی تھا۔ ان کی دھمکیاں اور عداوت یاد آتے تھے تو وہ پریشان ہو جاتا تھا۔ اگر ان کی

باتیں درست ثابت ہوئیں تو یہ لشکر کی تباہی اور اس کی گرفتاری لازمی ہے۔ اس نے سوچا ایک مرتبہ یسویہ علیہ السلام کو جا کر

مشورہ کریں چاہیے لیکن وہ اپنے امرا سے فرما رہا تھا۔ وہ یہ گزشتہ چاروں کے کہ یسویہ علیہ السلام سے ناکات ہو۔ اس کے لیے

”یہ مہیا علیہ السلام کا مطلوبہ ہے کہ ہم ہتھیار نہ اٹھائیں اور شاہ باہن سے صلح کر لیں۔ آپ لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟“

”اس نے یہ کوئی نئی بات تو نہیں کی۔ وہ عربوں دروازے میں ہاتھیں بٹھیر رہا ہے۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اسیرانہ باہن سے صلح کر لیں تو نہیں کے تو کیا ہم ہر بات کو مان لیں؟“

”اس وقت تو سوال یہ ہے کہ ان سے کس طرح صلح کرنا ہے جو ہمیں صبر کیے ہوئے ہیں؟“

”ہم فرعون مصر کی امداد کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ مہیا کتنا مہیا ہے؟“

”بھگدون اور اظہار کر لیتے ہیں لیکن ہتھیار نہ اٹھانا باہن کی شان کے خلاف ہے۔“

مراور کا باہن نے حضرت یسویہ علیہ السلام کی سخت مخالفت کی البتہ وہ اس پر تیار ہو گئے کہ غلاموں کو آزاد کر دیا جائے کیونکہ اس طرح انہیں غلاموں کو غوراک نہیں دینی پڑتی تھی۔

تمام مراٹے اس عہد کی پاسداری کی اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ یہ مہیا علیہ السلام اظہار کر رہے تھے کہ اب صدیق و شاہ باہن کے پاس اپنے غلاموں کو آزاد کر کے کا لیں اس کی نوبت نہیں آتی۔

مصریوں نے بھی دعویٰ کیا کہ فرعون مصر نے جب سنا کہ بنو کنزہ کی لوجوں نے یہو شمع کا عہد کر لیا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو حرکت دی۔ کسب لوجوں نے جو یہو شمع کا عہد کر کے آئے تھے، یہاں صبر اور غلاموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک روز جو صدیق و بنو کنزہ نے شہر کی دیوار سے دیکھا کہ شیعہ لشکر آئے ہیں اور فرعون کا عہد کر رہا ہے تو انہوں نے خوشی سے جھٹکا پھانسا شروع کر دیا۔ یہو شمع میں جشن برپا ہو گیا۔

پھر نے بھی اور کا بن یہ کہہ کر بادشاہ کو تسلیاں دیتے رہے تھے کہ یہاں صبر و عہد کر لیا جائے گا اور سیاسی حالات ایسے ہو گئے کہ یہاں صبر و عہد کر لیا جائے گا۔ ان کا دل اس کے برعکس پر صبر و عہد کر لیا۔ وہ بادشاہ کو کہتے دیتے تھے کہ اگر وہ ہتھیار اٹھالے دیتا تو ہلکا ہے۔ ہم نے شہر باہن کا خرچ نہ کر کے دانی مندی رکھائی ہے۔ بادشاہ بھی تو اس کو گھبرا گیا کہ یہ مہیا علیہ السلام یونانی قوم کو بڑی کا تعلق پڑھا رہے ہیں۔ یہ خود چاہتے ہیں کہ یہو شمع کی کھیتوں میں چلا جائے۔

حضرت یسویہ علیہ السلام اب بھی کہتے پھر رہے تھے کہ عہد و عہد کر لیا جائے گا۔ باہن کی لوجیں بھراوات تھیں آئیں گی اور یہو شمع انہیں سے اہل بیت بھرا دیں گی لیکن اب ان کی بات سننے والے کوئی نہیں تھا۔

صدیق نے ایک مرتبہ پھر عہد کی ڈھکائی کی۔ غلام اور لونڈیوں کو آزاد کرنے کا حکم دیا پس لے لیا۔ تمام مراٹے غلام بن گئے ان غلاموں اور لونڈیوں کو جن کو وہ آزاد کر چکے تھے۔ اور باہن اپنی اطاعت میں لے آئے۔

لہذا ان کی اس حرکت پر سخت براہم ہوا۔ خدا کی طرف سے یہ کام نازل ہوا۔

”تم نے یہ گھٹیا ہو کر میرے نام کو فدا کیا ہے اور ہر ایک نے اپنے غلام کو اور اپنی لونڈی کو جن کو تم نے آزاد کر کے ان کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا پھر پھر کیا کرنا ہے کہ تمہارے لیے غلام اور لونڈیوں نے تم نے میری نہ کی کہ یہو شمع اپنے بھائی مہیا کے کو آزادی کا مژدہ سنائے۔ دیکھو خداوند فرماتا ہے میں تم کو لوگوں اور باہن کا کے سے آزادی کا مژدہ دے دوں اور میں اپنے کروں گا کہ تمہارے زمین کی سب ملکوتوں میں دیکھتے کھاتے پھر کے۔ یہود اور کے اور یہو شمع کے امرا اور لوہے اور کا بن اور ملک کے سب لوگوں کو میں ان کے مخالفوں اور جانی دشمنوں کے حوالے کروں گا اور ان کی ملکوتوں کو اپنے ہاتھوں اور زمین کے درندوں کی داک ہوں گی۔“

خدا کے غضب نے حضرت یسویہ علیہ السلام کو صبر و عہد کر دیا تھا۔ اب یہو شمع کی طرف سے افکلی ی ہوس ہو گئے تھے۔ یہاں صبر و عہد کر لیا تھا۔ اب ان کے لوگ ہا ہر جا سکتے تھے۔ حضرت یسویہ علیہ السلام بھی یہو شمع سے اپنے شیعہ عشق جانے لے گئے۔

ماخذات: توسر بست نامہ صحیح صہری۔ قصص الانبیاء۔ قصص النمران

جیل کا مرکزی دروازہ ایک رشتہ بانک تھا جس کے ساتھ کھانا۔ سائیں گل نے بڑی آہستگی سے یہاں قدم بھر رکھا۔ اس نے پرانا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی کیفیت اس شخص کی سی تھی جسے اندھیرے میں روشنی کی کرن اچانک نظر آئے اور وہ اسے اپنی آنکھوں کا لرزہ لگے۔

”کوئی چیز بھول نہ جاؤ، یہاں لوٹ کر آئے کو بھلا“

”میں سمجھا جاتا ہوں۔“ دروازے پر کھڑے ہے ۲۴ پھر سے والے کوٹ کے۔

”دروازے کے قریب ہی چند المیران بھی کھڑے تھے۔ ان کا لگاؤ اس سے سن کر ایک نے شکوہ چلا دیا۔ ”میں تو آنا ہی نہیں سکتا ہوں۔“

”او جیز عمر سائیں گل نے اپنے سٹیل کوٹ کی جیب میں احمد والی کرچند کا لذات کا مس محسوس کیا، یہ اس کا معالی نامہ۔“

سناٹا

ڈاکٹر عبد الرحیم بھٹی

”جیسے جیسے کھانا“ جیسے صورت حال کا سامنا کرنا پڑے تو انسان کبھی بہت بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ وہ وہی اہمیت ہی ادھت تاکہ لذات سے دوچار نہ ہو۔ اس نے یہی وہی کیا چاہی اسے کرنا چاہیے تھا۔

لذات کے شکار ایک قیدی کے اعتبار کا تجربہ



٧٨٥٠

ksfree.pk

Courtesy: www.chemed.org

Courtesy of

دو دنوں کے پر کسی نے دستک دی۔ کچھ لیٹی ملی آوازیں اندر آئے تھیں۔ اس ہنگامے کے دوران اس کی بڑی لڑکی کمرے سے باہر گئی اور پھر ایک چار سالہ بچے کو گود میں اٹھا لائی جو بیٹہ سے بیدار ہونے کے بعد اپنی آنکھیں میسر کر رہا تھا۔ سائیں گل نے ایک سرسری سی نظر پٹے پر ڈالی اور پھر حیات خان اور اس کی بڑی کونجی آدم بدھنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ دونوں اس کے بہت اچھے پڑوسی تھے۔ انہوں نے آئے ہی یہ اعلان کر دیا کہ وہ کھانا کھا کر آئے ہیں لیکن سائیں گل کے اصرار پر دونوں ہی چور سے جوش و خروش سے کھانے میں مصروف ہو گئے۔

"میں تو بیٹہ میں کہتا تھا کہ تمہارے کوئی قصور نہیں ہے۔ لڑکی جھگڑے میں تو اس کی ضرورت کی باتیں سوچا ہوا یا کر لی ہیں۔" حیات خان نے کہا۔ "مگر تم نے اسے کتنی سے نیچے اٹھا کر دیا ہوتا تو یقیناً وہ تمہیں دیکھیں دیتے اور تمہارے بجائے آج وہ جیل میں ہوتا۔ یعنی یہ تو دلائل کی بات ہے کہ اپنے دلائل میں کس نے پہلی کی۔"

"مجھے معافی دلواتے ہوئے نے میری طرف سے بھی یہی تذکرہ کیا تھا۔" سائیں گل نے کہا۔ "اس نے اصرار کیا تھا کہ میرا کس اپنے دلائل میں تھا اور یہ کہ میری سزا معاف کی جائے۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ میری طرح تمہارا ہر پڑوسی تمہاری گواہی میں یہ سچ ہوئے۔" اپنے لوگ بھی جن میں میں ہیں جو جیل کو بہت بڑی جگہ سمجھتے ہیں سائیں گل۔ اور وہاں سے کسی آئے والے کو اچلے گھر سے نہیں رکھتے۔" "کیا تم وہ معافی دے دو گے؟" سائیں گل نے کسی قدر اشتیاق سے پوچھا۔

"یقیناً میں اسے دیکھنا چاہوں گا۔" حیات خان نے کہا تو سائیں گل نے اپنے کونے کی جیب سے وہ کانٹا نکال کر دکھایا۔

"کیا وہ میری ہی ہے اس پر خود دیکھ لے کیے ہیں۔"

"جی ہاں، لیکن ان کانٹوں میں ہم کو کون جیسا ہے۔" چور نے بچے کے لیے جھکی سے وہ شروع کر دیا۔

"فریٹ اسے بھی کچھ کھانے کے لیے دے دو۔" چور نے کو بھوک لگی ہوئی۔ "سائیں گل نے کہا۔ وہ کھانے کے دوران مختلف موضوعات پر اسی خوشی سے گفتگو کرتے رہے اور آخر حیات خان اور اس کی بڑی کونجی ہالے سے لیے اٹھ کمرے آئے، جاتے ہوئے حیات خان کی بڑی

میرا افسانے فریٹ اور سائیں گل کو قریب و غریب نظروں سے دیکھا پھر بھول کر طرف دیکھ کر بولی۔

"بھول! آج رات تم ہمارے ساتھ چلو۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" وہ ان دونوں کے ساتھ باہر جانے لگا تو فریٹ نے بلند آواز سے کہا۔

"بھول! سناؤ۔ کل تم اس زمین پر آؤ گے کہ تمہارے گھر پر ہے ہو یا نہیں؟"

"میں نہیں، بعد میں بتا دوں گا۔" اس نے استہانت سے جواب دیا۔

انہیں باتیں کرتے چور کر سائیں گل دو کمرے میں سے بڑے والے کمرے کی طرف گیا۔ ستر پر اس کا سوا پچھان لٹا ہوا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکیں کچھ تیز ہو گئیں۔ حیات خان اس کی بیوی اور بھول کے ہانے کے بعد دروازہ بند کرنے کی آواز آئی اور پھر فریٹ غراب گاہ میں داخل ہوئی۔ وہ اس کے برابر سے گزر کر سپر می چنگ کی طرف گئی اور جھک کر بچے سے ایک بڑا صندوق حسین اور اس میں سے کچھ نکالنے لگی۔

سائیں گل نے زور لٹکی سے آگے بڑھ کر اس کی کمر کے گرد اپنے دو ہاتھ لٹکائے۔

"فریٹ! میری زندگی۔" اس نے جذبات پر قابو پاسے ہوئے کہا۔

"میں بے غار ہو رہا ہوں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے بھول کو کھتی رہی۔

"فریٹ! یہ تم مجھ سے کتنی پیلی ہوئی ہو، وہ میں دیکھنے ایک گھنٹے سے تم سے اس کے کالے دھبوں کا خیال ضبط کیے ہوئے ہوں۔"

"تمہیں حق ہے۔" بھول نے اس بات کا حق دینا ہے۔

وہ ایک کھلے سے اٹھ ہو گئی۔ "کیا مطلب؟" ایسے موقع پر سائیں گل کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ "سائیں گل نے تمہارا ذکر کیا۔" میں یہاں انجینیریت کیوں محسوس کر رہا ہوں، کیا یہ سچا ہے؟"

وہ دیر سے کہہ لگا کہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اس نے اس کے اپنے بیٹے سے لگا رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے غول جھلک رہا تھا۔ اس کے ہونٹ کھینچا رہے تھے۔ سائیں گل نے پت کر ہا دی گئی خانے کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں لڑکیوں میں مصروف کر لے میں مصروف تھیں اور چار سالہ بچہ کھینچ رہی

ہو اور ہاتھ۔ سائیں گل نے بچے کو دیکھا اور اپنا کھد اس کے کان میں ہلکی سی کوئی۔

"یہ بچہ کون ہے؟" فریٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس نے سمجھا تھا کہ یہ حیات خان اور اس کی بیوی کے ساتھ آیا ہے۔

بڑی لڑکی نے جھک کر بچے کو اٹھا لیا۔ اس کی چھوٹی بیٹی نے قہقہہ کر کہا۔

"یہ بہتر ہے۔"

وہ بچہ بکھڑا ہوا تھا۔ اسے اپنا سر پھر کر دیکھ رہی تھی۔

بڑی بیٹی نے فریٹ کی طرف دیکھا۔ جس میں جگہ آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔ اس کے اچھے سے لکھنے پر ہوا تھا اور بے اختیار اس کا ایک اچھا اچھا کر اس کے منہ پر آ کر غصہ کر رہا تھا جیسے وہ اس کے پیچھے ہی والی ہو پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور بلند آواز میں پوچھنے لگی۔

"مجھے کھانا کھانے کی مددگار کی ضرورت تھی۔ کوئی کمرے میں نہیں کھینچا؟" کام نہیں منبھال کتنی۔ ساری باتیں

پھر پھر اس کی بولی تھیں۔

وہ بار بار اپنی منبھال دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں سے کچھ اچھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے ہمارے وجود میں زبردستی دیا گیا ہو۔

"کسی نے معافی کے بارے میں سوچا کچھ نہیں تھا۔"

فریٹ بڑبڑائی۔

"گاہوں دونوں نے اس کا ہاتھ پٹے کے بارے میں پوچھا ہوگا؟"

"میرے پاس آسان جواب تھا۔" فریٹ نے تپنے بھرے لہجے میں کہا۔

سائیں گل نے گہری سانس لی۔

"میں کہاں سوکھ گا؟" اس نے اچانک استفسار کیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

اس نے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف دیکھا۔

"تو کیاں بہت بڑی ہو گئی ہیں اور اب تمہارے ساتھ نہیں سو سکتیں۔" فریٹ نے کہا۔ "اور جو چھوٹا چنگ ہے وہ تمہارے لیے چھوٹا ہوگا۔"

بچی بچے کو لے کر کمرے میں آگئی اور باہری ہادی اس اور باپ کا چہرہ دونوں طرف سے نکلتے گی۔

"تمہارے ام سائیں گل کے ہارے میں تو قید کر رہا۔"

"اور دونوں لڑکیوں کے ساتھ بڑے ہانک پر سو جاؤ۔"

سائیں گل نے کہا۔ بچی بچے کو چھو لے کر سے میں چھوڑ آئی۔ سائیں گل اپنے کمرے میں داخل ہو گیا اس کے پیچھے دروازہ بند کیا۔ ایک گھنٹے کے ساتھ بند ہو گیا۔ وہ کچھ دیر اپنے کمرے میں بیٹھی کھڑا رہا، اس کا زمین مازف ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر اسے کب اسے خیال آیا جیسے وہ کچھ بھول گیا ہے۔ وہ معافی نامہ کھانے کی میز پر چھوڑ آیا تھا۔ اسے خیال آیا کہ کتنی وہ کاغذ کھونڈے۔ وہ انکھیرے میں راستہ ٹوٹتے ہوئے باہر نکلا اور معافی نامہ لے کر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔

بچے میں اور سے سو جا رہا تھا۔ سائیں گل چنگ کے کنارے۔ بیٹھ گیا اور کچھ سوچنے لگا۔ یقیناً نہیں کا کمرہ اتنا تاریک نہ تھا، وہاں ایک چھوٹا سا بلب ہر وقت جلتا رہتا تھا۔ وہاں اتنا سا روشنی ہوتا تھا کیونکہ محلہ کے بھاری بھر کم یونوں کی آواز ہر وقت آتی رہتی تھی۔ وہاں اتنی شہابی ٹکن ہوئی تھی کیونکہ ہر محرم کے ساتھ ایک ساتھی ہوا کرتا تھا، مگر یہاں۔

ماہی کی ایک تیز لہر اس کے سینے سے اٹھی جس کے اندر تھپتھپ کا طوفان مچ گیا تھا۔ وہ پلٹا، دروازہ بند کر دیا تھا جس کا بھول سے دوسرے کمرے میں تھا چھوٹا اس کی دونوں لڑکیوں اور بچی فریٹ سو رہی تھیں سائیں گل کے اندر چور بچا ہوا پر را تھا۔ بھول والے کچھ بھی لڑکیوں ہونے لگی۔ نال ہوئی ہوئی فریٹ کی طرف اٹھی ہوئی تھی، فریٹ نے معافی آنکھیں کھول دیں۔ سائیں گل کا خیال تھا کہ وہ موت کو سامنے دیکھ کر کھج پڑے گی، اس کی اٹلی ہاتھوں کی لہری پر تھی۔ فریٹ نے بچے لہجے اس سے ہے اثر لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم تھا، تم آفر کار بھی کرو گے، مجھے بھی اب اپنی زندگی سے کوئی ڈھکیا نہیں رہی۔ تمہارے بعد میں نے بھی جہنم بھوگا ہے۔ مگر میری دونوں بیٹیاں بے تصور ہیں، تم مجھے مار دو گے، خود کشیل ہے جاؤ گے، پھر ہم دونوں کی شہاس نام نہ بچے پیدا کر رہی ہیں، تم ان دونوں کو دوسری فریٹ بنانے سے روک سکتے ہو، میں نے بھی روک رکھا ہے۔ آگے تمہاری مرضی۔" فریٹ نے اتنا کہہ کر آنکھیں بند کر دیں۔

رات کے اصرار بھرے منانے میں گولی چھنے کی آواز ابھری۔

فرش پر کسی کے وجود کے گرے کی آواز ابھری۔

فریٹ بھوت بھوت کر رہی تھی۔

فریٹ بھوت بھوت کر رہی تھی۔

کشکول

انوار مسدیقی

زندگی کی داستان بھی کتنی عجیب ہے... جو کہیں احساسات کا آئینہ
ہے تو کہیں حادثات کا منجر ہے... کسی کو ستوار نا کسی کو بکھیرنا
اس زندگی کا مشغلہ... یوں کہیں گلشن کہیں زیرانہ اس کا مزاج
تھیرا... زندگی کو برسنے والا یہ انسان... زندگی میں کہیں زیادہ عجیب
فطرت کا مالک نکلا جو کہیں ہوش رہا حسیں کے طلسم گدوں میں قید ہے
تو کہیں بیادوں کی قدر گو شیوں میں گم... انہی تجویزات، احساسات
اور حادثات کے زہر اثر اس کی شخصیت تعمیر، تشریب کے مراحل سے
گزر رہے ہوتے سفورتی یا پکھرتی رہتی ہے۔ کبھی محبت کی شہنشاہی بیچار
اس کے دل میں گل و گلزار کھلاتی ہے تو کبھی شہوت کی زہریلی آگ میں وہ
خود دہستہ ہو کر بھی پشیمان نہیں ہوتا اسے میں مخالف ہوا بھی انسان
کو یہ وزن پتوں کی طرح اپنی مرضی کی سماعت میں اڑا لے جاتی ہوں۔
جہاں جواہر کے یہ تاج بادشاہیے ہستی کو پیروں سے روند کر خوش ہوتے
ہوں، جہاں روپ ہروپ کی اس دنیا میں بھکاری بھی ہیں اور کھلاڑی
بھی... محبہ و عقل و واقعات اور قہمیں کر طبعہ سناڑیوں سے مزین...
ایک عتق اور چٹا گتہ اسلوب کی صورت سے سہنس کی سطحات
ہیں... صرف آپ کے لیے۔



لیاقت حسین کا تعلق ضلع نوشہرہ کے شہر جہانگیر سے تھا۔ اس کا باپ سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ قدرت نے اس کے کاروبار میں خوب برکت دی تھی۔ اس لیے دولت کی دلی تھی۔ لیاقت حسین کا باپ کا کھانا پینا تھا۔ اس لیے دونوں ہی اس سے لوت کر پیار کرتے تھے۔ ایک سال کی مدت میں ماں باپ اور بیٹے کے درمیان بھی کوئی تنازعہ، کوئی اختلاف نہیں ہوا تھا لیکن شادی کا معاملہ شروع ہوا تو لیاقت حسین اور والدین کے درمیان بھی رسائی نے جنم لیا۔ سردار مرزا خان و ذوالفقار سے اپنے حلقوں میں سر بلند رکھنے کا ارادہ تھا۔ اس لیے لیاقت حسین کے لیے اپنے معیار اور برابر والوں میں ایک لڑکی کو بیوی بنانے کے لیے پسند کر لیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ لڑکی کے باپ کو زبان بھی دے چکا تھا۔ ماں نے جب لیاقت حسین کو باپ کی مرضی سے آگاہ کیا تو لیاقت حسین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اہل خانہ کے یوں پرنگی کی کوئی ہولناکی کی دست سن کر اس کے دل میں طوفان مچنے لگا۔

فرصتیں لیاقت حسین کی زندگی کا حسین خواب تھیں۔ اگرچہ وہ ایک طریب باپ کی بیٹی کی تکیا قدرت نے اسے حسن کی دولت سے لوازہ نہیں کی تھی۔ اس لیے کام نہیں کیا تھا۔ لیاقت حسین نے تین سال سے فرصتیں کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں بیدار رکھا تھا۔ فرصتیں کے علاوہ اس کے والدین بھی لیاقت حسین کو پسند کرتے تھے مگر ان کے درمیان شادی کے کوئی عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے۔ لیاقت حسین جانتا تھا کہ وہ ماں باپ کا کالا لہجہ دے گا۔ اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ سر فرزانہ خان سے برادری والوں اپنے حلقے میں اپنی "پست" کہی بیٹے نہیں ہونے دی تھی۔ نظریں اور سر کی کے سامنے بھٹکانا اس کی مرشد کے خلاف تھا اور دوسروں سے اپنی ذات منوا کر جانتا تھا۔ اپنی سر بلندی کو برقرار رکھنے کی خاطر اس نے بھی حالات سے سمجھنا کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔

لیاقت حسین کی والدہ نے اپنے شوہر کے اشارے پر جب شادی کے معاملے میں لیاقت حسین کا منہ یہ پینے کی کوشش کی تو لیاقت حسین سوچ میں پڑ گیا۔ فرصتیں اس کی پسند ہی نہیں۔ اس کی زندگی کا سب سے حسین خواب بھی تھی۔ وہ اس سے شادی کرنے کے لیے میں زبان اور چٹا تھا۔ اس نے عہد کیا تھا کہ خواہ مر بلند پہنچاں بھی اس کے اور فرصتیں کے اسے میں حال ہو بھی کر وہ ان سے بھی لگرا جائے گا۔ لیاقت حسین کا خون نہ بے کی راجہ سے وہ بھی کسی کو زبان دے کر چھپنے کا عادی نہیں تھا لیکن جب ماں کا مقدس رشتہ درمیان

میں ہٹا ہوا تو وہ سوچیں لڑکپن میں، ماں نے اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے بڑی محبت سے پوچھا۔ "کیا بات ہے میرا جان؟ تم کس سوچ میں گم ہو گئے؟" "کون کس ماں۔" لیاقت حسین نے ماں کے احرا ام لٹوڑ رکھا۔ "یہی سوچ رہا ہوں کہ تجھے کیا جواب دوں۔" ماں نے لیاقت حسین کے چہرے کے جڑات پر لٹوڑ لٹوڑ کر اس نے اس کے دل کا چور چور کر لیا۔ وہ ماں تھی۔ وہ جو اولاد کے ہر سکھ دکھ میں برابر کی شریک ہوتی ہے۔ وہ حساس آواز ہوتی ہے جو اولاد کے دل کی ایک ایک دھڑکن کا دریا بہت کر لیتی ہے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ یہ نہ جانتی کہ اس کا بیٹا اس کے بچہ کا کھانا افریقین کے مشق کا اسیر ہے۔ ایک لڑکا وہ خاموش رہی پھر وہ تمام آواز میں بولی۔

"لیاقت! میرا جان، تو جانتا ہے کہ تیرا باپ اپنی مرضی کا چکا ہے۔ وہ... وہ شادی کی کے والد کو اپنا زبان دے چکا ہے۔" "میں بھی اسی کا خون ہوں ماں۔" لیاقت حسین نے ماں کے ہاتھ کو محبت سے تھام لیا۔ بڑی خوب صورتی سے اپنے دل کی بات واضح کر دی۔ "اٹھان ہو کر... پرانی کے بارے میں سوچنا... یہ بدعت ہے ماں۔ اپنا مولوی صاحب نے شرعی تعلیم دینے وقت بھی ہم کو یہی یاد کیا تھا کہ بدعت کمرانی ہے اور کمرانی انسان کو جہنم میں لے جاتی ہے۔" "نہیں واقف ہوں ماں کا جان، یہ بھی خبر ہے کہ لڑھکیں کو پسند کرتا ہے۔ فرصتیں ہم کو بھی بہت یاد ہیں۔" لیاقت حسین نے اس کا ہونچا ہوا سر دھچکا کر لیا۔ "تو میرا باپ... وہ... نہیں مانے گا۔ پھر میں جو تک نہیں لیتا لیاقت حسین نے اختیار کر لیا۔ "جانتا ہوں ماں۔" لیاقت حسین نے سجدہ کی اختیار کر لی۔ "اس لیے کہ وہ پھر بولتا ہے... پھر جس کے سینے میں بھی دل کے ہم کے پھر بولتا ہے۔"

ماں لیاقت حسین کا جواب میں کر لڑ لڑی۔ سر فرزانہ خان سے شادی کے بعد اس نے انیس بائیس سال میں یہ بات کچھ لگتی کہ وہ ایک ایسا سردار ہے، بہت ساری خوبیاں بھی ہیں اس میں لیکن... اس نے بھی کسی معاملے میں سر تسلیم خم کرنا نہیں چاہا تھا۔ لڑھکیں کی خوب صورتی اور حسن اخلاق کی تعریف اکثر خود سر فرزانہ خان نے بھی لڑکی سے کی تھی لیکن ایک طریب لڑکی کو بیوی بنانے کا تصور بھی اس کے نزدیک عقل میں غائب تھا۔ وہ بڑے سے کہتے ہوئے وہ اپنی چٹ پٹی کر لے پر موت کو ترجیح دینے کا ارادہ تھا۔ لیاقت حسین نے ماں کی خاموشی میں چھپ کر سب کو محسوس کیا تو روت پڑا تھا۔

"خیر بے قدسوں سے میرا جنت ہے ماں، تو حکم دے۔" لیاقت حسین کی خاطر ہم اپنا زندگی بھی قربان کر سکتا ہے۔" "خدا تجھے سہارا دے گا۔" ماں کی آنکھیں چمک چمک رہیں۔ "میں ماں ہوں میرا جان بچہ... ماں جو اولاد کے لیے اپنا زندگی بھی قربان کر دیتا ہے۔ اس کا دل کے سکون کو محسوس کرتی۔ میں... میں تیرے واسطے کی رچا ہوئی تھی۔ لڑھکیں! اس کا اور عزت دار لڑکی ہے۔ میرا دل بھی ہوتا ہے کہ وہ تجھے شادی پر ہی سے زیادہ سکھو دے گی۔" "پھر...؟" اس نے ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "میں وعدہ نہیں کرتی۔ تیرے باپ کو راضی کرنے کا مشکل ضرور کروں گی۔" ماں نے مسکراتی ہوئی سے کہا تو لیاقت کو سکون آ گیا لیکن یہ سکون زیادہ دیر نہیں تھا۔ دوسرے ہی دن سر فرزانہ خان نے اسے اپنا بیٹا شریک میں بلایا۔ "تمہارا ماں نے فرصتیں کے لیے ہم سے بولا تھا لیکن میں شادی پر ہی سے والد کو زبان دے چکا ہوں۔ پورا جہانگیر جانتا ہے کہ سر فرزانہ خان زبان کا دھنی ہے۔ مراد کا زبان بھی

لیاقت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بڑی سعادت مند کی سے آگے بڑھ کر ماں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے لیے ماں کی زبان سے لگی ہوئی دعا میں ہی ملت اچھمی کی دولت سے کہیں زیادہ جیتی تھیں۔ تادیر ماں اور بیٹا ایک دوسرے کے دل کی بے ترشیب دھڑکنوں کا احوالہ لگاتے رہے پھر ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تو فرصتیں کو لے کر کہاں جاسے گا؟ کہاں کہاں بھٹکتا پھرے گا ماں کے دل کا کھرا؟" "اس کا گھر ست کر ماں... لیاقت حسین نے ماں کو تسلی دی۔ "میں خانہ سے اپنا بچنے کا ارادہ ہے۔ وہ کراچی میں کام کر رہا ہے۔ اس کا پتا میرے پاس ہے۔ فوجوں نے سے خدا کی قسم مل جاتا ہے۔ ماں اور تیرا بچہ کچھن کا پار ہے اور... پھر جیری رہا میں بھی تو جیسے میرے ساتھ۔" "خدا تجھے ہیٹ بھی اور آواز کے ماں کا ہال۔" ماں لیاقت حسین کو سینے سے لگا کر دے لگی۔ خود لیاقت کے سینے میں بھی طوفان تھا جس بار بار تھا۔ وہ بھی میر کا وارن ہاتھ سے چھوڑ دیتا تو ماں کی خش اور فزوں ہو جاتی۔ اس کے واسطے میں روکنی رکاوٹیں بھی آ جاتیں۔ سر فرزانہ خان اگر اپنی بیٹ پوری کرنے کی خاطر فرصتیں کے باپ کو بلا کر اس پر بھی اپنا تادیرش ہی حکم صادر کر دیتا تو وہ بھی رشتہ اپنے سے مجبوراً منہ موڑ لیتا۔

لیاقت حسین سر جھک کے چٹک سے ہجر آ گیا۔ اس نے اپنے حق کے لیے کوئی احتجاج نہیں کیا، آواز بلند نہیں کی۔ اس نے شرعی تعلیم کے دوران ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ باپ اگر مشرک ہو تو بھی احرا ام واجب ہے۔ قرآن مقدس میں بھی والدین کا احرا ام ہر صورت میں اولاد کے لیے فرض ہے۔

قرارداد کیا تھا۔ ماسوا اس کے کہ ان کا کوئی حکم قرآن و سنت اور شریعت کے منافی ہو۔ وہ بھوکے گھر کے اندر داخل ہوا تو ماں تڑپ کر اسے آگئی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "میرا دل بھی... لیاقت حسین نے

لیاقت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بڑی سعادت مند کی سے آگے بڑھ کر ماں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس کے لیے ماں کی زبان سے لگی ہوئی دعا میں ہی ملت اچھمی کی دولت سے کہیں زیادہ جیتی تھیں۔ تادیر ماں اور بیٹا ایک دوسرے کے دل کی بے ترشیب دھڑکنوں کا احوالہ لگاتے رہے پھر ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تو فرصتیں کو لے کر کہاں جاسے گا؟ کہاں کہاں بھٹکتا پھرے گا ماں کے دل کا کھرا؟" "اس کا گھر ست کر ماں... لیاقت حسین نے ماں کو تسلی دی۔ "میں خانہ سے اپنا بچنے کا ارادہ ہے۔ وہ کراچی میں کام کر رہا ہے۔ اس کا پتا میرے پاس ہے۔ فوجوں نے سے خدا کی قسم مل جاتا ہے۔ ماں اور تیرا بچہ کچھن کا پار ہے اور... پھر جیری رہا میں بھی تو جیسے میرے ساتھ۔" "خدا تجھے ہیٹ بھی اور آواز کے ماں کا ہال۔" ماں لیاقت حسین کو سینے سے لگا کر دے لگی۔ خود لیاقت کے سینے میں بھی طوفان تھا جس بار بار تھا۔ وہ بھی میر کا وارن ہاتھ سے چھوڑ دیتا تو ماں کی خش اور فزوں ہو جاتی۔ اس کے واسطے میں روکنی رکاوٹیں بھی آ جاتیں۔ سر فرزانہ خان اگر اپنی بیٹ پوری کرنے کی خاطر فرصتیں کے باپ کو بلا کر اس پر بھی اپنا تادیرش ہی حکم صادر کر دیتا تو وہ بھی رشتہ اپنے سے مجبوراً منہ موڑ لیتا۔

لیاقت حسین سر جھک کے چٹک سے ہجر آ گیا۔ اس نے اپنے حق کے لیے کوئی احتجاج نہیں کیا، آواز بلند نہیں کی۔ اس نے شرعی تعلیم کے دوران ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ باپ اگر مشرک ہو تو بھی احرا ام واجب ہے۔ قرآن مقدس میں بھی والدین کا احرا ام ہر صورت میں اولاد کے لیے فرض ہے۔

ہوئی۔ اس نے فرمیں کو بنگلے کا کڑوا چروا دیا میں دے ڈالیں۔۔۔ اور۔۔۔ لیاقت حسین انجی دعاؤں کے ساتھ خدا کا نام لے کر۔۔۔ لرحمن کا ہاتھ تمام کرکراہی جانے والی میں میں سوار ہو گیا۔۔۔ ماں نے ہاتھ میں انداز کی ہونے والی اور کچھ جتنی زیارات سرفراز خان سے چھپا کر بیچنے کے حوالے کیے تھے۔ میں کفایت خریدنے کے بعد بھی پاس کالی رقم موجود تھی۔ روزمرہ کی ضرورت کا تھوڑا سا مال بھی تھا جو ایک چھوٹے سوٹ کیسی اور گھڑی کی صورت میں اس کے ساتھ تھا۔ لیاقت حسین کو کسی بات کا لالہ نہیں تھا شاید اس لیے کہ اس کی محبت بھری دنیا میں اور ایک قسم میں اس کے ساتھ تھیں۔ وہ اس کے لیے آنے والی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھیں۔

جنگل کا سفر

کراہی پہنچ کر لیاقت کو گل خان کا پتا تلاش کرنے میں بہت زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ رکشے والے نے اسے اپنی جان کرکھا راست ضرور اختیار کیا۔ میٹر کے حساب سے بہت زیادہ پیسے بھی وصول کیے لیکن بھرپور اسے گل خان کے لٹکانے تک پہنچا دیا تھا۔ اس کی دعا میں ساتھ تھیں اس لیے گل خان کی تلاش کے بعد سر پہانے کا دوسرا مرحلہ بھی آسانی سے طے ہو گیا۔

گل خان کراہی کی قدیم بستی خاموش کالونی میں رہتا تھا، جہاں غریب طبقے اور مختلف فرشتے کے لوگ ایک ڈرائے سے مل جل کر رہتے تھے۔ گریبوں کی اس بستی کا ایک نام حاجی فرید کو لگا ہوا ہے۔ لیکن سڑک سے جھوٹے ساون پرانا قبرستان بھی تھا جو گوجرانالے کے قریب واقع ہے۔ اسی قبرستان کے بائیں ہاتھ پر سب سے بڑے مکانات بھی موجود ہیں جو زبان خاموشی سے اپنے مکینوں کی غربت کا احوال سناتے نظر آتے ہیں۔ گل خان جس ڈیڑھ کمرے کے مکان میں رہتا تھا اس کا دروازہ بستی کی جانب کھلتا تھا اور ایک کھڑکی قبرستان کی سمت کھلتی تھی۔ کچھ عرصے لیاقت حسین نے گل خان کے گھر سہارا دی میں گزارے مگر پھر جگہ کی کمی کے باعث اسے اپنی ایک رہائش کا انتظام کرنا پڑا لہذا اسے بھی اسی قلعہ میں چور پانچ گھر چھوڑ کر ایک مکان آٹھ سو روپے ماہوار پر مل گیا جس پر پانچ چھت کے ہوائے بہشت کی چادریں پڑی تھیں۔ اس کا ایک دروازہ اور کھڑکی قبرستان کی طرف کھلتی تھی جبکہ ایک دروازہ دوسری جانب بھی تھا۔

لیاقت حسین کے لیے یہ گھر بھی فرمیں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے کسی جنت سے کم نہیں تھا مگر ایک بات اس

کی پریشانی کا سبب بھی تھی۔ مکان کا کرایہ ہفتگی اور گھر کے گھر کو معمولی چیزوں سے سنوارنے کی خاطر جو رقم فرمیں میں پڑی اس کے بعد اس کے پاس بہت کم رقم باقی بچی تھی لہذا زیادہ محتاط تھا۔ مگر وہ اسے گھوٹا نہیں چاہتا تھا۔ گل خان کے بعد کیا تھا کہ وہ اس کے لیے جلد ہی کس کام و چند سوال کرنے کی کوشش کرے گا۔ خود لیاقت حسین بھی صبح کھانا روزی روزگار کی محنت میں مامارا پھرنا۔ رات کے گھر آ کر تھک ہار کر سو رہتا۔ فرمیں کو تپائی کی پریشانی اس لیے نہیں تھی کہ گل خان کی بیوی اور بچہ اور وہ بہت جلد ایک دوسرے سے نکی بہنوں کی طرح گھر میں آگئی تھیں۔

وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا لیاقت حسین کی پریشانی بڑھتی گئی۔ اسے کراہی آئے ہیں دن گزار چکے تھے لیکن ابھی تک وہ بڑھو روزگار نہیں ہوا تھا۔ یہ لیلیاں اسے اندر ہی اندر پریشان کر رہی تھیں کہ مگر کوئی کام نہ ہو تو روکھی سوچی کھائے کے لیے بھی جیب کی تنگی اسے پریشان کرتی رہتی تھی۔ وہ مرا تھا کہ اوتار حالات سے مقابلہ کر لیتا لیکن اپنے سے زیادہ اسے فرمیں کی فکر تھی جس نے نا مساعد حالات میں بھی اس کا ہاتھ تھامنے سے گریز نہیں کیا تھا۔

بزرگوں کا قول ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ مل کر رہے تو خدا اور کریم بھی اس پر اپنی رحمتوں کا در کھول دیتا ہے۔ ایک ایسے ہی حادثے نے لیاقت حسین کی ہر مشکل آسان کر دی۔ ایک شام وہ قلعہ بانڈو واپس اپنی بستی میں داخل ہوا تو ایک دو منزل مکان کی چابی منزل میں داخل ہوا اس میں اس کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ غاصا جہم اٹھ اٹھا۔ لیاقت حسین بھیڑ چڑھا ہوا آگ کے بڑھانے کے باوجود ایک اریزہ مگر جس کھڑکیوں سے نریا اور کھڑکیوں سے

خدا کے ہے اور خدا کے۔ میری بڑی مظلور ماں اور بیوی احمد موجود ہیں۔ آگ ابھی میرے ہائیچر میں خدا کا واسطہ۔

آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، لوگ اس کے اندر جھانگ مارتے لیکن زندگی واک پر لگانے سے گھرا رہے تھے لیکن پورے کی رقت بھری آواز لیاقت حسین کی سرداری کو بھونک رہی تھی۔ اسے فرمیں کا بھائی بھی تو تھا لیکن ایک فٹ اسے یاد آگیا کہ کھانا میں قرآن مقدس حفظ کرتے ہوئے ایک دن اس کے معلم نے کہا تھا۔

”میرے بچہ ایک بات گرا سے پانچ رو۔ رسول مقبول ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم کو مطلب کرے تو اللہ ہی سے دو وات۔“ وہ دیکھ دیکھ ساری دنیا میں ہو کر چھ لائے پانچا

ہا ہے تو وہ جیسے کسی بات کا قیامہ اور تلخ نہیں رہے سکتی۔ سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہے اور اگر میرے لوگ میں کرچے نقصان کا پانا چاہیں تو وہ میرا ہاتھ بھی نہیں بگاڑ سکتے سوائے اس نقصان کے جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے مقدر کر رکھا ہو۔ اس لیے میرے بچے بھی تنگی کرتے وقت کسی طرح نقصان کی فکر نہ کرو۔ جو کچھ تمہارے مقدر میں لکھا ہے اسے کوئی قوت نہیں اٹا سکتی۔“

لیاقت حسین کو معلم کے کہے ہوئے شعلے یاد آئے تو جیسے کسی قیمتی قوت نے اسے ایک مظلور عورت کی زندگی نبھانے کی خاطر آواز کر دیا۔ جہم اسے دوسرا ہاتھ رو خدا کا نام لے کر شعلوں کو بھی قوت بخوڑا۔ اسے غائب ہو گیا۔ جہم میں چھٹیوں کا شروع ہو گیا۔ اریزہ عمر کے متاثرہ فریادی کے دل سے لیاقت حسین کے لیے دعا کرنے لگی، پھر لوگوں نے دیکھا کہ لیاقت حسین شعلے کے باوجود مظلور عورت اور اس کی بیوی بچوں سے چھین کر لے آیا۔ اس کے بعد اسے اپنا ہوش نہیں رہا۔ شعلے ہوئے لہس کی چٹخ اور سانس کی ٹھنک نے اسے بے ہوش کر دیا۔

دو روز بعد اسے ہوش آیا تو فرمیں اس کے سر ہانے موجود تھی۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم بچ گئے۔“ اس نے آسمان کو پلو میں جذب کرتے ہوئے بڑے عاز سے کہا۔ ”بہت سارے رات چھین و کھینے کو آچکا ہے۔ جس کا ماں کو تم نے بھایا اس کا بیٹے کا لڑکا بھی گل بھائی کے ساتھ دن میں چھ چھ لگا تا ہے۔ اسی خدا کا بندے نے تمہارا علاج کے لیے دوا اور بھی کیا ہے لیکن تم۔۔۔“

”آگے کچھ نہ کرنا لیاقت کا زندگی میں اور تمہارا لگرنہ کروں یہ بات پھر بھی بھول کر بھی نہ سوچنا۔“ لیاقت حسین نے بیوی کی بات کا مفہوم سمجھ لیا تھا۔ اس کا اچھ تمام کر بولا۔ ”ہم نے خدا کا نام لے کر جس عورت کا زندگی بچانے کا کوشش کیا تھا۔ وہ اب کیسا ہے؟“

”وہ اسپتال میں ہے لیکن پھر ہے کہ تمہارا جسم آگ سے نہیں بچا۔ ایک دو چھوڑا مونا زخم اور اوجھڑا پا ہے۔ اس واسطے بڑھنے کا چہا تمہارے لیے ایک مرہم دے گیا تھا۔ وہ ہم پر ابرو کا تار پڑتا ہے۔“

”تم ہمارے قریب سے تو پھر سارے زخم بھی اوپر والے کی مرہم سے بھر چکے تھے۔“

”زور پڑھیں اور گل بھائی تمہارے واسطے بہت لگ رہے۔ دونوں نے دوا بہت ساتھ دیا۔“ فرمیں نے کہا۔

”دو روز سے لڑی اور گل بھائی ہمارے واسطے کھانا اور دوا کھاتی رہے۔“

”بھائی سے ملو۔۔۔“ گل خان نے اس کا تعارف کرایا۔ ”یہ اس عورت کا پوتا ہے جس کو تم نے بھایا تھا۔“

”اب آپ کی طبیعت بھی ہے؟“ تو بھوان نے، جس کا نام احمد شاہ تھا، بڑی اچانک سے لیاقت حسین سے دریافت کیا۔

”سب اور والے کا اور آپ کا مرہم پانی ہے۔“

گل خان کے پیچھے پیچھے ڈر پڑ گئی اس نے فرمیں کے ساتھ مل کر قہر تیار کر کے باہر بھیج دیا۔ احمد شاہ، گل خان اور لیاقت حسین کے درمیان قہر پینے کے دوران بہت ساری گفتگو ہوتی رہی پھر احمد شاہ نے پوچھا۔

”لیاقت بھائی، گل خان نے بتایا ہے کہ آپ کو ملازمت کی تلاش ہے؟“

”جی ہاں۔“ لیاقت حسین نے احمد شاہ کو امید بھری نظروں سے دیکھا۔ ”کیا آپ اس مسئلے میں ہمارا کوئی مدد کر سکتا ہے؟“

”آپ اپنا فرض پورا کر چکے، اب میرے اور بھی کچھ فرض ہیں۔“ احمد شاہ نے بے تکلفی سے کہا۔ ”میں کافین کے عاتے میں ایک بڑے ۲۲ جہ کے گھر دارانہ کی حیثیت سے ملازم ہوں۔ میں نے موقع لال کر آپ کا ذکر کیا تھا صاحب سے۔“

”پھر۔۔۔؟“ لیاقت حسین کی بے تکلفی بڑھنے لگی۔

گارد سے بھی اس کی انہی غامضی سلام دعا ہو گئی تھی۔ سب ہی راہیلہ بیگم کی تعریف کرتے تھے جو نہ صرف خوبصورت، حسین اور پرکار شخصیت کی مالک تھی بلکہ شوہر کی طرح بخود بھی ملازموں کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرتی تھی۔ ان کی بیواری دیکھ کر ضرورتوں کا خیال رکھنی، داسے در سے سٹے ان کے کام آتی۔

راہیلہ بیگم کی عمر بھی پچیس چھتیس سے زیادہ نہیں تھی لیکن جسم کی تراش خراش اور چہرے پر چمکی ایک ملکوتی مسکراہٹ اس کی عمر کو بہت کم ظاہر کرتی تھی۔ وہ اپنی صحت کا خیال رکھتی تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ شوہر کی خراب صوم و صلوٰۃ کی پابند بھی تھی۔ اس کے حسن و خوبصورتی کا سب سے بڑا راز یہی پاکیزگی تھی جس نے اسے ہر لحاظ پر بنا دیا تھا۔ وہ برقع پہننے کی عادی نہیں تھی لیکن اس کی کشادہ پیشانی کا اوپر کی حصہ سر کے بال اور کان پر ہمیشہ لباس سے نیچلے نکلا ہوا ایک خوب صورت چادر جو پشت کے علاوہ اس کے سینے کی پردہ پوشی بھی کرتا تھا۔ یہی حسن، پاکیزگی اور معصومیت راہیلہ بیگم کی طبیعت کا خاصہ تھا۔

شام کے چھ بجے تو لیاقت حسین نے حسب معمول منگنے کی پشت پر تھیر ڈھڑکوں کے کمروں کے ساتھ بیٹے ایک خالی کمرے میں جا کر اپنا سفید لباس تبدیل کیا پھر باہر جاتے وقت اس کو صرف سینہ عثمان لان پر رگی بید کی رید وریپ کمری پر لٹھا بیٹھے چائے پیتے فخر آگئے۔ ہائی چار پاکی کر سہاں خالی تھیں۔ میز پر چائے اور کھالے بیٹے کا سامان موجود تھا۔ شاید راہیلہ بیگم کی کام سے اندر جلی کی گھٹیا پاکی باہر ہی تھیں۔ سیر حال لیاقت حسین طیر افکاری طور پر قدم اٹھاتا سینہ عثمان کے قریب جا کر روک گیا۔ اس کے حضور میں اس وقت بھی وہی ایک لیموں پکو کے نگار ہاتھ کا سینہ عثمان نے صرف اس کی مدد کی خاطر فدا کر کے کی بیوا پر ملازم رکھ لیا ہے۔

"کیا بات ہے لیاقت حسین؟" سینہ عثمان نے اس کو قریب کھڑا دیکھ کر سادگی سے پوچھا۔ "کچھ کہنا ہے؟" "جی ہاں۔" لیاقت حسین جو چہ ماہ میں اپنے ملائے کی کٹری زبان کے بہانے اب ٹوٹی پلاوی متا ہی زبان بھی بیکہ کر رہا تھا، دم آواز میں بولا۔ "آپ نے مجھے جو لایا ہے کہنے کو دیا ہے۔ وہ میری خدمت کے مقابلے میں ہمارے لئے بڑا نفع دہ ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"میرا مطلب یہ ہے مالک کہ جو ضرورت ہو، جو ان

ہو، وہ صندوق خیرات کا مستحق نہیں ہوتا۔" وہ روانی میں اپنا مقصد بیان کرتا رہا۔ "میں میں مولوی صاحب نے بھی یہی نصیحتیں کیا کرتے ہیں کہ آدمی کو حق مالک کا کمالی اٹھانا چاہیے۔" میں اب بھی تمہاری بات نہیں سمجھتا۔" سینہ عثمان نے قہقہے سے پوچھا۔ "یہ صندوق خیرات کا ذکر کہاں سے درمیان میں آ گیا؟"

"آپ ہم کو دو وقت فرسٹ کلاس چائے دینا، ایک وقت کا ٹھکانا دینا اور چار ہزار روپے کو ادائیگی دینا۔ صرف اس بات کا کہ میں دن میں چند دسواہ باورنگے کا غوم پھر کر پھر رہا ہوں۔ اتنا پھر تو کوئی ملازم بھی کہہ نہ سکتا کہ اس کے لیے لگ سکتا ہے پھر یہ گھوڑا، کس بات کی؟"

"اوہ۔۔۔" سینہ عثمان مسکرا دیا پھر اس سے پوچھا کہ کوئی تفصیلی جواب دینا، راہیلہ بیگم قدم اٹھاتے آئیں۔ لیاقت حسین ٹھہریں جھکا کر راہیلہ کے ارادے سے چلتا تو سینہ عثمان نے آواز دے کر اسے روک لیا۔ بدستور مسکرا کر بولے۔ "تم جو شکایت مجھ سے کر رہے ہو وہی بیگم صاحب سے کرو، مگر کے ملازموں کا چارج بھی انہی کے ذمے ہے۔ میں باہر کے معاملات دیکھتا ہوں۔"

"کیسا بات ہے لیاقت حسین؟" راہیلہ بیگم نے کرسی پر بیٹھنے ہوئے بڑے شہسار لہجے میں پوچھا۔ "میں کسی قسم کی شکایت ہے؟"

لیاقت حسین راہیلہ بیگم سے ٹھہریں نہ کر سکتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا اس لیے غامضی کھڑا بیٹھا تھا۔ اس کی یہ مشکل سینہ عثمان نے حل کر دی تو راہیلہ بیگم کے گلاز ہواؤں سے ایک قہقہہ اٹل پڑا پھر وہ سنبھل کر بولیں۔

"جس میں اور کیا کام آتا ہے؟"

"جو ہم گاؤں میں جیتی باڑی کی ریت لے کر لایا تھا، گھوڑوں کو تربیت بھی دیتا تھا اور ہمارے ملازموں والے کام کرتا، انہی بابا تھیں مہمان داری پر اب ہمارے اس کی جگہ بھی چلتا تھا۔ اپنے پاس کچا کھانا بھی ہے۔"

"اوہ تو بات ہے۔" راہیلہ بیگم لیاقت حسین کے ہارے میں چمکی کی شوہر سے من چکی تھیں کہ وہ مختصر و جانفش اور ایسا ہمارا آدمی ہے چنانچہ مسکرا کر بولیں۔ "اگر تم گھوڑا کو دیکھو تو اس کے ہاتھ میں زیادہ دیکھ رہے ہو تو یہ بات مجھے پسند آتی ہے۔"

"شکر یہ بیگم صاحب۔" لیاقت حسین نے خوشی کا اظہار کیا لیکن بدستور ٹھہریں جھکا کر بولا۔

"دعا پور تو ہمارے پاس پڑا ہے اس لیے ہم غور

نے اسے لال نہیں کیے۔ اس، اگر نہیں جیتی باڑی سے شوق ہے تو پھر قریبی لایا کے ساتھ شغل کر پوروں کی دیکھ بھال کر لیا کرو، وہ ہوش آدمی ہیں انہیں دعا بھی دیں گے۔" لیاقت حسین خوش ہو گیا۔ وہ راہیلہ بیگم سے زیادہ محسوس کر بات کرنے سے بھی شرمناک تھا اس لیے کوئی امداد میں سلام کر کے تیز قدم پر چلا بھاگنے کی جانب چلا گیا۔

"آپ کا اندازہ غلط نہیں تھا۔" اس کے جانے کے بعد راہیلہ بیگم نے اپنے لیے چائے بناتے ہوئے شوہر سے کہا۔ "لیاقت مجھے شریف ہونے کے ساتھ ایماندار اور ایسا وفادار آدمی بھی لگا ہے جو وقت پر سے پرہیز کی خاطر اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہے۔"

"میں نے اسی لیے وہی ملازم رکھ لیا تھا ورنہ آپ بھی جانتی کہ آپ کا یہ خدمت کار وہ آدمی آدمی ہے۔ یہاں بات بات پر وہ شہسار ٹھہرتی ہیں اسی لیے دن رات ہمارے کمرے میں بیٹھے کے اطراف ساوا لہاس میں اپنی لایوٹی انجام دیتے رہتے ہیں۔ لیاقت حسین نے آپ کے آئے سے خوش گردانی زبان میں اپنی گواہ کو صدق خیرات سے کہنے دے کر مجھے بھی خاص طور پر بے حد متاثر کیا ہے۔"

"اپنے ڈرائیور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" راہیلہ بیگم نے شوہر کی بات سن کر تلخ دلی سے دریافت کیا۔

"تین سال سے کام کر رہا ہے۔ خاموش طبیعت کا مالک ہے اور۔۔۔ لیکن آپ نے اس وقت اپنا تک ڈرائیور کے بارے میں کیوں پوچھا؟"

"لیاقت حسین کے بارے میں آپ کا جواب سن کر راہیلہ بیگم نے چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بدستور پر خیال انداز میں کہا۔ "کسی کے بارے میں مجھ کی سبب منی انداز میں سوچنا بھی خدا کو پسند نہیں لیکن تعلیمات اور دور اندیشی کے کچھ اپنے فکاھے بھی ہوتے ہیں جس کا حکم دیا گیا ہے۔"

سینہ عثمان نے جواب نہیں دیا۔ محبت ہمیشہ نظروں سے راہیلہ بیگم کو دیکھتے رہے۔

"میں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ انہی احوال فکرت قوت خرید جو اکثر انسان کو دوست سے دشمن بھی بنا دیتا ہے۔"

"جی۔۔۔" سینہ عثمان نے چمک کر بولی کو وقف حث طلب نظروں سے دیکھا۔

"میں اس کی نیت پر شبہ یا الزام نہیں لگا رہی لیکن

ترکیب

لا خیر الدین خوبصورت خواہن سے انکار کا شوق رکھتے تھے لیکن وہ خواہن سے بے تکلف ہونے کے طریقہ کار سے واقف نہیں تھے۔ لہذا انہوں نے ایک دوست سے پوچھا کہ خواہن سے بات چیت کا آغاز کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟ پھر دوست نے کہا۔ "بہت آسان ترکیب ہے جہاں چند خواہنیں ٹھکی ہوں وہاں جاپے۔ سلام کے بعد عرض کیجیے کہ آپ شادی شدہ ہیں؟ پھر ان سے پوچھیے کہ آپ ہیں؟ اس بات میں ہلکے کی۔" لا خیر الدین کو یہ ترکیب مناسب، موثر اور کارگر محسوس ہوئی۔ اتفاق سے انہیں ایک قریب میں جانے کا سہری موقع مل گیا۔ وہاں انہیں چند لڑکیاں نظر آئیں۔ وہ تو رادیاں جا پہنچے۔ سلام کیا اور جھٹ سے سوال بھی دیا۔ "آپ شادی شدہ ہیں؟" انہوں نے کہا۔ "نہیں، تو۔۔۔" انہوں نے بتا سوچے کچھ دوسرا سوال بھی دے مارا۔ "بچے کتنے ہیں؟" لڑکیوں آگ بگولہ ہو گئیں۔ لڑکی کی خوب خاطر تواضع ہوئی۔ انہوں نے سوچا شاید سوالات میں اسلے بگیر ہو گیا ہے۔ دوسری جگہ پر انہیں چند خواہنیں نظر آئیں تو وہاں بھی جا پہنچے۔ سلام دعا کے بعد پوچھا "آپ کے کتنے بچے ہیں؟" انہوں نے امدی باری بتایا کہ ہمارے اسٹے بچے ہیں۔ یہاں بھی مارنے دوسرا سوال کر ڈالا۔ "کیو آپ شادی شدہ ہیں؟" یہاں بھی ماحول گرم ہو گیا۔ اب ساری آگے آگے اور خواہنیں پیچھے پیچھے چلتا چلا لڑکی کا شوق بھی پورا نہ ہو سکا۔

انتخاب: محسن عباس ہارماد کا لڑ

"انہی صورت میں کیا مناسب نہ ہوگا کہ آپ اسی ایجنسی میں سرانج کوئی اور وقت حالات سے آگاہ کریں۔ وہ آپ کا کلاس فیلو بھی رہ چکا ہے اور ہمارا اسی کا لڑکا چاہ بھی ہے۔"

"یہ خیال آیا تھا میرے ذہن میں لیکن۔۔۔ بات سرانج کے کانوں تک پہنچی تو معاملات کا کوئی صورت اختیار کریں گے۔ میں قاتلے کچھری سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں اس لیے کہ ہمارے اقبالی فرائض سے انہی خبروں کی کھوج میں لگے رہتے ہیں۔ معمولی خبروں کو بھی تنگ مرعج لگا کر عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اچھے خاصے شریف آدمی کو ایسی عزت بھاجا مشکل ہو جاتی ہے۔"

"لیکن ہمیں کوئی نہ کوئی مل تو دھونڈنا ہوگا۔"

"میرا عقیدہ ہے کہ سب سے بڑا کاروبار، صوبہ الا سہاب، عزت اور دولت دینے والا کاروبار ہے جس کے اشارے کے بغیر ایک ذرا بھی پیش قدمی کرنے سے قاصر ہے۔" سیٹھ عثمان نے پرامن دلیچھے میں وہی کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ "آپ بھی اس حقیقت سے واقف ہیں۔ ہمیں اس کی فائز پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ سرکاری حدیث بھی یہی ہے کہ اگر ہر وہی دیکھ کر اوتو اسی کا وہ مصنف سے طلب کرو، وہ تمہاری مدد ضرور کرے گا۔"

"میں آپ کی بات سے متفق ہوں لیکن دیدہ و دانستہ غلوں سے کیا بھی معلومات کے خلاف ہے۔"

"انسان کا اپنا قلم اور عقیدہ درست ہونا چاہیے اس کی حفاظت ضرور کرتا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں یہ سوچ کر میرے حق میں صرف اس خداوند کریم سے دعا کریں جس نے لوح محفوظ پر سب کچھ لکھ لیا اور وقت رقم کروا ہے۔ وہی ہے۔"

شوہر کی دلیل حق نہاب تھی۔ راجہ بیگم نے مزید کچھ جتنا مناسب نہیں سمجھا۔ اسی روز شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے دو وقت لگے حاجات پڑی اور پروردگار سے اپنے فائدہ کو قائم رکھنے کی خاطر ہاتھ اٹھا کر رورہ کرنا نہیں کرتی بلکہ پھر لہار سے قوربا ہو کر شوہر کے قریب ہی بستر پر لیٹ

دوسری صبح وہ شوہر کے ساتھ مٹھنے میں مصروف تھیں ایک غلام نے سامنے آ کر سیٹھ عثمان سے کہا۔

"صاحب، وحید آپ سے فوری ملنا چاہتا ہے۔ اس آدمی سے کسی کا پیغام آیا ہے کہ پہلی فرصت میں اس کا سامنا کر لیں۔"

سیٹھ عثمان نے وحید کو اسی وقت اندر بلا دیا۔ اس کے چہرے پر فطرتاً سے واسے فطرات کے گہرے نقش و نگار لکھے عثمان اور وحید بیگم نے یہی اخذ کیا کہ وہ ذاتی طور پر نہ زیادہ پریشان ہے۔

"ماں کے جلسے میں تمہیں کیا خبر ملی ہے؟" سیٹھ عثمان نے بڑی شفقت سے دریافت کیا۔

"بتائے واسے نے یہی کہا کہ شاید اس کا آخری وقت قریب ہے۔" وحید نے پریشان لہجے میں کہا۔ "ویسے بھی اس غریب کی پیاریاں اس کا بچہ بکڑے ہوئے ہیں۔ ماں باپ کی عمر بھی سیکڑوں بیمار لڑکی ایک بیماری ہے صاحب۔" وحید کی آواز رندہ تھی۔ "آپ اجازت دیں تو وہ گھٹے بعد والی گاڑی پکڑ کر چلا جاؤں، پھر نہ جانے اس کا آخری دیدار بھی نصیب ہونے ہو۔"

"انہی حالت میں ہماری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے۔" راجہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم صاحب سے بات کرو، میں ایک صحن میں اندر سے آئی ہوں۔" "یہ کیا تمہیں اس سے پہلے ماں کی بیماری کی اطلاع نہیں تھی؟" سیٹھ عثمان نے بڑی اپنائیت سے دریافت کیا۔

"نہ تو وہ غریب محضوں سے کچھ صاحب۔ میں دوا دارو کے لیے اسے دے لیتا رہتا تھا لیکن حالت اب تک نازک ہو چاہے گی، اس کے بارے میں تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

راجہ بیگم اپنے کمرے سے نکل کر چہرے پر آگئیں۔ انہوں نے ایک ہندو لاف وحید کو دے دیا۔ "اس میں کچھ پیسے ہیں اس کو دے دو، اس نے کچھ نہ گاڑی نکلتی ہی ماں کو کسی پرانے فرائض کو چھوڑا۔ اگر اسپتال میں بھی داخل کرنا پڑے تو دیکھو، صرف کسی طرح ایک فون کر دینا، تمہیں کتنی آرام دہ ہوگی وہ تمہیں فوری فکری جانے گی۔"

وحید نے اپنے بڑے ہاتھ لاف لے لیا پھر رونے لگا۔

"وہی ہے جو ہم سارا کھو وحید۔" سیٹھ عثمان نے اس کی دل جوی کی دھمکتی اور زندگی صرف اور صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ عثمان کو اس کی رمتوں سے بھی باہر نہ ہوا چاہیے۔

وحید زیادہ دیر نہیں مگا۔ منہ پھوٹا ہوا رخصتی سلام کے لئے قدموں والیں چڑھا۔ سیٹھ عثمان کچھ گرمندہ نظر آنے لگے، کسی بھی دفتری کارندہ سے یا گھریلو ملازم کو تکلیف میں دیکھ کر اس کا گہرا اثر قبول کر لیا ان کی فطرت میں شام



پُر جوش زندگی

80 سال سے زائد

شہابی

شہابی قدرتی اجزاء سے تیار کردہ صحت بخش دیک، بچہ کے سروں، موٹوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ منتخب برسی پوٹوں، پھلوں اور شہد سے تیار کردہ شہابی قدرتی مشروب صحت مند ہے جو نشوونما کو بڑھاتے اور جسم کو تھکا جاتے ہیں۔

شہابی میں موجود قدرتی اجزاء
 • نیایشیم
 • فولک ایسڈ
 • نیوٹرین

طبی دواخانہ (پرائیویٹ) لیمیٹڈ،
 کراچی، پاکستان



"آپ پریشان نہ ہوں۔ خدا وحید کی ماں اور اس کے بیٹے میں بھڑکی کرے گا۔"

"آپ نے وحید کو کتنی رتم دی ہے؟"

"لی امان میں نے دس ہزار روپے دیے ہیں لیکن آپ فکر نہ کریں۔ وحید کو قون آئے ہی میں اس کی ہر ممکن مدد اپنا فرض جان کر ادا کروں گی۔"

"آپ نے مجھ پر احسان کیا جو اسے دس ہزار روپے کر میری پریشانی کی قدر نہ کر دی۔"

"ایک درخواست کروں آپ سے؟" راحیلہ بیگم نے شوق و غلو سے شہر کو دیکھا۔

"آپ علم دیں۔"

"میری خاطر دل پر کوئی بوجھ نہ ہو ورنہ میں بھی آپ کی طرف سے پریشان ہونے کا حق رکھتی ہوں۔"

سید عثمان نے دل ہی دل میں بیوی کی عقلیت کو سلام کیا۔ دونوں پر ایک غم گہرا کر خوش نظر آئے تھے۔

"آپ دروغ کے لیے کس وقت نکلتا ہے؟"

"اس کی فکر نہ کریں۔ میں دفتر نوں کر کے کسی اور ذرا بیرونی کو بھی بلا سکتا ہوں لیکن میں نے آج گھر پر ہی آرام کرنے کا فیصلہ کیا ہے، صبح کے لیے کچھ ضروری تیار ہوں بھی کر لی ہیں۔ شام کو فریض ہو کر سارے پائی جیکہ آرام سے نکلوں گی۔"

"دفتر سے کسی اور بیورو کو جانے کے بجائے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم لیاقت حسین کو وحید کے آئے تک اس کی اسے دواوی سوپ دیں۔" راحیلہ بیگم نے اپنی زبان میں کہا۔

"آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چالی شاد آوی ہے۔ نہ ہوتا تو بھڑکی آگ کے شعروں میں کو کر کسی معذور عورت کی جان بچانے کی ہمت نہ کرتا۔"

"اگر آپ کا بھی مشورہ ہے تو ظہار ہر و چشم۔"

آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتا ہے۔ سید عثمان نے احوال پر طاری ہو چکے ہاتھ دوڑ کر کرنے کی خاطر اتنی محبت اور غلو سے اپنی دماغ مندی کا اظہار کیا کہ راحیلہ بیگم کے دل کا سا مارا ہو جی تر گیا۔ انہوں نے اسی وقت لیاقت حسین کو وحید کی دواوی تک دار ایجو کے فراموش ادا کرنے کا حکم صادر کیا تو لیاقت حسین بھی خوش ہو گیا۔

سید عثمان اٹھ کر اپنی غروب گاہ میں چلے گئے۔

راحیلہ بیگم نے بورچی خانے میں جا کر غلاموں کو کھانے کی

تیار کی کے لیے ضروری ہدایات دیں پھر شوہر کے پاس کمرے میں آ گئیں۔ بھٹی کے دل میں ان کا یہ معمول تھا کہ ایک گھر شوہر کے قریب رہ کر گزارتی تھیں۔

لیاقت حسین کو عارضی طور پر برفریض سوچا گیا وہ اس پر بے حد غور تھا۔ باہر آتے ہی اس نے سب سے پہلے یہ خوش فہمی کا دوا کو سنا کی بھر پور سے تبدیل کر کے گاڑی کو دھوئے اور اس پر پالش وغیرہ کرنے میں تن من و حین سے مشغول ہو گیا۔ غلو کی یوز حیا مال بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر لیاقت حسین کے پاس آ گئیں۔ بڑی باتیت سے یوں۔

"صاحب دو تو شرم میں جانا ہے اللہ کے بندے اگر ابھی سے کیوں جاننا مارے ہو؟"

"تم نہیں جانتا چاہا ہم کو آج جو بچہ فی سوچا گیا ہے اس نے ہزاروں کتا بڑا کیا ہے۔" لیاقت حسین نے جواب دیا۔

"ہم اس گاڑی کو دھو دھلا کر نئی ٹولی لہجن کی طرح پکا دے گا۔ صاحب دیکھو گا تو اس کو بھی خوش ہوگی۔"

"یہ شہر ہے لیاقت ہار۔ گاڑی دھوئے، چکانے کے بعد ایک دو پٹر بھی آس پاس لگا ضرور دیکھ لیتا۔ اس صرح تمہارا ہاتھ بھی صاف ہو جائے گا۔"

"کیا بات کرتا ہے چاہا۔" لیاقت حسین نے فحریہ انداز میں کہا۔

"ہم ادھر پہاڑی ملائے میں بڑا بڑا فکس میں چلاتا رہا ہوں۔ تمہارے شہر کا ڈرائیور لوگ بھی ان راستوں پر جہاں جینے مرنے سے بچا اسکے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ گاڑی چلتے ہوئے ڈوٹا ہے۔ ادھر شہر میں پھرتا ہوا گاڑی چلاتا تو ہر دالے ہاتھ کا تھیل ہے پھر کسی تھاری نصیحت پر عمل کرنے کا خاطر صاحب نے ہمارے سے ایک گھنٹے پہلے تھوڑا تھوڑا الزامی ضرور لے لیا تھا۔"

"یہ اچھا کام تک یوں بھی لے کر چلا گیا؟" مانی نے دریافت کیا۔

"ادھر کوئی میں اس کی ماں کا حالت لیا وہ غراب ہو گیا ہے۔" لیاقت حسین نے بتایا۔

"بہت دلوں سے وہ بیمار تھی۔"

"جیتے ہے۔" بوڑھے والی نے تعجب کا اظہار کیا۔

"کچھ دنوں تک رات تک وحید نے مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔" بوڑھے کی کمر سے جس بیٹھارے پر فکری پر فکری گائے میں کن کر متک رہا تھا۔ وہ دو رات بہت خوش و کھال دے رہا تھا۔

"ہوتا ہے چچا ہوتا ہے۔" لیاقت حسین نے اپنی سوچ کے مطابق جواب دیا۔

"بھی بھی انسان غم غلہ کرنے کا خاطر بھی اپنا دل پشور کی کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اسی کا

نام نہ ہوگی ہے، مقدر میں کیا لکھا ہے، بندے کو کیا ہر۔"

یوز حیا مانی سر ہاتا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

لیاقت حسین گاڑی کو دھونے کے بعد اس پر پالش کرنے کے چکانے میں جت گیا۔ ہر طرح سے ممکن ہونے کے بعد وہ کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کی خاطر بھٹی جسے کے ڈالی کمرے میں آرام کرنے چلا گیا لیکن مانی چچا کے کہنے کے مطابق اس نے ملے کر لیا تھا کہ صاحب کے جانے سے پہلے وہ گاڑی نکلنے سے نکال کر اسٹریٹ پر اپنا ہاتھ بھی تھوڑا صاف کرے گی خاطر قریبی سڑکوں کے ایک دو پٹر ضرور لگائے گا۔ اسی بہانے گاڑی کی ٹولی بھی لے لے گا۔ بھٹی اور گھڑی کار کردگی کا انداز بھی لگا لگا کر ضرور دیتی تھا۔

سید عثمان کو فیک صاف سے پائی جیکہ نکلتا تھا۔ لیاقت حسین پوری طرح صاف گاڑی کی ڈال لینے کی خاطر ٹھیک سارے میں جینے کے اسے نکلنے سے باہر لے گیا۔ کچھ دور جا کر اس نے جینے کو مایہ نواز اسے کچھ نرم محسوس ہوا۔ ایک در ہار پر پک آ کر اس کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ بریک کو کس وقت استعمال کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس کے بعد اس ٹھیک کے ایک دو پٹر لگانے کے بعد گاڑی کو باہر لگا کر روک دیا۔ ہارن بجا کر مسکراتے ہوئے گاڑی کو دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا پھر اٹھ کر اس کا پاؤں گچ سے بنا تو گاڑی ایک جھٹکا کھا کر بند ہو گئی۔ لیاقت حسین کو خود اپنی فطرتی پریشانی آ گئی لیکن گاڑی کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے کوئی ایسی بات محسوس کی کہ یک سخت پریشان ہو گیا۔ اس نے گاڑی کو اسٹارٹ کر کے گیٹ کے اندر لانے کے بجائے بائیں جانب سولہ اور دس پندرہ گز دور اس غرائی پلاٹ کے قریب لگا کر خڑا کر دیا جس پر فکری حیاں کھیں کھیں اکی نظر آ رہی تھی۔ گاڑی روکنے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ اگر انجن بند کیا۔ تیزی سے باہر نکل کر یونٹ اٹھا کر انجن کے قریب ہو کر اس آواز کو سننے لگا جو گیٹ پر اٹھا گا گاڑی بند ہو جانے کے بعد اس کے کانوں تک بھٹی گئی تھی۔ یہ مشکل ایک دامنٹ کے بعد تک۔ تک کی وہ آواز اسے واضح طور پر سنائی دینے لگی۔ لیاقت حسین کے دل کی دھڑکیں تیز ہو گئیں۔ اس نے برقی رفتار سے فکری کھول کر اس میں سے ڈال میں نکال پھر ایئر فلٹر کا اوپر کی دھکن کھولنے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی بھٹی رہ گئیں۔ وہاں درمیان میں بڑی احتیاط سے ایک دھکن سانسٹ کا پھر کھلا ہوا تھا۔ ہر کے ساتھ ہی ایک چھوٹی گھڑی بھی تھی جس کی سرخ سوئی متحرک ہونے... وقت تک تک کی آواز پیدا کر رہی تھی۔

لیاقت حسین اپنے شہر میں متعدد بار ایسے بموں کے استعمال اور وقت کے عین کا انداز بہت قریب سے لگا چکا تھا۔ صبح متحرک سوئی اور ہندوؤں پر غور کرنے کے بعد اس کے دل سے اسے اس کی بھٹی غلطی ہو گئی۔ سید عثمان کو گھر سے ٹھیک سارے پائی جیکہ نکلتا تھا اور ہم پہننے کا وقت چھ بجے تھا۔ لیاقت حسین نے ایئر فلٹر کا دھکن بند کرنے کے بجائے اس کو اوپر ہی لگا دیا پھر دھکن بند کرنے کے بعد تیزی سے گچ کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے سینے میں ایک آتش فشاں جھوٹا بار رہا تھا، انجن میں مانی چاہا کے کہنے ہوئے اٹھا لگی کو گچ رہے تھے۔ "کل رات تک وحید نے مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔" میرے ہی کمرے میں بیٹھا بی بی ریڈیو پر قومی گانہ سن رہی تھی کہ دم تھا۔ وہ گورانت بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

"تک حرام... غلو... خیر کا فکرم۔" لیاقت حسین دل ہی دل میں وحید کو گناہاں پکڑ رہا تھا۔

"کیا بات ہے لیاقت حسین؟" گاڑی نے اس کی ہونکلا بہت کو محسوس کرتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔ "تم نے گاڑی کو دھو کر یوں چھوڑ دیا۔"

"دروازہ کھولا... جھدی، گچے صاحب سے ملنا ہے۔"

"کیا ہو گیا؟" گارڈ نے پچانک کھولتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"کچھ ہم کو بھی تو پتا چلتے۔"

"ادھر کی کمرے رہو۔ گاڑی کے قریب مت جا۔"

لیاقت حسین اپنا جملہ عمل کرتے ہی گچے کی طرف بھاگا پھر اس نے تمام احتیاط کو ہالائے طاق دیکھ کر دروازے پر گئے سنجیدہ سوچ پر اپنی اگلی پوری قوت سے بنادتی، اندر داخل ہونے والی گچے کی آواز اسے بھی سنا دی دے رہی تھی۔ اس نے سوچا ہے ہاتھ نہیں اٹھا یا۔ ایک منٹ بعد ہی ایک ملازمہ نے دروازہ کھولا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے لیاقت کو ناگوار لہجے میں مخاطب کیا۔

"گچے مسلسل کیوں دھا رہے ہو۔ کیا آفت آ گئی؟"

"صاحب کو بلاؤ۔ فوراً۔" لیاقت حسین نے جھانک کر کہا۔

"ہم کو بھی ملنا ہے۔ جلدی کرو جلدی۔"

ملازمہ اس کی وحشت دیکھ کر اسے قدموں منہ ہی منہ میں کچھ بددیہائی انداز میں گئی۔ لیاقت حسین بے گئی سے ہار ہی کھینٹے گا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اگر وحید نہیں سارے ہو تو شاید صاحب تک قہقہے سے پھینے ہی اس کی

زندگی کا چرخہ گل کرنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہ کرتا۔ اس کی وحشت ہر لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ دو منٹ بعد سیٹھ عثمان کے ساتھ ساتھ راجہ یگانہ بھی باہر آئیں۔ کتنی کی مسکراتی آنکھوں نے انہیں بھی پریشان کر دیا تھا۔

”کیا بات ہے یہ لیاقت حسین؟“ سیٹھ عثمان نے لیاقت حسین کے چہرے پر ملاوی وحشت دیکھ کر دریافت کیا۔ ”تم اس قدر پریشان کیوں نظر آ رہے ہو؟“

”صاحب۔۔۔ وہ دوسرا آپ کا گاڑی ٹھیک چھپے ایک دم کے سے اڑ جائے گا۔“

”کیا بری فلی زبان سے نکال رہے ہو۔“ راجہ یگانہ نے تلوار کو سوال کیا۔ ”تم ہوش میں تو ہو۔۔۔“

”صاحب۔۔۔ لیاقت نے راجہ یگانہ کی بات کا جواب دینے کے بجائے ہاتھ جوڑ کر سیٹھ عثمان سے درخواست کی۔ ”پولیس کو بلاؤ صاحب۔۔۔ وہ وحید۔۔۔ ٹھیک حوالی کر کے فوراً ہو گیا ہے۔ آپ کا گاڑی میں بم فٹ کر گیا ہے جو چھپے چھپت جائے گا۔ ہم گاڑی کو فٹکے سے اور خفی پلاٹ پر چھوڑ کر آیا ہے۔“

لیاقت حسین کی بات سن کر راجہ یگانہ بے کیفیت سے دوچار ہو گئے۔ لیاقت حسین کی دیا آگ کو حق و سہری تھی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچا نہیں ہے۔

”چلو۔۔۔ میں دیکھتا ہوں۔ ابھی تو چھ بیٹے میں دو کھینے۔“

”نہیں۔۔۔ خدا کے لیے نہیں۔“ راجہ یگانہ نے شوہر کا ہاتھ تمام کر منٹ کی۔ ”آپ اسی وقت فوراً طور پر اپنے ڈی ایس پی دوست کو لون کریں۔ میں آپ کو کسی قیمت پر باہر قتل جانے دوں گی۔“

بول کی بات سن لینے کے بعد سیٹھ عثمان نے باہر جانے کا ارادہ ملائی کر دیا۔ وہ لیاقت حسین کو باہر رکنے کی تاکید کرتے ہوئے عورت گئے۔ راجہ یگانہ کے مشورے پر انہوں نے ڈی ایس پی سراج کو فون کر دیا شروع کر دیا۔ دو تین فیبروں کو آواز دے اور دوسری طرف سے بتائے جانے والے سے فیبروں کو آواز کرنے کے بعد پتہ پتہ خسران کا رابطہ سراج سے ہو گیا۔ انہوں نے منظر لیاقت حسین کی دی ہوئی اطلاع سراج کے گوش گزار کر دی۔

”تم غور کرو اور یہاں کو بھی گاڑی سے دور رکھو کسی دم کو بھی قریب جانے سے روکو۔ میں ابھی ہم اسپتال ہوا کے ایک وقت کار کو سے کر جلد از جلد قتل کی کوئی کوشش نہ ہوں۔“

”لی لیاقت اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا۔“ عثمان نے درخواست کی۔

”میں معاہدے کی نزاکت اور تمہاری پادشاهی کے لئے ہوں میرے آئے کا افکار کرو۔“

سیٹھ عثمان نے فون بند کر کے بولی کی طرف دیکھا جس کے چہرے کا سارا حسن ایک خطرناک خیرین کر لی وحشت لگ گیا تھا۔ انہوں نے بولی کو لگی دی لیاقت حسین کو اندر بلا کر خاموشی سے اپنی اسٹری میں لے گئے۔ راجہ یگانہ بھی شوہر کے ساتھ تھیں۔ لیاقت حسین نے سیٹھ عثمان کے استقبال پر بولی کی کہانی دہرائی۔ نوڑے مانی کا وہ جملہ بھی دیا دیا جو ابھی تک اس کے کانوں میں گنبد کی صدا کی طرح گونج رہا تھا۔

”خیرت ہے۔۔۔ مجھے دھیر سے یہ امید نہیں تھی۔“

”خدا کا شکر ادا کریں کہ لیاقت حسین بروقت کام آ گیا وہ آپ اس سے باتیں کریں۔ میں اور کثرت شکرانے کے لفظ پڑھ کر آتی ہوں اور۔۔۔ آپ کھر سے باہر قدم نکالنے کی غلطی نہ کیجیے گا۔ آپ کو میری قسم۔“

راجہ یگانہ پلاٹ کر جلدی میں چل گئے تو سیٹھ عثمان بھر حالات پر غور کرنے لگے۔ کچھ دیر خاموشی دے بھر دوبارہ لیاقت حسین کی طرف دیکھ کر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

”کیا نہیں پورا تحقیق ہے کہ کار میں لیاقت حسین ہے۔“

”ہم کو کیا یقین ہے صاحب۔ اپنے شوہر کی بیوی اور اہل خانہ اپنی آنکھ سے دیکھ چکا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اپنا ایک معمولی غلطی میں وقت پر کام آ گیا ورنہ۔۔۔ لیاقت حسین نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ وہ بے حد جلدی نظر آ رہا تھا۔“

”کیسی غلطی۔۔۔“

”میں قدرے سیٹھ عثمان صاحب۔“ لیاقت حسین نے نظر میں بھرا کر لیاقت حسین سے لگا کر پتہ چلنے والی غلطی جان کر بولی۔ ”میں صاحب نے مجھے جو کام سونپا تھا اس کی خوشی میں اتنا نہیں کر سکا ایک چھوٹا سا بھول ہو گیا۔ اس میں ابھی اوپر اسے لگا کر صحت ہی تھا صاحب۔“

”یقیناً وہی زندگی اور موت پر اختیار کر رہا ہے۔“ سیٹھ عثمان نے وہی زبان میں کہا۔ ”تم سے بھول نہ ہوئی تو سب کچھ تیار ہو جاتا۔ میری وجہ سے تم بھی نہ کہانی آلت کا۔۔۔“

”اب مت بولو صاحب۔“ لیاقت حسین نے اٹھا کی۔

”آپ اور یگانہ صاحب کا سہاگ کو خدا کا تم رکھے۔ آپ پر سے تو وہ لیاقت حسین بھی قربان ہو جائیں تو بھی کم ہے۔“

سیٹھ عثمان نے بڑی عقیدت بھری نظروں سے لیاقت حسین کو دیکھا۔ کچھ دیر کم کم رہے پھر ایک سرور آ، بھر کر بولے۔

”ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ وحید بھی میرے ساتھ ایسی گرمی ہوئی حرکت بھی کر سکتا ہے۔“

”کافر سب کچھ کر سکتا ہے صاحب۔“ لیاقت حسین پھر ہنساتی ہوئے لگا۔ ”اجید کو کہا مال دست کر خریدنے والے بھی کوئی کافر ہی کا بچہ ہو گا۔“

”تم باہر چا کر گیٹ پر روکو۔“ سیٹھ عثمان نے کچھ سوچ کر ہدایت کی۔ ”گاڑی کے قریب جانے کی غلطی مت کرنا۔ یہ بھی خیال رکھو کہ کوئی دوسرا بھی اس کے پاس نہ جائے۔“

”جھپک ہے صاحب۔“ آپ بے فکر ہو جاؤ، میں اپنا فرض سے نال نہیں ہو گا۔“ لیاقت حسین نے جواب دیا پھر پلاٹ کر بیڑی سے باہر چلا گیا۔

پچھتائیں منٹ بعد ہی ایس پی سراج بھی سادہ لباس میں کسی آؤ کی کے ساتھ آ گیا۔ گیٹ پر تل دگ کر اس نے لیاقت حسین کو اس آؤ کی کے سامنے کچھ ضروری ہدایات دیں پھر غور و انداز آ گیا۔ جہاں سیٹھ عثمان اور راجہ یگانہ دو ٹیم دونوں ہی اس کے منتظر تھے۔

سراج نے سیٹھ عثمان سے درستان انداز میں ہاتھ ملایا۔ راجہ یگانہ کی طرف دیکھ کر شکوہ کیا۔ ”عثمان کی کچھلی سے تو اب آپ بھی غلطی واقع ہوئی ہوں گی لیکن مجھے آپ سے ایسی امیدیں تھی کہ ایک بولی چائے کو بھی نہیں چھینگی۔“

”آپ بیٹھے تو ممکن ہے۔“ راجہ یگانہ نے مسکرا کر کہا۔ ”چائے کے ساتھ بھی بہت کچھ آ جائے گا۔“

”کیا تمہارے ساتھ کوئی اور نہیں آیا؟“ سیٹھ عثمان نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

”اعینان سے ملے ہو۔ جو آؤ کی آ رہا ہے وہ لیاقت حسین کے ساتھ باہر اپنا کام کر رہا ہے۔ ہم یہاں سکون سے بیٹھ کر رہا کرتے ہیں۔“

راجہ یگانہ سراج کی طبیعت سے واقف نہیں، ڈی ایس پی ہونے کے باوجود عثمان سے ابھی تک دوستوں کی طرح ملتا تھا اور اسے بڑی اپنائیت سے بھائی کہتا تھا۔ وہ لازم کو چائے لانے کو کہنے کے لیے اٹھ کر چلی گئیں تو سیٹھ عثمان نے بد مشور سنجیدگی سے چ پچھا۔

”کیا ہم باہر نہیں جا سکتے؟“

(1) انور کے مشہور دروازے

- (1) انور کے مشہور دروازے
- (2) شاہ عالمی دروازہ
- (3) سوہی دروازہ
- (4) کشمیری دروازہ
- (5) اکبری دروازہ
- (6) مکی دروازہ
- (7) دلی دروازہ
- (8) شیر افالہ گیٹ
- (9) مسٹی گیٹ
- (10) روشانی دروازہ (11)
- نکسائی دروازہ (12) سودی گیٹ
- (13) بھائی گیٹ

اشتبہار

گرمی اور غور و انداز کا توڑ ”ہمت نہیں۔“

آج ہی گھر لائیں اور گرمی سے نہات پائیں۔

سب مشہور اور پائیدار۔۔۔ ”ہمت نہیں۔“

اصل مجھ کے جوتوں سے ہا۔ ہاتھ کا بچھا، ہمت نہیں۔“

جتنی ہمت۔ اتنی ہول بھی چائے کھرچتا جائے پتہ جائے۔۔۔ ”ہمت نہیں۔“

محمد اسماعیل اجاگر۔۔۔ ہندی مصیبت

”مجھے تم سے کسی غلطی کی توقع بھی نہیں تھی۔“ سراج ہاتھ تمام کر سیٹھ عثمان کو اپنے ساتھ بٹھانے ہوئے بولا۔ ”مرد حق، تم نے ہی تو کہا تھا اس واسطے کی تشدد نہیں چاہتے ورنہ مجھے گھر چا کر لیاں تہیہ کرنے کی کو ضرورت تھی۔ اب بھی اگر تم کو تو متفقہ تھا کہ کو فون کر کے اس ایچ او کے ساتھ چار ہائیں واپس کو بھی بلاؤں۔ لیڈ یا کے لوگوں کو فون کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ وہ خود ہی خوشیہ سو گھٹتے ہوئے آ جائیں گے۔ کیا خیال ہے؟“

”بلیز سراج۔۔۔ ہاتھ کے لیے پیچیدہ ہو جاؤ۔“

"بھی نہیں، پہلے ڈرا جائے گے ساتھ انصاف کروں۔" سراج نے چائے کی لڑائی کے ساتھ راجہ راجہ کو بھی قریب آتے دیکھ کر دھڑکے بلند آواز میں کہا۔

ملازم لڑائی چھوڑ کر اپنے قدموں واپس چلا گیا تو سراج نے سموسوں کی پلٹ اٹھ کر ہاتھ میں لے لی۔ راجہ راجہ چائے بنا رہا تھا۔ "جیت بھر کر کھا لیتے۔" اندر اور بھی تیار ہو رہے تھے۔

"خدا آپ کے شوہر کے دوست کو زندگی عطا کرے۔" سراج نے ہنسنے سموسوں پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی بیٹی مہمان خوانی دیکھ کر دل کڑھتا ہے کہ گیس بھونکے۔"

"آپ بھائی کو بہت دنوں سے ساتھ نہیں رہے۔" راجہ راجہ نے سراج کا جملہ کات کر پھینکا۔ وہ کچھ گئی تھیں کہ سراج کے جیسے کی بات پھر اس کے شوہر پر پڑنے لگی۔

"اس وقت تو عثمان کے لون پر ابھر چکی ہیں آنا پڑا۔" دیکھتے ہی آپ کو علم ہو گیا کہ عمارتی ٹیم کو ساجی کاموں اور خواتین کی آئے دنوں کی محنتی آداری سے ذرا کم ہی فرصت ملتی ہے۔

کچھ دیر تک یہی بات ہوتی رہی۔ سراج حسب معمول سینہ عثمان کو راجہ راجہ کے سامنے چھینا۔ پھر جب ایک ملازم نے اس کو کسی کے آنے کی اطلاع دی تو اس نے راجہ راجہ سے دریافت کیا۔

"بھائی اگر آپ اہانت دیں تو اسے اندر ہی دو لوں۔"

"کون ہے۔" راجہ راجہ نے پوچھا۔
"بم ڈیپوزٹ اسکراڈ کا ایک اسے دار آئیر ہے۔" میرا پر ادا وقت کار ہے۔

"بلا میں وہ بھی چائے میں شریک ہو جائیں گے۔" ملازم اپنے قدموں واپس چلا گیا پھر اس آدلی کو بھی اندر لے آیا جس کا نام راجہ راجہ نے عثمان کے ساتھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔ راجہ راجہ نے والے مہمان کے لیے چائے بنائے لیکن ان کے کان بدستور سراج کی باتوں کی طرف لگے تھے جو راجہ راجہ کے آتے ہی سنجیدہ ہو کر اس سے باتوں میں مشغول ہو گئے تھے۔ سینہ عثمان کے چہرے پر بھی گہری سنجیدگی جا رہی تھی۔

"خدا کا شکر ہے آپ کے دوست کی کوئی بلی کام نہیں۔" راجہ راجہ نے تفصیل بیان کی۔ "کار میں میں بھونک کر کھا رہا تھا۔" اگر کس پاس ہو گا تو راجہ

بھونک کر دو چار گڑبڑوں کے پر لپٹے بھی ان میں موجود مسافروں سمیت لڑائی میں دوڑ دوڑ تک بھڑکتے۔

"اس دھب کریم کا بڑا ہاتھ کر اس نے آئی بلا میں رہی۔" راجہ راجہ نے جھرمٹ لیتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا۔ "لیاقت حسین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" ہم سے متعلق ضروری گفتگو کرنے کے بعد سراج نے راجہ راجہ سے دریافت کیا۔

"آپ پائیں آفسر لڑا۔" مجھ سے زیادہ بھروسہ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ بہر حال میں نے ان کی گفتگو سے بھی اندازہ قائم کیا ہے کہ وہ نہ صرف لڑائی اور ایسا انداز ہے بلکہ ضرورت پڑنے پر شاید ہاتھوں کی خاطر اپنی زندگی کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

"میں آپ کی رائے سے متفق ہوں۔" راجہ راجہ نے تاکید کی۔ "وہ لڑنا دوست نہ ہوتا تو ہمیں بروقت اطلاع بھی نہ دیتا اور۔" راجہ راجہ کچھ کہتے کہتے آپ ایدہ ہو کر خاموش ہو گئیں۔

"ٹیکس مسٹر ریاض۔" سراج نے راجہ راجہ سے کہا۔ "آپ نے یہ تو اپنی قومیں میں لے لیا ہو گا لیکن اس خبر کو۔"

"آپ میری طرف سے مطمئن رہیں لیکن جس نے بھی یہ مذہب حرکت کی ہے اسے سزا دینا بھی ضروری ہے۔" ریاض نے دوستانہ انداز میں جواب دیا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ اس سے نمونہ پیرا کام ہے۔"

"گفتگو کے دوران ریاض کی ضروری باتوں پر عمل تو وہ بڑی گفت میں معذرت کر کے چلا گیا۔ سراج نے وہاں وہ دشمنی اور دیگر لوازمات سے انصاف کرتے ہوئے سینہ عثمان سے کہا۔

"اب تمہارا بیٹا کون ہے؟"

"اگر تمہارا بیٹا وہ عید کی طرف ہے تو وہ وہیں آئے کی جانت تھی کہ۔"

"میں نے اجید کے نہیں، تمہاری آنندہ مصروفیات کے بارے میں دریافت کیا تھا۔"

"مصروفیات تو بہرحال جاری رہیں گی۔" سینہ عثمان نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھری سانس کی۔" بھر پور فیملی گیا تو دشمن اور شیر ہو جائیں گے۔"

"اس لیے برا مشورہ ہے کہ کوئی بڑی بات کے واسطے سے سینہ دو مہینے کے لیے بھائی کو لے کر کسی غیر ملکی

دور سے پر فٹل جاؤ۔" اس بار سراج نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "تمہاری اور بھائی کی موجودگی میں شاید اس پلان پر آزادی سے کام نہ کر سکیں جو میں نے سوچا ہے۔"

"سراج بھائی۔ آپ نے میرے منہ کی بات سمجھ لی۔" راجہ راجہ نے سراج کے مشورے سے شکی ہو کر اپنی ذاتی رائے کا اظہار کیا۔ "میں خود بھی گھر میں سکون سے نہ رہ سکوں گی۔"

"اگر آپ دونوں کی رائے یہی ہے تو۔۔۔۔۔" آپ بھی سفارت مند طور پر ہونے کا ثبوت دینے کے اور بھائی کی پریشانی کے پیش نظر کوئی بہانہ تراشے سے گریز کریں۔" سراج نے بے تعلقی کا مظاہرہ کیا۔ "دیکھتے ہیں کہ ہاتھ کے بعد مجھے ایک لختہ دل ضرور ہوگا۔"

"وہ کیا؟" سینہ عثمان نے وضاحت چاہی۔ "بھائی کی مہمان خوانی یا آدلی رہے گی۔" سراج نے بڑی عقیدت سے راجہ راجہ کو دیکھ کر کہا تو سینہ عثمان نے سکون کا سانس لیا۔

"اس مسئلے میں آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" راجہ راجہ نے بڑی اہانت کا اظہار کیا۔ "میں کسی نہ کسی سے راز و مخبر کو چھوڑ کر ہی ہوں گی۔ آپ صرف ایک لون کریں تو میری غیر موجودگی میں بھی آپ کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں آوے گی۔"

"کہا آپ پر راز گھر لانا چاہتی ہیں۔" سینہ عثمان نے اپنی بار سراج کو چھیننے کی خاطر کہا۔ "اس سے بھرتو گا کہ دو مہینے کے ناشتے پانی کا چمک کچھ کر آپ سراج کو دیں اور میرے گھر کی خیر منا میں۔"

"میں سراج بھائی۔" سراج نے اٹھتے ہوئے مصنوعی مہربانی کا اظہار کیا۔ "آپ کے شوہر کے اس اہانت آمیز سلوک کے بعد اب میں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتی۔"

راجہ راجہ ٹھہر کر آتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔ سینہ عثمان سراج کا ہاتھ تھام کر بولے۔

"چلیے۔ آپ کو ہر ایک چھوڑ آؤں اور نہ کہیں آپ دوبارہ نہ ٹھہر جائیں۔"

یاد آئے کے بعد سراج نے ایک ہر پھر سینہ عثمان کو تاکید کرتے ہوئے پر وہ اگر راجہ راجہ کو لے کر تین مہر و تفریق کے لیے چلا جائے تو وہ خود آسانی سے کام کر سکے گا۔

"کوئی پلان ہے تمہارے ذہن میں؟"

"ہاں۔۔۔۔۔" سراج نے خالص پوچھیں و انوں جیسے انداز میں کہا۔ "اجید صرف ایک مہر و تھا ہے استعمال کیا گیا۔"

اصل جز بیانیہ افضل فرماں ہوگا۔ میرے پاس اس کی ایک فائل موجود ہے جس کو سراج کو اپنے تعلقات کی وجہ سے اب تک دیا تا رہا۔ سراج نے چائے کے بعد میں کی پرائے حوالے سے اس سے ملاقات کر دیں گی۔ تم جانتے ہو کہ میری مخصوص ملاقات نہ دوں گے سراج کی ہوتی ہے۔"

یہاں پر مناسب کچھ لیکن بہر حال اسے میری ذات میں۔

"فہمیں۔" سراج نے بات منقطع کر دی۔ "میں جس انداز میں اسے ٹریپ کروں گا۔ اس کے فرشتوں کے زبانون میں بھی تمہارا خیال نہیں آئے گا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔"

سینہ عثمان سراج کو رخصت کر کے واپس اندر آیا تو راجہ راجہ نے بے تعلقی سے پوچھا۔

"کیا بات ہوئی سراج بھائی سے اور آپ نے ان کے مشورے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"پہلے میں آپ سے ایک اور بات پر شرمندگی کا اظہار کروں گا۔" سینہ عثمان نے بڑی محبت اور صاف گوئی سے اعتراف کیا۔ "آپ نے وحید کے بارے میں جو خیال ظاہر کیا تھا۔ اس وقت مجھے آپ کی بات نہ گوارا محسوس ہوئی تھی لیکن اب۔۔۔۔۔ اب میں آپ سے شرمندہ ہوں۔"

"میں باتوں سے میاں بھوی کے درمیان محبت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا ہے۔" راجہ راجہ نے لہجوں پر ایک قاطعانہ مسکراہٹ ابھری تو سینہ عثمان کے دل سے ایک بوجھ اتر گیا۔ کچھ دیر تک وہ محبت بھری باتیں کرتے رہے۔ راجہ راجہ کھنکھناتی تھی کہ شوہر نے سراج کے مشورے پر دو مہینے کے لیے اہر جانے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

اس خیال سے کہ کس سینہ عثمان اپنا ارادہ تبدیل نہ کر دیں۔ راجہ راجہ نے اگلے ہی دن اپنی ایک دور پر سے کی گھر کمالی اتحاد مزید کوشش بات پر آمادہ کر دیا کہ ان کی غیر موجودگی تک وہ راجہ راجہ کے شک میں قیام کریں گی۔ گھر کے ملازمین پرانے اور بھروسے کے تھے پھر بھی باری باری سب کو اسے داری کا احساس دلانے کے بعد انہوں نے جانے کی ٹھیکر تیاری بھی مکمل کر لی۔ اس دن تمام ضروری مصروفیات کے باوجود انہیں شوہر کا بڑی شدت سے انتظار رہا جو دفتر کے ضروری کام لٹنے اور ورکنگ اسٹاف کو ضروری کاروباری ہدایت کے لیے ملتر چے گئے تھے۔ دن میں بھی وہ تین چار بار فون کر کے ان کی خیریت بھی دریافت کر چکی تھیں۔

شام کو سیدھا مٹن واپس لوٹے تو ہاتھ کے بعد راجیلہ
 ٹیکے پڑ چھا۔
 "سب خبریت تو رہی؟"
 "جی ہاں۔" سیدھا مٹن نے بغیر کسی تردد کے مسکرا کر
 جواب دیا۔ "جو کام مجھے مل سکا تھا اور جس کی خاطر مجھے
 راستے سے ہٹانے کی کوشش کی تھی وہ شخص حلقہ کو بھی نہیں ملا۔
 ایک تیسری پارٹی فائدہ اٹھالے گی۔"
 "اس میں بھی خدا کی کوئی مصیحت شامل ہوگی۔ ویسے
 اور کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؟"
 "شیخ صادق کا فون آیا تھا۔ وہ بلاؤنی طور پر اظہار
 ہنس کر رہا تھا کہ میرے نہ آنے کی وجہ سے ایک تیسری
 پارٹی فائدہ اٹھالے گی۔" سیدھا مٹن نے بے پرواہی سے
 کہا۔ "میں نے بھی یہی ظاہر کیا کہ مجھے اس کام سے زیادہ
 دلچسپی نہیں تھی ورنہ میں شک میں ضرور شریک ہوتا۔"
 "آپ نے واشمنڈی کا ٹیوٹ دیا۔ بہرحال وہ نہیں
 سمجھ رہا ہوگا کہ افضل خان کے فون نے اثر کیا ہوگا۔" راجیلہ
 بیگم نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "آپ نے جہاز کی
 سٹوں کے لیے کیا کیا؟"
 "آپ کا کوئی حکم میں نے آج تک مانا ہے جواب
 اس کی جہازت کروں گا۔" سیدھا مٹن نے والہانہ انداز
 اختیار کیا۔ "اگر سیت تک ہوگی تو ہم دو روز بعد روانہ
 ہو جائیں گے۔ میں نے ٹریڈنگ ایجنٹ سے بات کر لی
 ہے۔"
 "میں نے بھی آج ہی ساری تیاری مکمل کر لی ہے۔
 صرف ایک کام رہ گیا ہے۔ اب آپ آگے لیں تو وہ بھی کیے
 سکتے ہوں۔"
 "ایسا کیا کام ہے جو میری موجودگی کے بغیر نہیں ہو سکتا
 تھا۔" سیدھا مٹن نے ہوشیاری کی آنکھوں میں چھانکتے ہوئے
 شوق سے پوچھا۔
 "پتھر۔" راجیلہ بیگم نے قہر سے شہر کر کہا۔
 "آپ ایسا کریں کہ لیاقت حسین کو عدالت میں لائیں۔"
 "خیریت۔۔۔"
 "ابھی تک ہم نے اسے کوئی انعام نہیں دیا جس کا وہ
 مستحق ہے۔"
 "یہ خیال کل میرے ذہن میں بھی آیا تھا لیکن میں
 نے فوری طور پر اسے چھوڑ کر اسے کاروائی ترک کر دیا۔ اس
 لیے کہ لیاقت حسین جاس فائر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب
 اور بیوی بھی ہے۔ بہرحال میں اسے لگاؤ میں لائیں اس بات
 سے کہ وہ اس کی لیاقت حسین کی لیاقت حسین فیروز

کا راجیلہ کی دیکھ کر اس نے ہمارے ساتھ جونگلی کی
 اس کا مرنے نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا احسان ہم شاید نہیں کر سکیں۔"
 "دس منٹ بعد لیاقت حسین نظر میں بھٹکے اور راجیلہ بیگم
 اور سیدھا مٹن کے سامنے اندر لاؤنج میں کھڑا تھا۔
 "لیاقت حسین۔" راجیلہ بیگم نے سنبھل کر گفتگو کی
 ابتدا کی۔ "کل جو سراج صاحب آئے تھے وہ جہاز سے
 صاحب کے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔ ان کے مشورے پر
 دو تین روز بعد ہم لوگ دو مہینے کے قرض کی دور سے پر ہا ہوا
 رہے ہیں۔"
 "آپ کا لیلہ ایک دم ٹھیک ہے؟" راجیلہ بیگم نے لیاقت
 حسین نے نظریں بھٹکائے ہوئے دہلی زبان میں جواب دیا۔
 "جب حالات ٹھیک ہو جائیں تو پھر اوپر والے نے بھی یہی حکم
 دیا ہے کہ انداز زندگی کی خاطر وقتی طور پر دشمن کے سامنے سے
 دور ہو جاؤ۔ کیا خبر کل نیلی پھرتی والا اس کا فریاد بھی شرمندہ
 کر دے جو صاحب کے لیے برا سوچ رہا تھا۔"
 "میں نے سارے ذمہ داریوں کو ضروری ہدایات دے
 دی ہیں کہ وہ اسے جانے کے بعد فنگے کا خیال نہ رکھیں۔"
 راجیلہ بیگم نے کہا پھر ایک بدلتا لیاقت حسین کی طرف
 بڑھاتے ہوئے کہیں۔ "اس میں کچھ تم ہے جو ہماری طرح
 موجودگی میں کام آسکتی ہے۔ اسے ایڈوائس تو اہل علم کی
 پھر۔۔۔" لیاقت حسین نے نظروں سے گزر کر بیوی کی
 طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں بے چینی اور غم کی دو جلیں
 شامل تھیں۔
 "دیکھو لیاقت حسین۔" راجیلہ بیگم نے کوئی بھی حکم کسی کے
 غلوں یا قربانی کا حکم ابدی نہیں ہو سکتا لیکن مسلمان کا کچھ
 اخلاقی فرض بھی ہوتا ہے۔"
 "میں سمجھ رہا ہوں صاحب۔" لیاقت حسین نے
 کسمپاسی سے کہا۔ "میں نے سب دیا۔" ہم آپ کا لازم ہے۔
 آپ یا بیگم صاحبہ کے کسی حکم سے انکار نہیں کر سکتا لیکن۔۔۔"
 وہ جملہ کلمات بھٹکے ہوئے اس کی نظریں پھرتے تھے۔
 "تم چپ کیوں ہو گئے؟" سیدھا مٹن نے بڑی
 حیرت سے کہا۔ "جو دل میں ہے کہہ دو۔۔۔ ورنہ اندر کی
 دنیا اور بڑھ جاتی ہے۔"
 "صاحب۔۔۔ ہم غریب ضرور ہے لیکن اتنا جانتا
 ہوں کہ کسی نیکی اور فرض کو اسے کرنے کے بعد بندہ اگر اس کا
 سوال کرے تو خدا کی بات اچھا نہیں لگتی۔"
 سیدھا مٹن کو پہلے ہی یہ احساس تھا کہ لیاقت حسین فیروز

طرحیت کا مالک ہے۔ ان سے کوئی جواب نہ دینا پڑا تو راجیلہ
 بیگم نے لیاقت حسین سے بڑی انکساری اور اہانت سے
 سوال کیا۔
 "لیاقت حسین، تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟"
 "آپ اس گھر کا مالک ہیں؟" راجیلہ بیگم صاحبہ۔
 "میں مسلمان ہونے کے باوجود میرے اور تمہارے
 درمیان صرف مالکین اور محترم کا رشتہ ہے؟ اور کوئی رشتہ نہیں
 ہے؟"
 لیاقت حسین ایک لمبی کھینچ کر پڑا گیا پھر مدھم لہجے میں
 بولا۔ "ہمارے سرکار کا کہنا ہے کہ سب مسلمان ایک دوسرے
 کا بھائی ہے اس لیے کسی دوسرے کو حقیر نہ سمجھو۔ جسے تم حقیر
 سمجھتے ہو، ہو سکتا ہے وہ خدا کا حکم اس میں تم سے زیادہ اچھا
 ہو۔ ہم کو گواہوں میں مولوی صاحب نے یہی تعلیم دیا تھا۔ اس
 کے آگے ہم کو نہیں سمجھ سکتے۔"
 "پھر تم نے فلا اندازہ کیوں قائم کر لیا۔" راجیلہ بیگم
 نے لیاقت حسین کی بھائی ہوئی بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
 کہا۔ "یہ تم مسلمان ہونے کے نام پر میرے بھائی اور
 تمہاری بیوی میری بہن کیوں ہو سکتی؟"
 "کیوں نہیں ہو سکتا بیگم صاحبہ لیکن۔۔۔"
 "اب لیکن لیکن کو پھوڑو اور ایک بہن کی طرف سے
 دوسری بہن کے لیے اس رقم کو نقد کچھ کر قبول کرو۔ تم نے
 انکار کیا تو مجھے دکھ ہوگا۔"
 "بیگم صاحبہ کا کہنا میں بھی سمجھ نہیں رہا لیاقت
 حسین۔" سیدھا مٹن نے ہندویشی سے کہا۔ "تم بھی انکار
 نہ کرو۔ ایک بات اور سمجھ لو، جو ہم صرف انسانیت کی بنیاد پر
 دی جاتے ہو بھی حسن اخلاق اور نیکی کہلاتی ہے۔ اس سے منہ
 پھیر لینا بھی دوسرے کی دل شکنی کا سبب بن سکتا ہے۔"
 لیاقت حسین نے ایک لمحہ ہل کیا پھر ہچکچاتے ہوئے
 لہو قہقہہ ہوا۔
 "آج میں تمہیں ایک فیس داری اپنا کچھ کر سونپ
 رہی ہوں۔" راجیلہ بیگم نے لیاقت حسین کے تاثرات کا
 اندازہ کرتے ہوئے اس کی گھٹن کم کرنے اور اپنی دلی
 خواہش کے پیش نظر کہا۔ "مادی فیروز جو دہلی میں تمہیں تمام تر
 التیاریات دیں گے۔ تم ہمارے جانے کے بعد ہر بات کا
 خیال رکھو گے۔"
 "آپ اس کا فکر نہ کریں بیگم صاحبہ۔ ہم آپ کو زندگی
 میں کبھی باوجود نہیں کرے گا۔ یہ ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔"
 "تو دیر بعد لیاقت حسین سلام کر کے چلا گیا تو راجیلہ

غور طلب
 بیگم صاحبہ ایک اہل حقیقت ہے، اس سے
 غور طلب رہا ہے۔ یہ مقدور کہ کھڑے نہیں ملے۔
 ملا زندگی ایک خوش رنگ مٹی کے اندھے
 ہوا کھڑا کتوں میں الجھ جاتی ہے۔
 ملا بہت سارے ایسے دکھ جن کا ہم تصور
 بھی نہیں کر سکتے، اکٹرا ہمارے اہلوں کے ویسے
 ہوتے ہیں، جن سے ہاتھ پیر نہ نہیں ہوتا ہے۔
 ملا اہلوں کی فطرتی کو معاف کر دینے کے
 ملا وہ ہمارے اس کوئی چہرہ نہیں ہوتا۔
 ملا جو لوگ معمولی بات پر رو پھرتے جاتے
 ہیں۔ ان سے وقتی رکھنے سے بہتر ہے کہ کسی بچے
 سے وقتی کر لی جائے۔
 ملا قرض سے بچیں کہ یہ دن کی زلت اور
 رات کا غم ہے۔
 ملا مصیبت سے مت گھبراؤ کہ ستارے
 اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔
 ملا روشنی کرتا چاہتے ہو تو ستارہ وہی ہے کی نہ
 میں تپ جاتا ہے۔
 ملا مشکلات انسان کی روح کی آواز ہوتی
 ہیں۔
 ملا کمزور یوں میں سب سے بڑی کمزوری
 مایوسی ہے۔
 ملا جب زندگی کمزوری ہوتی ہے تو ہم اس
 کی طرف نہیں دیکھتے اور جب کمزور جاتی ہے تو پھر
 اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔
 ملا دیکھنے کی ساری زندگی سے صرف ایک
 لمحہ پرواز کا بہتر ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے حاصل
 ہوتی تو دنیا کے بے طرف بھوکے مر جاتے۔
 ملا ایک جیسا ایک لاکھ نہیں ہوتا مگر ایک
 لاکھ میں سے ایک جیسا نکال دیں تو وہ ایک لاکھ
 نہیں رہتا۔
 ملا پاگل اور عقل مند دونوں بے ضرر ہوتے
 ہیں۔ صرف بیم پاگل اور بیم عقل مند خطرناک
 ہوتے ہیں۔
 ملا جگہ جگہ ان میں شادی

نیکم کے علاوہ سچے عاشقوں نے بھی سکون کا سانس لیا۔
 جہاں جہاں

اُسے دار پالیا بڑا دم نہانے کے بعد لیاقت حسین اکبر
 دیر سے گھر آئے لیکن آج اسے خلاف توقع کچھ زیادہ ہی
 دیر ہو گئی تھی۔ گل خان کی چوٹی سوار سے لوہے کی دات تک
 فرحین کے پاس رہی پھر اپنے گھر پہنچی۔

فرحین نے زور سے کھانے کے بعد لائین کو اٹھا کر
 ایک طرف رکھ کر پھر بہتر پریت کر لیاقت حسین کے پاس
 میں سوچنے لگی۔ لیاقت حسین کے ساتھ شادی کرنا اس کی دلی
 خواہش تھی اور اس سوچے میں اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔
 کچھ دن گئی تھی میں ضرور گھر سے پھر قتلے اس کی منت لی۔
 سیدہ عثمان کے پاس ملازمت مل جانے کے بعد اسے کئی بات
 کی فکر نہیں رہی تھی۔ لیاقت حسین کو ہر ماہ جو تنخواہ ملتی تھی وہ
 اس میں سے بھی تنخواہ بہت کچھ بچا کر پیش آنے والی
 ضرورت کی خاطر ہاں انداز کر لیتی تھی۔ چرکیداری کے بعد
 لیاقت حسین کو بڑے صاحب کی ڈرائیوری کا فرض سونپا گیا تو
 اس کی تنخواہ بھی چار ہزار کے بجائے پورے پانچ ہزار ہو گئی
 تھی۔ فرحین نے اس روز بھی شہر آنے کے وہاں اڑا دیے تھے
 اور اس وقت بھی اس نے اس "توہ" کو شریک "کے حضور
 سہارا دے ہو کر بڑی عاجزی سے گزر کر اس کا شکر دیا تھا
 جب اس کے شوہر کی وفات پر ایک مسلمان کبر کر کسی لیکن
 نے دن بھر کی نظیر رقم اس کے گھر پر آ کر رکھ کر کہہ کر کوئی
 کچھ پھر اس روز سے راجہ دیکھ کر کے اندر بھی وہ پر غصہ
 عورت بھی نظر آ گئی جب روانگی سے قبل اس نے فرحین کو گھر
 بلا کر اسے ایک لیکن کہہ کر گئے وہاں تھا۔ یہ وہ اقرار ہے جو
 اسے اور اس کے شوہر کو خدا کی مرضی سے عطا ہوئے تھے۔

فرحین چار پالی پر پہنچی انکی باتوں کو یاد کر رہی تھی جب
 سے مکان کی کچھ عورتوں کی طرف سے جو قبرستان کی سمت نکلتی
 تھی کسی کی آواز ایسی دم سنائی دیتی جیسے کوئی خوش ہو کر ہنس
 رہا ہو۔ فرحین ہنس کی اس آواز پر ہنسی۔ آج تک اس نے
 قبرستان کی جانب سے تنہا بار بار دھونے دھونے، سکھوں اور
 ہوں کی آواز نہ سنی تھی لیکن آج کسی کے گھنے گھنے انداز میں
 نے کی آواز سن کر اسے قہر بھی ہوا پھر رات کے گیارہ بجے
 وہاں پہنچے پہنچ کر بارہی قبرستان کی طرف سے اپنی کوئی
 از ستانی رہی تھی۔ دن بھر وہ پورے کے لیٹا سے کھڑی
 ہو کر کھڑی تھی لیکن عشا کی آواز کے بعد اسے ہوا آئے کی
 لڑکھول دیتی تھی۔ اس کے کھڑکی پر ایک بچہ پڑا ہوا تھا
 وہ بھی کراہ رہا تھا۔ حکومت کی جانب سے بھی اس

قدیم قبرستان میں گھاٹی نہ ہونے کے سبب سے مراد
 دفنانے پر پابندی کا اندھنی لیکن بھی جھوٹے جوں میں رہنے
 والے کسی صبر میں موت ہو جاتی تو وہ اپنا سروا اسی قبرستان
 میں پرانی اور لاوارث قبروں کے درمیان دفن کر لے کے
 لیے تھوڑی گھاٹی نکال لیتے تھے۔

فرحین نے اللہ کریمین کی روشنی مدد کی پھر جب
 قدموں کھڑکی کے قریب آ گئی۔ پردے اور پھٹ کے
 درمیان تھوڑی سی جگہ بنا کر اس نے باہر دیکھا۔ اندر سے
 کے سبب کچھ دیر تک تو کچھ بھی نظر نہ آیا پھر وہی کھلی کھلی کی
 آواز دوبارہ ابھری تو فرحین نے اس انسانی ہونے کو دیکھا
 جو کھڑکی سے تقریباً دو گز دور اس طرح اٹھتا نظر آیا جیسے کئی
 منہم قبر سے کوئی مرد ویرا ہوا ہو۔ فرحین نے دھچک نہیں لگی
 پھر بھی ایک انجانے خوف کی لہر اس کے پورے وجود میں
 سرایت کر گئی۔ اس کے بعد اس نے قید کے کو ایک جیب
 حرکت کر کے دیکھا۔ وہاں ہاں، اندر کر کے دھچک کر رہی رہا
 تھا۔ اور نہ ادھر ہندو کرنا چھنے لگا تو فرحین نے گھبرا کر کھڑکی کو
 آہستہ سے بند کر لیا۔ اس کا دل بھی بے حد خوف سے اچھکے
 لگا۔ دھچک سے لگی تھری اس شخص یا شیطان کے بارے میں
 سوچنے لگی جو آدھی رات گئے ویران قبرستان میں برہنہ پڑا
 رہا تھا۔ وہ خوف سے کئی اس کے بارے میں غور کر رہی تھی
 کہ وہ ان سے پردہ کی آواز سن کر اس طرح قبر میں کیسے
 وہ اپنے ہونے میں تدری ہو پھر اس نے ایک کر دوں اور کھڑکی
 دیا۔ لیاقت حسین نے حسب معمول دروازے پر دھچک کے
 ساتھ ہی اسے آواز بھی دی تھی، یہ اس کا ہمیشہ کی عادت تھی۔

لیاقت حسین اللہ آ گیا تو فرحین نے دروازہ بند کر دیا پھر
 دل کی اچھکوں کو سنبھالتی شوہر کے پاس آ کر بیوی۔ "کیا
 بات ہے۔" "آج تم کو پھر دیر ہو گئی؟"

"دیر کچھ پر صبح کا وقت پوچھیں۔" "فرحین سراج
 صاحب مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اس کا ساتھ ہاتھوں میں دیر
 ہو گیا۔"

"پوچھو کہ آج کچھ فرم سے ملے آیا تھا؟" فرحین نے
 پوچھا۔ "سب کچھ تو ہے؟"

"اب تو شہر میں گھر سے لیاقت کا جان۔" اس نے
 فرحین کو یاد دلایا لیکن کچھ کہہ کر کہا۔ "آج اپنے دل کا ایک اور
 ارمان پورا ہو گیا۔"

لیاقت حسین نے جب اپنے لباس کے پیچھے سے ایک
 نیا ہتھوڑ نکال کر فرحین کو دکھایا تو فرحین کو یاد آ گیا۔ شادی
 سے پہلے بھی اسے معلوم تھا کہ لیاقت حسین نے ہتھوڑی چلائی

سیکھ دکھا ہے۔ اس کا نشانہ بھی غضب کا تھا لیکن باپ کی
 مخالفت کی وجہ سے وہ اپنے لیے کوئی اتنی اسلحہ نہیں خرید سکا
 تھا۔ آج اس کی ایمانداری کے سبب یہاں بھی پورا ہو گیا۔
 "ہم کو کدھر سے مل گیا؟"

"سراج صاحب نے دیا ہے۔ صاحب شاہیہ اس کو
 بول کر لیا تھا۔ اس کا ساتھ ہی چار سے لیے پکا لائین بھی لیا
 کر دیا ہے جس پر سرکاری تھا پکا ہے۔"

لیاقت حسین، فرحین کو جیب سے لائین نکال کر
 دکھانے لگا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ بار بار خوشی اور خوش
 ہرے انداز میں فرحین کو بھی گئے۔ لکھتا تھا۔ "فرحین بھی
 شوہر کو خوش دیکھ کر خوش ہو۔"

"کیا آج کھانا کھانے کا ارادہ نہیں ہے؟" اس نے
 شوہر کے بازوؤں میں سے لے کر اسے اپنے گھر لے گیا۔

"ابھی بس ہندو اور اصلی خوراک تو تم سے جان چکر۔"
 لیاقت حسین نے بھی کو شر پر نظروں سے دیکھا۔ "آج
 کھانے کا کچھ کرو۔" لیاقت حسین لڑا کھٹک کر بیوی کے

اور قریب ہو گیا۔ اس کی سانسیں ٹپکتے لگیں۔ فرحین نے بھی
 شوہر کی کئی بات سے منہ نہیں سوزا تھا۔ وہ اس کا محبوب بھی تھا
 اور محازی خدا بھی۔ شوہر کی سانسوں کی آواز اسے اپنے گالوں

پر محسوس کر کے وہ بھی جھپٹنے کی۔ ہندو بات یہاں اکثر ہونے
 لگے تو دونوں کی بھی کئی سانسیں بھی ہم آغوش ہونے لگیں۔
 شوہر کی ہانپوں میں سست کر فرحین کو ہمیشہ ایک ہی لذت کا

احساس ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ محبت کی مسکن دواؤں کی
 سیر کر رہی تھی جب باہر سے گل خان کی آواز سن کر چند بات کا
 غی نہیں مارتا طوطاں یکدم ختم گیا۔ گل خان اس کے گھر کے
 قریب نہیں تھا۔ اس کی آواز قبرستان کی طرف، کچھ دور سے

سنائی دی، وہ اپنی زبان میں لیاقت کو باہر آنے کا کہہ رہا تھا۔
 "یہ کیا اب میں ہندی کدھر سے آ گیا۔" لیاقت حسین
 نے فرحین کو چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

فرحین بھی لباس درست کرتے ہوئے اللہ کھڑکی
 ہوئی۔ اسی لمحے اسے یاد آ گیا کہ شوہر کے آنے سے وہ شہر
 اس نے قبرستان میں کیا دیکھا تھا۔ "کتنی گل خان نے بھی تو

وہ تھا شاید دیکھ لیا؟" اس نے دل میں سوچا۔ "یقیناً
 کئی بات اونی ورنہ اس وقت اسے لیاقت حسین کو آواز دے
 کر باہر جانے کی اور کچھ ضرورت نہیں آ سکتی تھی؟ گل خان

نے دروازے پر دھچک دی اب تو اور بات تھی۔ "وہ ایک
 کر دو بارہ کچھ عورتوں کے قریب بھی گئی۔ اس نے پردہ تھوڑا
 سا اٹھا کر باہر دیکھا تو دل دھچک دھچک کر کے گل خان اور

انہی کا شوہر اپنی قبر کے پاس کھڑے تھے جس کے قریب اس
 نے کئی بار اپنے شیطان نما ہونے کو رہنا ہو کر خوشی سے
 رہتے ہوئے تھا۔ لائین کے دل میں اچانک سے وہ سے ابھرنے
 لگی۔ اس کے دل میں ہوتا تو وہ آواز دے کر شوہر کو بلا لیں

لا لیں۔ نصف رات گئے کئی قبرستان میں عام طور پر ضرور
 اس لوگ جانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ لائین نے اپنے
 گاڑوں میں عورتوں کی رہائی سن رکھا تھا کہ رات کے وقت

قبرستان میں بھوت پریت کا رواج ہوتا ہے، کدھی دوشیں بھینکی
 پھرتی ہیں، لیاقت حسین ان باتوں کو نہیں مانتا تھا۔

فرحین کھڑکی کے قریب کھڑی شوہر کی خیریت کی
 دعا میں لگتی رہی لیکن جب اس نے گل خان کو ایک سولی
 درجہ روشن کرتے اور شوہر کو زمین پر کھٹے لپک کر لیاقت قبر کے

خلائق آوے وہاں سے غائب ہوتے دیکھا تو اس کے دل کی
 وجہ نہیں قابو سے باہر ہونے لگیں۔ اس کے ذہن میں یہ خیال
 تھری سے کھلا رہا تھا، ایک بار باہر آ کر وہ کچھ لے ہے

لے قریب سے دیکھنے یا اللہ نے کے لیے لیاقت حسین نے
 آدھے جسم کو ایک ویران اور ایذا قبرستان کی کسی شہت قبر میں
 اتار رکھا تھا۔ لیاقت حسین کی اس حرکت کے بعد گل خان بھی

اس کی کمر تمام کر زمین پر آ کر پڑ گیا۔ لیاقت حسین کی
 طرح اس کی نظریں بھی قبر کے اندر چلتی نظر آ رہی تھیں۔ دور
 ہونے اور اندھیرے کے سبب وہ شوہر یا گل خان کے

پہرے کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھی۔ اس لیے فرحین کی
 پریشانی پر کچھ بڑھتی جا رہی تھی۔

پانچ منٹ گزر گئے پھر فرحین نے گل خان کو اٹھنے
 دیکھا۔ اس کے بعد لیاقت حسین بھی باہر آ گیا اس کے ہاتھ
 میں کوئی شے ضرور تھی جس کے بارے میں گل خان نے گھبرا

کر کہا تھا۔
 "ابنا اور بھائی کے ساتھ دشمنی مت کر لیاقت، اسے
 وہاں قبر میں پھینک دے۔"

"میرے ساتھ گھر چل گل خان۔" لیاقت حسین نے
 سنجیدگی سے جواب دیا۔ "آرام سے بیٹھ کر دیکھتے ہیں کہ کیا
 چکر ہے؟"

"میری بات ان لے میرا دوست۔ یہ کام کسی چاہد
 کا فر کا بھی ہے۔"

گل خان کا دوسرا جہر بھی فرحین کے لیے پریشان کن
 تھا۔ اس کے معصوم دل کی دھڑکیں بے ترتیب ہونے لگیں۔
 لیاقت حسین گل خان کی بات سن کر گھر کی طرف قدم بڑھانے
 لگا۔ لائین کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر دروازے کے قریب

آگئی۔ دو مصلحت بعد گل خان اور لیاقت حسین بھی جیروانی دروازے سے ہوتے ہوئے کچے گچن میں آگئے۔ لیاقت حسین نے دروازے کے قریب رہی لائین کی لوہے کی جادوئی پھر وہ لیاقت پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد فرحین نے شوہر کے ہاتھ میں جوئے دیکھی اس سے اس کا پورا وجود لہو لہو کی زاری میں آئے ہوئے کسی معصوم اور نازک بچہ سے کے اندر کھپانے لگا۔ اس کی آنکھیں جیروت کے مارے حلقوں سے اٹھنے لگیں۔

لیاقت حسین کے ہاتھ میں ایک مٹی میں تھنڑا لیٹوں تھا جس میں وہ بڑے سہارے کی پگھلی سونیاں اس طرح کھونٹتی تھیں کہ آریا نظر آرہی تھیں۔ دونوں سروں پر ڈونے خون کی جھلی ہوئی گھیریں بھی صاف دکھائی دیتی تھیں۔

"یہ... یہ... یہ کیا ہے لیاقت؟" فرحین دروازے کی اوٹ سے طبعی طور پر سوال کر رہی تھیں۔

"یہ گل خان یونہی ہے کہ کسی خنزیر کے جسم سے کسی دشمن کا جان لیوہ کے لیے یہ گندہ لعل کیا ہے۔" لیاقت حسین نے بے پروائی سے کہا۔ "اس میں جو سونیاں تھنڑا تھا وہ کسی غریب کے بدن کا سہارا بن چکی ہے۔" فرحین نے لڑتے ہوئے سوال کیا۔

"تم اس کو دھر گھر میں کیوں لے آ یا؟"

"دوست میرا بات ان لے۔" گل خان نے بھی پریشان کن لہجے میں کہا۔ "ویر نہ کر، اس نکوٹا بلا کو دیکھیں کہ اس کی قبر میں اس سے۔ میں نے سنا ہے کہ جو بھی اس گندے گل میں دروازے لگائے یا اس کی لپٹ میں آجائے تو وہ بھی پادشہوں کی طرح سے میں پڑ جاتا ہے۔"

"گل خان۔" لیاقت حسین نے بڑی تنہید کی سے سوال کیا۔ "اگر بھی تم مجھے دیکھ جاؤ تو تم موت کے منہ میں جاؤ دیکھتے تو کبھی کرے گا؟"

"ہم تمہارا جان بچانے کی خاطر اپنا زندگی بھی قربان کر دے گا۔" گل خان نے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔

"تم کو اپنا فرحین کا جسم لیاقت۔" فرحین دروازے کی اوٹ سے گڑ گڑائے گی۔ "اس جہال سے اپنا اسن پالے، اس نکوٹ اور گندے لیٹوں کو دھر ہی قبر میں ڈالیں ال آ۔"

لیاقت حسین ایک عجیب ذہنی کشش میں مبتلا تھا۔ ایک طرف گل خان کی طبیعت اور بھائی کی اچھی۔ دوسری طرف اس کے کانوں میں کچھ دیر سے اپنے مولوی صاحب کی کچھ باتیں آواز ابھرنی لگی تھیں۔ اس کی نظریں لیٹوں پر پڑیں جس میں سونیاں لگی تھیں اور اس میں سے آسمانی

خون کی ایک باریک سی ٹکیر آہستہ آہستہ نمودار ہونا شروع ہوئی تھی۔ اس نے نظریں گھما کر گل خان کی ہمت دیکھا۔

"گل خان۔" کیا تم جانتا ہے کہ یہ پلید گل کا پتھر کیوں چھایا گیا ہے؟"

"ہاں۔" گل خان نے تیزی سے جواب دیا۔ "میں کانفرنس کے لیے اپنے زمین کو جان سے مارنے کی خاطر غیر مذہب کے کسی شہر سے یہ خطرناک اور گندہ لعل لایا ہے۔ جب تک وہ غریب مر نہیں جائے گا۔ نیچے سے خون کا ٹکیر بہتا رہے گا۔"

"اور اگر کوئی یہ پاپاک سونیاں نکال کر پیچیک دے تو..."

"تم کو خدا کا واسطہ۔" فرحین پھر تڑپ کر بولی۔

"میں ہاتھ جوڑ کر بولتا ہے کہ بھائی گل خان کا بھی کیا مان لے، اس گندہ لعل کو دیکھیں اس کی جگہ پیچیک دے جہاں سے لگا کر لایا ہے۔ ویر نہ کر لیاقت۔"

لیاقت حسین فرحین کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ اسی کو اپنانے کی خاطر اس نے اپنا گھر بار بھی چھوڑ دیا تھا۔ ایک انگ و بیابانی تھی جہاں قوم کی مہربانی سے وہ بڑی تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ اس کی زندگی میں ایک ایسی ہی یاد کے سوا اور کوئی دکھ نہیں تھا۔ اسے باپ کی یاد بھی سائی تھی لیکن وہ اس کا اٹھنا نہیں کرتا تھا۔ اس نے فرحین کو پانے کی خاطر وہاں پر جبر کر کے ہر چیز سے منہ موڑ لیا تھا۔ اس وقت وہی فرحین اس کو ہاتھ جوڑ کر خدا کا واسطہ دے رہی تھی۔

ایک لمحے تک لیاقت حسین شش، پنج میں دھماکا پھیر لیٹوں کو گھومتے ہوئے تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

لیاقت کی گہری سوتیلی بھائی نے ہاتھ مسکرتی تھا۔ کوئی سمجھتی تھی جو اس کے ذہن میں کھل رہی تھی۔ خاموش کھڑا وہ خاص دیر تک اس کی آنکھوں کو کھانے کی کشش میں جتا رہا۔ گل خان قریب کھڑا تھا۔ دوست کے فیصلے کا منتظر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لیاقت حسین اویہ اور ڈپاک گندہ لعل تو توں کو پیچھے چھوڑ چکا تھا۔ گل خان کا کات کرنے سے توڑے بڑے غامض لہجے میں اسے کہا۔ سب جانتے تھے کہ اگر وہ سلی کا توڑ نہ کرے تو بولن ک تباہی موت کی آخری سالوں تک ان کا غم بھرتی رہے گی۔ دوسری طرف فرحین دروازے کی آڑ میں کھڑی خدا سے دعا بھی مانگ رہی تھی کہ اس کا شوہر اپنا ارادہ تبدیل کر دے۔ جو منتظر اس نے شوہر کے آنے سے پہلے کھڑکی کی اوٹ سے قبرستان میں دیکھا تھا، وہ بھی اس کے لیے کچھ کم پریشان کن نہیں تھا۔ گل خان کی باتیں سن کر وہ ولی

کئی تھی کہ جو سونیاں لیٹوں میں بیوست تھیں وہ کسی کا خون ہوس رہی تھیں۔ اس وقت تک ان کا گل جادو رہے گا جب تک وہ گل ہلاک نہ ہو جائے۔ جس پر وہ پلید گل کیا گیا تھا۔ گل خان نے لیاقت حسین کو یہ بھی یاد دہانے کی کوشش کی تھی کہ اگر اس نے اس گندے لعل کو توڑنے کی کوشش کی تو پھر شیطانی قوتیں اس پر چھپٹ پڑیں گی۔ جیسا کہ ان کو دیکھا۔

فرحین کی معصوم زبان خدا سے تھیں بان رہی تھی۔ اس کی نظریں لیٹوں پر بھی ہوئی تھیں۔ سونیاں کے کناروں سے خون کی مٹی گھیرا سے واضح طور پر نظر آ رہی تھی اور اس کا شوہر اس پر نظریں جمائے جانے کس آنکھوں میں گھبراہٹ اور گل خان کا خیال نہ ہوتا تو وہ تیزی سے باہر آ کر شوہر کے قدموں سے لپٹ جاتی۔ کچھ تھوڑے گھبراہٹ کی کہ وہ اس جہال سے جان چھڑانے کی خاطر پاپاک لیٹوں کو اس قبر میں پیچیک آئے جہاں سے لایا ہے۔

فرحین نے وقت کا ایک ایک لمحہ گل خان اور فرحین کے لیے کسی جذبات سے کم نہیں تھا جب لیاقت حسین نے لیٹوں سے نظریں ہٹا کر گل خان کی طرف دیکھا۔

"گل خان۔" اس نے بڑی تنہید کی سے کہا۔ "تم نے اس کا کیا کرنا کر تم نے بھی مجھے موت کے منہ میں جاتے دیکھا تو اپنی زندگی بھی دھاری جان بچانے کے لیے قربان کر دے گا۔"

"ہاں۔" گل خان نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ "کیا تمہیں گل خان کی دوستی پر بھروسہ نہیں ہے؟"

"تم میرے لیے جو جان کی قربانی دے گا، وہ کس کے حکم سے دے گا؟"

"خدا کا حکم یہی ہے اور تم اپنا پرانا پار بھی ہے۔"

گل خان نے تنہید کی سے جواب دیا۔ "میں کا وہ کرتا تو بڑا ثواب ہے۔ تم بھی ایک معصوم کا زندگی بچانے کی خاطر آگ میں کود گیا تھا۔"

"اب بھی میں نے خدا کے نام پر یہی فیصلہ کیا ہے۔"

لیاقت حسین کی آواز میں کچھ گرج شامل تھی۔ "میں کی جان بچانا خدا کا حکم ہے۔"

"نہیں لیاقت، نہیں۔" فرحین اندر سے روتے ہوئے کچھ لگی۔ "خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ تم جان بوجھ کر اپنا زندگی خطرے میں نہ ڈالو۔ ایک بات اور بھی دیکھیں میں دیکھو کہ گندہ لعل پلید گل کرنے والا خدا اور مولیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتا۔"

"اسی لیے تو وہ کا لڑا ہوا ہے، مشرک ہوتا ہے اور مشرک کو موت کا سزا ہے۔" لیاقت حسین نے کہا۔ "میں اس کے لیٹوں میں بھی ہوئی سونیاں نکالنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اسے تجب ہو کہ وہ سونیاں نکالنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ پوری طاقت استعمال کرنے کے بعد بھی ایک سونیاں نکال سکا، وہ بار بار مختلف سونیاں کو لڑا تا رہا لیکن ہر بار اسے ناکامی ہوئی۔ وہ بری طرح تھکا رہا تھا۔"

"میرا دوست۔" گل خان نے احتجاج کیا۔ "ان پاپاک سونیاں پر گندہ لعل کر کے پھنسا دیا گیا ہے یہ آسمانی سے نہیں لگے گا۔"

"لیاقت۔" فرحین کچھ لگی۔ "کیا تم اپنا فرحین کا بات بھی نہیں مانتے؟"

"گل خان۔" لیاقت حسین نے فرحین کی سنی ان سنی کر دی۔ بڑے جذباتی انداز میں گل خان سے بولا۔ "تم مجھے ایک چاس لاؤ، انکار کرے گا تو پھر میں باہر جا کر کسی اور کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔"

گل خان کی منت ساجت اور فرحین کی تڑپ بھی لیاقت حسین کے ارادے کو جھوٹوں نہ کر سکی، مجبوراً گل خان پاس لانے کا بل کر باہر نکل گیا۔ فرحین دوڑ کر شوہر کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"لیاقت۔" ہم چہرے آگے ہاتھ جوڑا۔ اپنا ارادہ ترک کر دو، کیا تم اپنا دل، اپنا جان بچ کر کہ بات بھی نہیں مانے گا؟"

"ہم خدا کو کبھی منہ دکھائے گا ولیر؟" لیاقت حسین نے بھائی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "مولوی صاحب کی تعلیم نے ہم کو ایک ہی بات سکھایا ہے۔ یہی کہ اگر وہ سونیاں نکال دے تو بندے پر لازم ہے کہ مٹی کر لیں گے، اس لیے کہ مٹی گندہ کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ چٹ کر دیتا ہے۔"

"وہ اور بات ہے لیکن تم پلید گل کا توڑ کر لے جا رہا ہے جو کوئی کا کھڑا کچے سے کہتا ہے اور۔"

"اس پر بھروسہ نہ کرنا لیاقت۔" ہم خدا کے لیے ایک نیک قدم اٹھائے گا تو وہ غمزدار ہم کو اپنا دوست سے نوازے گا۔"

باہر سے گل خان کے قدموں کی آہٹ ابھری تو فرحین اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی بیگم پکڑوں پر اچھا کھپکھپ رہی تھی۔ شوہر کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی وہ پھر کمرے میں چلی گئی۔ گل خان چلاں لے آیا تھا۔ اس نے ایک اور کوشش کی کہ لیاقت حسین اپنی طاقت سے ہار جائے لیکن لیاقت نے

1987ء سے خدمت میں مصروف

LEUCODERMA-VITILIGO

سید جمال زیدی قابل علاج مرض ہے

سید جمال زیدی

STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

ایوارڈ ہولڈر



ASIAN EXCELLENCE PERFORMANCE AWARD



AWARD PILLAR OF LEUCODERMA

اسلام آباد

9- اپریل 30c کل
9- اگست 30c کل
9- دسمبر 30c کل

لاہور

14- فروری 27c کل
14- جون 27c کل
14- اکتوبر 27c کل

پشاور

11- فروری
11- جون
11- اکتوبر

ملتان

28- مارچ 6c کل
28- جولائی 6c کل
28- نومبر 7c کل

کراچی

13- مارچ 27c کل
13- جولائی 27c کل
13- نومبر 27c کل

www.leucodermatologist.com

E-mail: syedajmalzaid@hotmail.com - syedajmalzaid@yahoo.co.uk

دل میں جو لہان لی تھی اسے ہوا کیے بغیر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

پلاس پر چاری حافقت صرف کرنے کے بعد ہی لیاقت حسین بہ مشکل مویوں کو جو لہان میں تھری ہوئی تھیں، انہوں سے نکالنے میں کامیاب ہوا۔ تھکن سے اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہوا تھا۔ مویوں نکالنے کے بعد پلاس کے ذریعے اس نے پلاس مویوں کو بھی نکالنے کوئے کرنا شروع کر دیا۔ اس پر ایک جوں سا جاری تھا۔ گل خان خاموش کھڑا لیاقت کی وحشت کو بھی سہی تھری سے بھٹکا ہوا۔ کمرے کے دروازے میں مصیٰ بچھائے سر بہ ہونوئی۔ خدا سے گونوا کر بڑی مازی سے شوہر کی سناقتی اور شہر کی دیا کی ناگہم رہی تھی۔

لیاقت حسین نے کام مکمل کر کے پلاس گل خان کو اچس کیا۔ مویوں کے ٹھوس اور خوں سکود مویوں کو اپنی جلی پر صیٰ کیا پھر اسے گھر سے دور کر دیا۔ آج گل خان ایک ہفتہ کو اس سے دور تھیں ہوا، ساتھ ساتھ رہا۔ قبرستان سے واپسی پر جب اس نے لیاقت حسین کے چہرے پر الطمینان اور سکون کے تاثرات دیکھے تو وہی زبان میں بولا۔

"بہتر دوست۔ تم نے اپنا کم نہی کر ڈالا، امارا کوئی ہمت نہیں سنا تھیں اب ایک دست تو مان لو۔"

"تم بہرا بھڑی ہے گل خان۔ پرانا جوتی وار۔" لیاقت حسین نے جذباتی انداز میں گل خان کو گنگے ڈگایا پھر بولا۔ "ام خدا کے رہ میں جو سگی فی کس لڑ کر تھا کر چکا، اب تم جو بولے گا ہم اس سے انکار نہیں کر سگے۔"

"اور۔۔۔۔۔"

"ایک دم کا وعدہ۔۔۔۔۔ سرواں والا۔" لیاقت حسین نے گل خان کو طہن دلا دیا۔ "اور مٹکسویہ کے پاس کسی پہچنے ہوئے بزرگ نے لیرا بھلا لیا ہے۔" گل خان نے کہا۔ "وہ میں اچانک کہیں سے آکر کھلے آسمان کے چپچپے بیٹھ گیا تھا۔ بوڑھا آدمی، سفید اڑھی ہے، اس کے پاس ایک کتچ تھا جس پر وہ سر جھکا کے کتا راستہ کچھ پڑھتا رہتا ہے۔ نماز بھی اور زین صاف کر کے پڑھتا تھا، لوگ اسے کھانا پانی ترس کھا کر پہچنے لگے لیکن کسی نے اسے کھاتے بیٹھے نہیں دیکھا۔ وہ دن رات مٹکس بند کیے کتچ کے دوا لوی کو کھانا پڑھتا ہے، کسی سے نہ کئی بات کرتا نہ آکھ اٹھا کر کسی کو دیکھتا۔" گل خان نے بات جاری رکھی۔

"مگر لوگوں نے اس کو بزرگ سمجھ کر بڑی سزا دے دی۔ اس وقت وہ بندہ خدا کی کے ساتھ کچھ

ہات نہیں کیا۔ اپنے آپ میں گھر پٹا۔ ایک سال بعد ہوا ہو گیا، اس کی ہمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔۔۔۔۔ غریب اور دکھ کے در سے اس کے پاس جمع ہونے لگے۔ اسے کھانا کھڑا مانتے، وہ چپ بیٹھا کتچ کا دان کھاتا رہتا، کبھی کبھی گرائن کا ممبری چپکے سے اس یا نہیں کا اشارہ کر دیتا جس کے لیے اس کا اشارہ کرتا اس کی مراد پوری ہوجاتی۔ نہ کا اشارہ کرتا تو مساک مایوس ہوجاتا۔ ایک سال سے کسی نے اس ویسے کو کچھ کھاتے بیٹھے نہیں دیکھا۔

اب دیاں دن رات ضرورت مندوں کا بیٹھنا رہتا ہے، اس کے لیے ایک چھوٹی چھوٹا دی بنا دی گئی ہے۔ روز و رات ضرورت مندوں کو پر پک دیا جاتا ہے۔ ایک دن میں پر پک ہاتھ دال گل دی پر چھان ہاتھ ہے۔ اس کے بعد کسی کو چھوٹی چھوٹا دی میں ہونے کا اجازت نہیں ملتا۔ ہم تم کو کھل اور لے کر ہائے گا۔"

"تمہارا اور لوگوں کا کبھی خیال ہے؟" لیاقت حسین نے پوچھا۔ "بزرگ کون ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔"

"خدا کا کوئی ٹیک بندہ ہوگا۔" گل خان نے جواب دیا۔ "اس کے بارے میں لوگوں نے عجیب عجیب باتیں بولی تھیں۔ سچ کیا ہے؟ یہ خدا اور اس کا رسول ہے۔"

"کیسا باتیں۔۔۔۔۔" لیاقت حسین نے پوچھا۔ "گل خان کی باتیں سن کر اس کے اندر ایک اچھا ہاتھس کر دھنسنے لگے گا۔"

"کچھ لوگ بولتے ہیں کہ کبھی کبھی چھوٹی چھوٹا دی میں کوئی نظر نہیں آتا۔ لوگ سوچتے ہیں کہ شاید وہ ٹیک بندہ کدھری اور گل گیا لیکن وہ اسے نہ پا سکتی تھی وہ دہارہ اپنا کچھ اسی طرح کی دیا اسے کی طرح بیٹھا کھاتا ہے۔"

"حیرت انگیز بات ہے۔" لیاقت حسین نے کہا۔ "تمہارا باتیں سن کر خود میرا دل کرتا ہے کہ ایک بار اس کا دیدار کر لوں۔"

"میں بھی چلے گا۔"

"میں نہیں۔" لیاقت حسین نے غم میں کہا۔ "صاحب اور بیگم صاحب کی فیروز جوتی میں دھڑکا سما دے اور میرا ہے، گل ہم نیا والا بیگم صاحب سے ایک دن کھانا کھائے گا۔ اگر گل گیا تو پرسوں تمہارا ساتھ ضرور چلے گا۔"

"لیاقت کو اچانک کچھ یاد آ گیا۔" تمہارا خدا کا وہ ٹیک بندہ ایک دن میں صرل دی آدھیوں سے ملتا ہے۔ جس کے پاس پر پٹا ہو۔"

"یہ سارا پتھر ادھر کچھ لوگوں نے چلا رکھا ہے ورنہ ان لوگوں سے نہ ہوتا ہے، نہ آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے، جس بھی کسی ساکلی کا دوا دھوا سن کر اس کا گردن بھی ہلنے لگتا ہے، لپٹے لپٹے اوپر پہنچے حرکت کر رہا، بھی نہ ہونے کے لیے دیکھیں دیکھیں کھڑا آواز حرکت کرتا ہے۔"

"ہم اس بزرگ کا قدم ہوش کے لیے ضرور اس کے ساتھ ایک ملاقات کرے گا۔"

بات کرتے ہوئے دونوں گھر کے قریب آ گئے، رات کا پورا گزر چکی تھی۔ محل خان کا تھکا کر چلا گیا۔ لیاقت حسین نے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ کمرے میں داخل ہوا تو فریسیں بدستور جائے لیڈر پر لگی، ہاتھ اٹھائے خدا کے سامنے اپنے سہاگ کی حفاظت کے لیے بڑی عاجزی سے دعا کی تاکہ وہی تھی۔ قدموں کی آہٹ سن کر اس نے شوہر کو دیکھا تو جلدی سے دعا فسخ کر کے چہرے پر ہاتھ بھیرتے ہوئے آگئی اور نظری سے روڑ کر شوہر کی کشادہ ہانپوں سے پست کر رہے اختیار بھوت بھوت کر رہے تھی۔ لیاقت حسین کا دل کت کر رہ گیا۔

"خدا کا ذات پر بھروسہ رکھو لیاقت کا جان بھر۔ وہ مسنونہ اسباب بھی ہے اور مشکل کشا بھی۔ جو بندہ اس کی راہ میں نکلے کرے وہ اس سے بھی منہ نہیں پھیرتا اور۔ مقدور کا لکھا بھی اٹھ اوتا ہے۔"

"تم اپنا فریسیں کا چھ ہاتھ نہ کرو گے کا بھی ذکر نہیں کیا۔" فریسیں نے فکور کیا۔ بدستور شوہر کے کشیدہ سینے پر سر کے سسکتی رہی۔ لیاقت حسین نے اسے رو بار دہلی دینے کی کوشش کی تو ہڈ باقی انداز میں بولی۔

"ایک بات اہلار بھی سن لو۔ اگر خدا نہ کرے تم کو کچھ ہوا تو تمہارا فریسیں بھی کچھ کھا کر جان ویدے گا۔" "یہاں نہیں ہوگا دیر۔" لیاقت حسین نے اسے گلے خان کے ساتھ کسی بزرگ کے پاس جانے والی بات بتائی تو اس نے شوہر کا ہاتھ قلم کر اپنے سر پر دھکتے ہوئے کہا۔

"تم کو اپنا فریسیں کا زندگی کا واسطہ۔ اب بزرگ کے پاس جانے میں کوئی ہیر پھیر نہ کرنا۔"

"ہم انہوں دیتا ہے میرا زندگی۔ ہم گل خان کے ساتھ اور ضرور جائے گا۔" لیاقت حسین نے غلوں ول سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ایک بات کا تم بھی یقین رکھو دیر جان، بدو جو کام اور والے کی رضا اور اس کا نام لے کر کرے گا اس میں شک کیا نہیں ہوتا۔"

اس بات کا کھانا کھانے کے بعد جب دونوں سوئے

کے لیے بیٹے تو فریسیں نے شادی کے بعد بھی بدستور ہر کام میں طرح ہلی دہلیوں میں سمٹ کر لیٹا تھا جیسے زندگی کی آخری سانسوں تک ایک چیز کے لیے بھی اسے شوہر کی جدائی منظور نہ ہو۔

ڈی۔ آئی۔ سی (کراچی) حافظ عظیم احمد، قیادت و باغداد اور ایمان دار آفیسر تھے۔ انھیں صرف عظیم احمد کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس وقت وہ حسب معمول اپنے آفس میں ٹھیک آٹھ بجے داخل ہوئے، جب وہ سکون سے بیٹھ گئے تو ان کے ہارڈی اور ڈی نے انداز کر لیا۔

"صاحب۔۔۔ ڈی ایس پی سراج صاحب نے آپ کو سلام بولا ہے۔"

"وہ کب آئے؟"

"آپ کے آنے سے پہلے ہی آ گئے تھے۔" سپاہی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ انھیں اندر بھیج دو۔"

سپاہی سلام کر کے چلا گیا تو عظیم احمد کے ہونٹوں پر ایک غصہ منظر ابھرا۔ بھری۔ سراج بڑا راست ان کا ماتحت نہیں تھا لیکن وہ مانتے تھے کہ سراج بھی ایک گھراؤ اور اور باغداد پولیس آفیسر ہے جو اہم موقعوں پر صرف عظیم احمد سے مشورہ کرتا تھا اور اس پر عمل کرتا تھا۔ عظیم احمد نے ایک آدھ بار کوشش بھی کی تھی کہ سراج کو بھی شیعہ کر لیں مگر اس نے اس کی باتیں سنیں اور اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے آفیسر ان کے کھوتی ارکان کو یہ منظور نہیں تھا کہ وہ ایمان دار سپاہی اور ایک جگہ کہتا ہوں اور ہمارے لیے تو وہی کاموں کی راہ میں موثر رہا دیکھا پیدا کریں۔ چنانچہ عظیم احمد نے زیادہ کوشش نہیں کی لیکن وہ ٹھکر میں سراج کو بہت مست راست ہی سمجھتے تھے، خود سراج بھی انہیں سمجھتا تھا۔

سپاہی کے جانے کے بعد سراج نے آفس میں داخل ہو کر عظیم احمد کو فنی انداز میں سلام کیا پھر ان کے اشارے پر میز کی اوپر کی طرف گری پر بیٹھ گیا۔ عظیم احمد نے سراج سے شکوہ کیا کہ سراج نے اسے اس میز پر ایک طرف لگے اس سوچا کہ جس کو روکا جو اس کے دروازے پر گئے سراج بلب کو روشن کر دیا تھا، جس کا مطلب ہوتا تھا کہ جب تک سراج جی جیتی رہے، کسی کو بھی انداز آنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ انتہائی اہم غصہ کی صورت میں اگر کام پر ڈی آئی جی سے رابطہ کیا جاسکتا تھا۔

"کیسے ہو سراج؟" عظیم احمد نے سراج کے بیٹھنے کے

بعد بے لطفی سے پوچھا۔ "کیا پھر کوئی اہم معاملہ تمہیں میرے آفس تک لے آیا ہے؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے سر۔" سراج نے ادب سے جواب دیا۔ "میں آپ کے گھر بھی آ سکتا تھا لیکن مجھے حشر اور اس سے معلوم ہوا ہے کہ اب آپ کے گھر پر آنے جانے والوں کی فہرست بھی غلطی طور پر۔"

"مجھے خبر ہے۔۔۔ عظیم احمد نے بے پروائی سے کہا۔

"اچھا کیا پڑتا آگئے؟" پچھو بری ریکی تنگدستی کی تفصیل سے سیدھے بیان اور شیخ حامد کے واقعہ کو سن کر اس نے اس وقت کیے جانے والے ہر کی تفصیل بھی بیان کی۔ شیخ حامد کے ساتھ جب سراج نے انھیں گھر لایا تو عظیم احمد کی کشادہ چٹائی پر فٹنیں پھرنے لگیں۔ سراج نے اپنی بات مکمل کی تو عظیم احمد نے کرسی پر سجدے ہوئے سوال کیا۔

"انھیں خاں ہوئی تو نہیں جس کی قابل جان پر جو کے سرور خانے میں غلامی تھی ہے۔ اس نے کسی صوبائی مشر کے عہدے پر حشر نامی کال کر لی کہیں میں کلیدی کروادرا کیا تھا لیکن وہی مقاماتوں پر روجہ کی گھنٹی کی طرح نکال گیا تھا۔"

"جی سر۔۔۔" سراج نے ہلادہل کر تنبیہ کی سے کہا۔ "شیخ حامد نے بھی اسی لیے اپنی فہم میں اسے ایک اہم عہدہ دے رکھا ہے۔ ہمارے لحاظ کام افضل خان ہی سے لیتا ہے، اسے بھی ہر سرائی اور حلقوں کی حمایت حاصل ہے۔"

"پھر۔۔۔ تم نے کیا سوچا ہے؟" "میں نے افضل خان کی فائن غلطی طور پر سرور خانے سے فکرو کر ایک کاپی تیار کرالی ہے۔" سراج نے یہ حد تنبیہ کی سے کہا۔ "میں نے سیدھے بیان اور ان کی بیوی کو دیکھنے کے لیے ملک سے باہر جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ ان کے چلے جانے کے بعد میں کسی بھی موقع پر افضل خان اور شیخ حامد کو اس طرح فریب کرنا چاہوں گا کہ انھیں میرے کام فیوض میں پریشان نہ ہو۔ اور ان خطرناک اور دیر لمبے سانپوں کو بھی اس طرح پتارے میں بند کر لوں کہ وہ بھی میرے آگے پھانسنے کی جرأت نہ کر سکیں۔"

"دریا میں رو کر وہ خطرناک گھر چھوٹے دھنکی موبل بنا آتا آسان نہیں چھوٹا تم سمجھ رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ شیخ حامد کی کتنی کہاں تک ہے۔ اس کا ایک اشارہ خدا نہ کرے۔۔۔ تمہیں ملازمت سے برطرف بھی کر سکتا ہے۔ پھر جس فہم مجھ سے کیا جاتا ہے ہو؟"

"سر مجھے آپ کی صرف اتنی مدد دلا رہے کہ کسی آڑے وقت میں آپ اس بات کی گواہی دے سکیں کہ میں ان شخصیات میں سے نہیں ہوں جو رشوت کھا کر ایمان لگے ہوئے ہیں۔ سراج نے مزید وضاحت کرنے کی خاطر مدغم آواز میں اپنا پورا پورا پلان سنایا تو عظیم احمد اٹھ کر دفتر میں بیٹھے۔ سراج کا سوچا ہوا پلان جتنا سووندہ ہو سکتا تھا، اس سے کہیں زیادہ خطرناک بھی تھا۔ خاصی دیر تک عظیم احمد کی گہری سوچ میں مستغرق بیٹھتے رہے۔ سراج پر اُمید نظروں سے ان کے چہرے کا چمکنا لیتا رہا۔

شوہر سراج بھی تجویز واقف تھا کہ اس کا سوچا ہوا منصوبہ کسی ایسے آنکھ لہیر سے سے کم نہیں تھا جس کو ایک معمولی سی آج بھی اس طرح دھماکے کی شکل میں تہہ میں کر دینے کے لیے کافی ہے جس میں سراج کی مدد کی کارکردگی اور اس کی ردی بھی ملل ملل کر دکھائی دیتی تھی۔ اس کا تھکاؤ اس کے اپنے گھر والوں کو بھی بھگت پڑتا۔ اس کی بیٹی بانی شہرت اور عزت تھی۔ اس نے برسوں میں کیا تھا ایک لپٹا میں جس نے اس کو سنبھالی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اندھیرے میں چھائی جانے والی کوئی کوئی اس کے وجود کو ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دے۔

اس مسئلہ کی طویل غاسوتی کے بعد عظیم احمد نے دوبارہ اپنی گری پر ٹھکے ٹھکے انداز میں بیٹھتے ہوئے غصوں لہجے میں کہا۔ "سراج! میں تمہیں اپنا دست راست ہی نہیں بلکہ بہت عزیز بن بھی رہتا ہوں۔ تم نے دو خطرناک گھرموں کے لیے جو عظیم بتائی ہے، اس پر عمل کرتے ہوئے خطرناک ہے لیکن میں تمہیں خوف کی وجہ سے اپنے فرائض منصبی سے روکوں گا بھی نہیں۔ البتہ یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ تمہاری احتیاط اور دور اندیشی سے، ایک ایک قدم پھونک کر اٹھا۔۔۔ جہاں جان جانے کا خطرہ ہو وہاں اس غلوں اور جیم نے بھی رعایت دے رکھی ہے۔ وہاں سوال میری گواہی کا تو میں بزرگ کی حیثیت سے بھی تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ عظیم احمد بھی بیٹھ دکھانے کی کوشش بھول کر بھی نہیں کرے گا۔"

سراج کا چہرہ کھل اٹھا۔ "سر! آپ کے وعدے کے بعد میرا عزیمت اور پختہ ہو گیا ہے۔"

"میری دعا میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔" عظیم احمد نے سراج کو یقین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنا بہت خیال رکھنا۔" بھی میری ضرورت نہیں آئے تو تلفظ بھی نہ کرنا۔" "پھر یہ سر۔۔۔ مجھے آپ سے اسی مشفقہ جواب کی

اسلامی اور انسانی حقوق کی تحریکوں کے لیے ایک نیا دور کا آغاز ہو گا۔